

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو
اپنے ہر درپیش جھگڑے کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کے پاس ہی طلب کرو۔

اصحاب الحدیث اور اصحاب اہل حقیقہ کے مابین
بہت سے اختلافی مسائل میں سے اہم ترین

۱۲ مسائل

جن پر اس کتاب میں قرآن و سنت کی روشنی میں نہایت
منصفانہ مدلل اور آسان فہم محاکمہ پیش کیا گیا ہے

از قلم

حکیم عبدالرحمن خلیفہ

نیر اقبال شجاع ناظم دارالاشاعت رحمانیہ بدوہلی ضلع نارووال

ناشر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

*** توجہ فرمائیں! ***

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب.....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ

لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔

متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی

نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْعِلْمَ الَّذِیْ یَنْفَعُ الْعِبَادَ
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْعِلْمَ الَّذِیْ یَنْفَعُ الْعِبَادَ
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْعِلْمَ الَّذِیْ یَنْفَعُ الْعِبَادَ

اصحاب الحدیث و اصحاب البصائر
ہر مسئلہ میں مسائل ہیں

مسائل

ہن پر اس کتاب میں قرآن و سنت کی روشنی میں نہایت مفصل
دلائل اور آسان فہم خاکہ پیش کیا گیا ہے

از قلم

حکیم عبد الرحمن خلیق مدظلہ العالی
ناشر

تیرا قبائل شجاع نام اراکشاہیہ حمایتیہ مدظلہ العالی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب:	۱۲ مسائل
مصنف:	مولانا حکیم عبدالرحمن علی
ناشر:	دارالاشاعت رحمانیہ بدو ملی
فون نمبر:	۸۱۰۰۱۵، ۸۱۰۰۵۵، ۸۱۰۰۳۶ (۰۳۳۶)
اشاعت:	مستمع
مطبع:	شمس پبلشرز (مستمع) لاہور
کمپوزنگ:	مستمع حسن لاہور۔ فون: ۷۲۲۲۶۴۶
قیمت:	۳۰ روپے

فہرست

صفحہ	عنوانات
۱۸	پیش لفظ
۲۳	سرفراز الیدین
۲۴	اسوکار رسولؐ
۲۵	رسول اللہ ﷺ کا طریق نماز
۲۹	اصحاب رسولؐ سے تبع تابعین تک
۳۱	بعد کے زمانوں تک
۳۲	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
۳۲	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
۳۳	احناف کا اضطراب
۳۵	عقل کی راہ
۳۶	مولانا محمود الحسن کاغذ
۳۷	انتباہ
۳۷	مختلف دلائل
۳۸	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
۴۰	مسلم شریف
۴۱	آوہات کو کھولیں

صفحة	عنوانات
۴۲	پہلی حدیث
۴۲	دوسری حدیث
۴۳	محدثین کی رائے
۴۵	علامہ سندھی حنفی
۴۵	جب خدا کا خوف نہ رہے
۴۷	ایک مجہول کہانی
۵۱	۲- رفع الیدین فی الصلوٰۃ علی الصدر
	(نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا)
۵۰	ہاتھ باندھنا
۵۲	اہل حدیث کا مسلک
۵۳	قول فیصل
۵۴	حضرت عبداللہ بن عباسؓ
۵۵	حضرت علیؓ
۵۵	سفر السعادت
۵۵	احناف کا مسلک
۵۷	احناف کے اپنے گھر میں
۵۸	حضرت ملا علی قاریؒ
۵۸	حضرت امام ابن الہمامؒ
۵۹	ہاتھ باندھنے کا مقصد

صفحہ	عنوانات
۶۰	ہاتھ کہاں باندھے جائیں ؟
۶۳	۳- فاتح خلف الامام
۶۵	ارشاد رسول مقبول ﷺ
۶۵	اہل حدیث کا مسلک
۶۶	احناف اور صرف احناف
۶۷	احناف کا مسلک
۶۸	لحمہ فکریہ
۶۸	مقامِ عبرت
۶۹	لیجے اب کیا عذر رہ گیا
۷۱	حضرت ابو ہریرہؓ
۷۲	مستقبل کی فکر
۷۳	یہ دیوار بھی گر چکی ہے
۷۵	حضرت امام ابو حنیفہؒ فاتحہ خلف الامام کے قاتل تھے
۷۷	ایک اور رُخ سے
۷۷	حضرت عبدالقادر جیلانیؒ
۷۸	حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ
۷۸	ایک سوال
۸۰	احناف کے دلائل کی حیثیت
۸۱	مولانا عبدالحی لکھنویؒ
۸۲	پہلی دلیل

صفحة	عنوانات
۸۳	حقیقتِ حال
۸۶	ایک توجہ طلب حقیقت
۸۸	پھر مولانا عبدالحی لکھنوی
۸۹	عمرِ آخر
۹۰	دوسری دلیل
۹۱	تفاعلِ صحابہؓ
۹۱	امیر المومنین فاروق اعظمؓ
۹۲	امیر المومنین علی المرتضیٰؓ
۹۲	چند دوسرے اصحاب کبارؓ
۹۳	حضرت شاہ نظام الدین لولیاؒ
۹۵	کیا رکوع میں ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے؟
۹۷	اصل بات کیا ہے؟
۹۸	احناف ہی بتائیں
۹۸	ایک امر واقعہ
۹۹	صحیح قیاس
۱۰۲	احناف کی خوشی بھی بے بنیاد ہے
۱۰۳	کچھ مزید کمزور روایات
۱۰۴	۴- آئین بالجہر
۱۰۵	آئین کیا ہے؟
۱۰۶	تری آواز مئے نور مدینے

صفحة	عنوانات
۱۰۶	اُمّ القرآن
۱۰۷	نماز اور سورۃ فاتحہ
۱۰۸	سورۃ فاتحہ اور آمین
۱۰۹	حقی بھائیوں کی آمین پانچم
۱۱۰	مباح حنفیہ
۱۱۱	صحیح بخاری شریف
۱۱۱	آمین کی فضیلت
۱۱۲	امام کی آمین
۱۱۳	مقتدیوں کی آمین
۱۱۴	صحابہ کا معمول
۱۱۵	صحیح مسلم شریف
۱۱۶	ابوداؤد شریف
۱۱۸	ابن ماجہ شریف
۱۱۹	ترمذی شریف
۱۲۰	نسائی شریف
۱۲۱	چار اماموں میں سے تین
۱۲۱	امام مالکؒ
۱۲۳	امام شافعیؒ
۱۲۴	امام احمد بن حنبلؒ
۱۲۵	کچھ اور معتبر گواہ

صفحه	عنوانات
۱۲۵	ابن خزیمہؒ
۱۲۵	داری شریف
۱۲۶	دارقطنی شریف اور الحاکم
۱۲۶	علماء اکابر ملت
۱۲۷	حضرت امام ابن قیمؒ
۱۲۷	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
۱۲۹	حضرت امام غزالیؒ
۱۳۰	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
۱۳۰	اجماع اُمت
۱۳۰	اصحاب رسول رضی اللہ عنہم
۱۳۱	صحابیات
۱۳۱	تابعین حضراتؒ
۱۳۱	ائمہ دین
۱۳۱	محمد شین
۱۳۱	حنفی علماء
۱۳۲	حضرت ابن الہمامؒ
۱۳۳	علامہ بدر الدین عینیؒ
۱۳۵	مولانا عبدالحی لکھنویؒ
۱۳۵	شیخ عبدالحق دہلویؒ
۱۳۷	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

صفحة	عنوانات
۱۳۷	آمین کا ایک قدسی الاصل رُخ
۱۳۳	آمین اور ینودی
۱۳۵	حقی موقوف
۱۳۶	احناف کی پہلی دلیل
۱۳۸	حقی بزرگ بھی
۱۳۹	ابن الہمام کی گواہی
۱۳۹	ہات کا دوسرا رخ
۱۵۰	ایک سوال
۱۵۱	ایک اور خرابی
۱۵۱	احناف کی دوسری دلیل
۱۵۳	اس روایت پر محدثین کی رائے
۱۵۵	احناف کی مزید دلیل
۱۵۸	۵۔ تراویح (آنحضرتؐ یا نہیں؟)
۱۵۹	وجہ تسمیہ
۱۶۰	آج کیا صورت ہے؟
۱۶۱	آنحضرتؐ اور بیس کا لطیفہ
۱۶۳	انعامی چیلنج
۱۶۳	مسجد نبویؐ
۱۶۶	اختلاف کی نوعیت
۱۶۷	مسئلہ کی صحیح صورت

صفحہ	عنوانات
۱۶۹	ایک توجہ طلب حقیقت
۱۷۰	قیام اللیل کیا ہے ؟
۱۷۱	کچھ مزید روایات
۱۷۲	حنفی اہل علم اکابر
۱۷۲	ابن الہمامؒ
۱۷۳	علامہ بدر الدین عینیؒ
۱۷۳	رد المحتار (شامی)
۱۷۳	حضرت مکلا علی قاریؒ
۱۷۵	مولانا عبدالحق دہلویؒ
۱۷۵	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا عبدالحق لکھنویؒ
۱۷۶	دوسرے آئمہ دین جلال الدین سیوطیؒ
۱۷۶	ایک بے بنیاد عذر
۱۷۸	مخالف دلائل
۱۷۸	پہلی روایت
۱۷۹	دوسری روایت
۱۸۱	۶۔ جمعہ اور ظہر احتیاطی
۱۸۲	جمعہ اور ظہر احتیاطی
۱۸۳	ثبوت پہلو
۱۸۵	ابو محمدؒ کا عقیدہ
۱۸۵	فقہ حنفی کی ناکامی

صفحة	عنوانات
۱۸۶	ظہر احتیاطی
۱۸۷	نہ جمعہ نہ ظہر
۱۸۹	ہات کا ایک نازک رخ
۱۹۰	۷۔ نماز جنازہ
۱۹۱	نماز جنازہ
۲۹۱	سورۃ فاتحہ
۱۹۲	نماز جنازہ میں رسول علیہ السلام کا طریقہ
۱۹۳	حضرت حسن بصریؒ
۱۹۳	سورۃ فاتحہ منہ میں ہی پڑھ لیجئے
۱۹۵	ماہنامہ فاتحہ کی دلیل
۱۹۶	ایک ایمان افروز واقعہ
۱۹۷	جنازہ میں جبری قرآن
۱۹۸	رسول اللہ ﷺ کا معمول
۱۹۹	نماز جنازہ مسجد میں
۲۰۱	قبر پر جنازہ کی ادائیگی
۲۰۲	نماز جنازہ غائبانہ
۲۰۵	یہ ایک لطیفہ ہی ہے
۲۰۶	جنازہ کی دعا
۲۰۸	دعا کے بعد سلام

صفحه	عنوانات
۲۱۰	۸- ایک مجلس کی تین طلاقیں
۲۱۱	ایک مجلس کی تین طلاق
۲۱۱	مسئلہ کی صورت
۲۱۲	یہ حلالہ کیا ہے
۲۱۳	ایک دریافت طلب باب
۲۱۴	تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ
۲۱۷	اور حلالہ ٹل گیا
۲۱۹	خفی حلالہ کا تصور بھی سخت کر بناک ہے
۲۱۹	ایک ٹیلی ویژن اداکارہ کا الیہ
۲۲۱	ایک حلالہ جس نے حرام کو دوام بخشا
۲۲۳	قصور وار کون
۲۲۴	مقام عبرت
۲۲۵	ایک بار پھر
۲۲۶	یہ حلالہ اہل حدیث کا دوسر نہیں ہے
۲۲۸	قرآنی حلالہ
۲۲۸	ایک وقت کی تین طلاق خلاف سنت بھی ہیں
	اور نافذ بھی نہیں ہوتیں
۲۲۹	ایک مجلس کی تین طلاق دراصل ایک ہی رجعی طلاق ہے
۲۳۰	خرابی کا علاج

صفحة	عنوانات
۲۳۸	دوسری ہلاکت
۲۳۹	تیسری ہلاکت
۲۴۱	جب دیارِ نبیؐ نے تو خدا یاد آیا
۲۴۱	مصری حکومت نے پہل کی
۲۴۲	دوسرے اسلامی ممالک
۲۴۲	مولانا پیر کرم شاہ
۲۴۳	ضرورت کی مجبوری
۲۴۳	مفتی کفایت اللہ مرحوم
۲۴۴	مولانا عبدالحی لکھنویؒ مرحوم
۲۴۵	۹۔ مفقود الخیر کی بیوی کا مسئلہ
۲۴۶	مفقود الخیر کی بیوی
۲۴۷	الحدیث کا مسلک
۲۴۸	حنفی مسلک
۲۴۸	رعایت پر رعایت
۲۴۹	یہ دروہا کی ہے یا لطیفہ؟
۲۵۰	رحمدلی مگر اپنا پتالہ وہیں کا وہیں
۲۵۱	۱۰۔ تقلید اور مقلد
۲۵۲	تقلید اور مقلد
۲۵۲	تقلید شخصی

صفحة	عنوانات
۲۵۳	تین بڑی وجوہ
۲۵۳	پہلی بڑی وجہ - تقلید جمالت ہے
۲۶۰	دوسری بڑی وجہ - تقلید بدعت ہے
۲۶۲	آؤدور یافت حال کریں
۲۶۲	قدم بہ قدم
۲۶۳	آئیے ایک قدم اور آگے چلتے ہیں
۲۶۳	آخری قدم
۲۶۶	تقلید کب آئی؟
۲۶۸	تیسری بڑی وجہ - یہ انسانی برادری کا مسئلہ ہی نہیں ہے
۲۷۱	یہ کوئی شرف نہیں ہے
۲۷۲	۱۱- اہلحدیث کا مسلک
۲۷۳	اہلحدیث کا مسلک
۲۷۴	رسول اللہ ﷺ کی وصیت
۲۷۶	رسول اللہ ﷺ کی بیعت کا مقصد
۲۷۹	۱۲- فرقہ نہیں جماعت
۲۸۰	فرقہ نہیں جماعت
۲۸۰	فرقہ کیا ہے؟
۲۸۱	نیا فرقہ
۲۸۳	قدامت اللہ حدیث

صفحة	عنوانات
۲۸۴	ایم مقولی بات
۲۸۵	اس بات کا دوسرا رخ بھی ہے
۲۸۷	حقی معضرات سے ایک سوال
۲۸۸	تصویر کا پچھلا رخ
۲۸۹	ایک بہتان کی تردید
۲۹۰	یہ عہد الوہاب کون تھا؟
۲۹۱	ایک الیہ
۲۹۱	یہ ظلم ہے یا جہالت؟
۲۹۳	اپنے حسن انجام کے لئے
۲۹۵	ہمارے حقی بزرگ
۲۹۶	فصل اوّل - خدمتِ رسولؐ میں تحریف و ترمیم
	کی ہولناک جسارت
۲۹۷	یومِ قدسین کی پکھری
۲۹۸	خسرہ کا کشف
۲۹۸	پھر ست بدل گئی
۲۹۸	ایک خط پڑھے
۳۰۰	مجمووری کا سفر
۳۰۱	حق کی گواہی
۳۰۲	عمود الیٰ اللہ صود
۳۰۳	راہ کا بھاری پتھر

صفحة	عنوانات
۳۰۵	بیہقی پر یہ حادثہ کب گذرا
۳۰۶	کچے چور
۳۰۹	فصل دوم
۳۰۹	حدیث بیہقی اور قدیم حنفی اصحاب علم و خبر بزرگ
۳۱۰	حضرت امام ذہبیؒ
۳۱۱	غلط فہمی نہ رہے
۳۱۱	حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ
۳۱۳	الہدایہ کی گواہی
۳۱۳	یہ تورہ چڑھی بات ہے
۳۱۶	فصل سوم
۳۱۶	دو فریق جنگ
۳۲۲	فصل چہارم
۳۲۳	بات چل نکلی ہے
۳۲۳	مسند حمیدی
۳۲۵	دیدہ دلیری کی انتہا
۳۲۷	فصل پنجم
۳۲۷	ہدایہ شریف
۳۲۷	مقام ہدایہ

صفحه	عنوانات
۳۲۸	ایک مفروضہ جعلی حدیث
۳۲۹	دوسری خود ساختہ جعلی حدیث
۳۳۰	تیسری خود ساختہ اور جعلی حدیث
۳۳۱	گمراہی گواہی
۳۳۱	ایک الگ فصل: چار فقہی امام اور الہدایت
۳۳۲	فروق کافساد باہمی
۳۳۳	اہل حدیث سے عناد کی وجہ
۳۳۴	اہل حدیث کا موقف
۳۳۴	ایک حقیقت بینہ
۳۳۵	تصویر کا ایک اور رخ
۳۳۶	تمتمہ: ایک شکایت کے جواب میں

پیش لفظ

ہم نے اپنی پیش نگاہ کتاب میں اہلحدیث مسلک کی روشنی میں ذیل کے بارہ مسائل پر گفتگو کی ہے :

۱- رفع الیدین اس مسئلہ کی بحث میں ہم نے یہ بتایا ہے کہ نماز کے اندر رفع الیدین کا عمل رسول اللہ ﷺ کی ایک ایسی سنت ہے جسے آپ نے اپنی زندگی کی آخری نماز تک کبھی ترک نہیں کیا تھا۔

۲- وضع الیدین علی الصدر اس عنوان سے ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے اندر نیت کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر ہی باندھتے تھے یہی سنت ہے۔

۳- فاتحہ خلف الامام اس عنوان سے ہم نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ سورہ فاتحہ نماز کا رکن ہے اور اس کا ہر رکعت میں قیام کے اندر پڑھنا ہر نمازی پر واجب ہے 'خواہ وہ اکیلا ہو یا امام کے پیچھے ہو اور نماز خواہ جہری ہو جیسے فجر 'مغرب اور عشاء' خواہ دوسری ہو جیسے ظہر 'عصر' نمازی ہر حال سورہ فاتحہ پڑھے گا ورنہ اس کی نماز شمار نہیں ہوگی۔

۴- آمین بالجہر اس عنوان کے تحت یہ بتایا گیا ہے کہ جہری نمازوں میں جب امام با آواز بلند قرأت کر رہا ہوتا ہے 'جب وہ سورہ فاتحہ کا آخری کلمہ وَلَا الضَّالِّینَ پکارے گا تو وہ خود بھی با آواز بلند ہی آمین پکارے گا اور اس کے بعد مقتدی بھی بلند آواز سے آمین کہیں گے۔

۵- تراویح اس مسئلہ کی بیان میں ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول

اللہ ﷺ کی نماز تراویح ہمیشہ آٹھ رکعت پر ہی مشتمل ہوتی تھی۔ اس سے زیادہ کبھی نہیں ہوئی۔ تراویح دراصل تہجد کی نماز ہی ہے۔ رمضان المبارک میں اس کو نماز عشاء کے ساتھ شامل کر کے پڑھا جاتا ہے تو یہ نماز تراویح کہلاتی ہے۔ جب اس کو پچھلی رات ادا کیا جائے تو یہی تہجد کہلاتی ہے۔

۶۔ نماز جنازہ | اس نماز کی بحث میں ہم نے اس بابت کو ثابت کیا ہے کہ نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ کا پڑھنا بھی بالکل اسی طرح لازم ہے جس طرح دوسری نمازوں میں اس کا پڑھنا لازم ہے۔ نیز یہ ثابت کیا ہے کہ اگر میت حاضر نہ ہو تو اس کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی جائے گی۔ اور یہ بات رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ جنازہ کے بعض دوسرے مسائل بھی ذکر ہوئے ہیں۔

۷۔ نماز جمعہ اور ظہر احتیاطی | حنفی بزرگوں کا کہنا ہے کہ جمعہ کی نماز صرف شہر میں ہی ادا کی جاسکتی ہے دینات میں جمعہ جائز نہیں۔ اور اگر شہر میں بھی ایک سے زیادہ جگہ جمعہ ہوتا ہو تو پھر ظہر احتیاطی پڑھی جائے گی۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں، ایسی صورت میں اگر ظہر احتیاطی ادا کی جائے گی تو یہ نماز جمعہ کو بھی ضائع کر دے گی اور خود بھی شمار نہیں ہوگی۔

۸۔ ایک مجلس کی تین طلاق | حنفی حضرات کے ہاں مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیک زبان اپنی بیوی کو تین طلاق کہہ دے تو وہ پھر حلالہ کے بغیر اپنی بیوی کو واپس نہیں لے سکتا۔ ہم نے ثابت کیا کہ یہ تین طلاق بھی رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ایک ہی رجعی طلاق ہے اس لئے حنفی عورت کو بھی کسی حلالہ کے دردناکی کے سپرد کرنا حلال نہیں ہے

بلکہ یہ حرام امر ہے۔

۹۔ مفقود الخبر کی بیوی جس عورت کا شوہر کسی وجہ سے گم ہو

جائے تو حنفی فقہ کے بموجب اس کی بیوی اس کا ۹۰ برس تک انتظار کرے۔ پھر اسے مردہ سمجھ کر نکاح کر سکتی ہے۔ ہم نے بتایا ہے کہ یہ غلط اور غیر منطقی بات ہے اور ناقابل عمل بھی ہے۔ وہ عورت صرف چار برس تک ہی انتظار کی مکلف ہے۔ پھر وفات کی عدت گزار کر نکاح کر سکتی ہے۔

۱۰۔ عدم جواز تقلید شخصی اس بحث میں ہم نے بتایا ہے کہ تقلید

ایک اختراعی بے بنیاد اور بدعت امر ہے اور اس کو اختیار کرنا انسانی عزت نفس کی توہین ہے۔

۱۱۔ مسک الہدیث اس عنوان سے ہم نے اس مسلک الہدیث کا

تعارف پیش کیا ہے جس کی طرف ہم دنیا کو دعوت دیتے ہیں۔

۱۲۔ فرقہ نہیں جماعت لوگ جماعت الہدیث کو بھی اسلام کے

دوسرے فرقوں کی طرح ایک فرقہ ہی سمجھتے ہیں۔ ہم نے بتایا ہے کہ الہدیث فرقہ نہیں بلکہ یہ ایک تحریک ہے اور دراصل یہی وہ جماعت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے قائم کیا تھا۔

الہدیث کے یہ مسائل قرآن پاک کی صراحتوں سے مصرح رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ سے منصوص اور دوسرے ہر قسم کے منقولی و معقولی دلائل سے صحیح اور ثابت ہیں۔ مگر عجیب بات ہے کہ ان مسائل کے سلسلہ میں حنفی بزرگوں نے ازلول تا آخر اختلاف کیا ہے اور ان کے بارے میں ان کا رد عمل بالکل دوسرا ہے اور ان کی سوچ بالکل الگ ہے۔ ہم نے اپنی اس پیش نظر تصنیف میں اپنی حد تک پوری کوشش کی ہے کہ ان مسائل پر گفتگو

کرتے وقت حقیقی اہل علم بزرگوں کے احرام و اکرام کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے مسائل زیر بحث کے بارے میں صرف کتاب و سنت کا موقف ہی ان کے سامنے پیش کر دیں اور اپنے بھائیوں کے غلط عقائد کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ان کے اعمال و افکار کی اصلاح کی سعی کریں اور صحیح راہ عمل ان کے سامنے کھولنے کا فریضہ انجام دیں۔

اس باب میں جہاں تک اختلاف بزرگوں کے اپنے دلائل کا تعلق ہے، جن کو وہ اپنے موقف کی صحت کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ ہم نے اپنی اس کتاب کی گنجائش کے مطابق ان کو بھی اپنے ہاں من و عن نقل کرنے میں کوئی بخل روا نہیں رکھا اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہے ہم نے ان کے استدلال سے کوئی نا انصافی نہیں کی۔ ان کے دلائل نقل کرنے کے بعد ان کے جواب میں ہم نے اپنی گزارشات پیش کی ہیں تاکہ ہمارے قارئین فریقین کے دلائل کا تقابلی جائزہ لے سکیں اور انہیں صحیح نتیجہ پر پہنچنے اور اپنے لئے راہ عمل متعین کرنے میں آسانی میسر آ سکے۔

ہم اپنے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ سب کو راہ حق کے پائے اس کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق ارزانی کریں آمین

عبدالرحمن خلیق

نوٹ: بعض مقامات پر کاتب کی غلطی کی وجہ سے متن حادیث اور بعض مقامات پر حوالہ جات میں کمی بیشی تھی جسے حتی المقدور درست کر دیا گیا ہے۔ کسی مقام پر ایسی کوئی خامی نظر آئے تو اطلاع ملنے پر اگلے ایڈیشن میں اس کو بھی درست کی جائے گی۔

اپنے احناف قارئین سے

عزیزان گرامی!

یہ کتاب انتہائی نیک خواہشات کے ساتھ بطور ہدایہ اخلاص و محبت آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے اور خدا گواہ ہے کہ اس پیش کش میں آپ سے بہترین ہمدردی کے سوا دوسرا کوئی جذبہ کار فرما نہیں ہے۔ ہم نے اس بات کی بھی پوری کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہماری گزارشات کے اسلوب میں بھی آپ کے لئے کوئی ثقافت راہ نہ پاسکے۔ اور آپ سے صرف یہ درخواست ہے کہ آپ اس بات کو پوری توجہ اور دلجمعی سے ازاول تا آخر ایک بار ضرور ہی مطالعہ فرمائیں۔

والسلام

مخلص

عبدالرحمن خلیق مصنف کتاب ہذا

رَفْعُ الْيَدَيْنِ

ایک عظیم سنت جسے بلا دلیل ہی ترک کر
دی گیا

رفع الیدین

رفع الیدین کا معنی تو اپنے دونوں ہاتھوں کا اوپر اٹھانا ہے۔ مگر شرعی اصطلاح میں رفع الیدین نماز کے اندر بعض مواقع پر اپنے دونوں ہاتھ کا نہ صوں یا کانوں کے برابر تک اوپر اٹھانے کو کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ نماز کے اندر دونوں ہاتھوں کا اوپر اٹھانا چار مقامات پر وارد ہوا ہے۔

۱۔ نماز شروع کرتے ہوئے تکبیر تحریمہ کے وقت۔

۲۔ رکوع کے ارلوہ سے تکبیر کہتے وقت۔

۳۔ رکوع سے سر اٹھاتے وقت۔ اور

۴۔ اگر تین یا چار رکعت کی نیت ہو تو دور رکعت پوری کر کے تیسری کے لئے کھڑے ہو کر۔

ان چار مقامات میں سے پہلی رفع الیدین کے بارے میں تو کسی کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن باقی تین مقامات پر رفع الیدین کے سنت ہونے میں احناف بزرگوں نے اختلاف کیا ہے جبکہ احناف کے سوا پوری امت کے مسلمان اور ان کے تمام ہی فقہی مسالک فکر یعنی اہل حدیث، مالکی، شافعی اور جلی سب کے سب ان چاروں مقامات پر رفع الیدین کو سنت سمجھتے ہیں۔

اسوۂ رسولؐ

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ صَلُّوا کَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي کہ لوگو!

تم بھی نماز ٹھیک ایسے ہی پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔ پس آئیے اس ارشاد گرامی کی تعمیل میں ہم مسئلہ رفع الیدین کے سلسلہ میں بھی اسی سراج نبوت سے اکتساب نور کرتے ہیں۔ جو محض اسی غرض سے ہمارے لئے روشن کیا گیا ہے۔

رفع الیدین کے سنت مجھے ثابتہ اور متواترہ ہونے کے بارے میں روایات اور راویوں کی اتنی بڑی تعداد پائی جاتی ہے کہ دین اسلام کے دوسرے کسی بھی مسئلے پر اس کثرت سے روایتوں کا اجتماع وقوع نہیں پاسکا ہے۔ اس کے راویوں میں بروایات مختلفہ پچاس سے بھی زیادہ تو اسحاب رسولؐ پائے جاتے ہیں اور دو صحابیات ان کے علاوہ ہیں۔

حضرت علامہ مجد الدین فیروز آبادی مصنف قاموس تحریر کرتے ہیں کہ :
 ”رفع الیدین کے سنت ہونے پر صحت کو پہنچنے والی روایات اور اخبار و آثار کی تعداد چار صد ہے۔“ (سفر السعادت)

مگر ہم اپنے قارئین کی آسانی کے لئے یہاں صرف چند انہی روایات کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔ جو ان راویوں سے صحاح ستہ میں وارد ہوئی ہیں جو نبی ﷺ کی زندگی کے اس دور میں ایمان لائے تھے جب آپ کی ساعت وصال بالکل قریب تھی اور انہوں نے آپ کی اقتداء میں آپ کی زندگی کے آخری زمانہ میں نماز ادا کی ہیں۔

ظاہر ہے کہ آپ کی زندگی کے آخری زمانہ میں آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والے بزرگ آپ سے جو کچھ بھی نقل کریں گے وہ آپ کی زندگی کے مستقل معمولات کی ہی عکاسی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا طریق نماز

حضرت دائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

إِنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ وَكَثَّرَ ثُمَّ التَّحَفَ بِتَوْبِهِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ أَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الْعُكُوبِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا فَكَبَّرَ فَرَكَعَ فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللَّهَ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ -

(مسلم جلد ۲) کہ میں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ نے جب نماز شروع کی تو اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور تکبیر کسی پھر اپنے ہاتھ اپنی چادر میں ڈھانپ لئے دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا (اور نماز پڑھنے لگے) پھر جب آپ نے رکوع کا ارادہ کیا تو دونوں ہاتھ چادر سے باہر نکالے اور رفع الیدین کرتے ہوئے رکوع کے لئے تکبیر کسی۔ پھر جب آپ رکوع کر چکے اور سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتے ہوئے اٹھے تو پھر رفع الیدین کی۔

یاد رہے کہ یہ حضرت وائل بن حجر حضر موت کے باشندہ ہیں۔ آپ نے جنگ تبوک کے بعد ۹ھ میں اسلام قبول کیا ہے (البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۷۵) آپ شاہ حضر موت کے بیٹے تھے۔ جب آپ ایمان لا کر مدینہ تشریف لائے تو نبی ﷺ نے ان کی بے حد تکریم کی اور اپنی چادر پاک اپنے کندھوں سے اتار کر ان کے لئے بچھا دی اور انہیں اپنے پہلو میں جگہ دی (الاکمال فی اسماء الرجال) آپ نے مدینہ کا سفر دوبار اختیار کیا اور اس سفر سے جیسا کہ آپ نے خود فرمایا ہے۔ ان کی غرض بس یہی ایک تھی کہ لَأَنْظُرَنَّ إِلَى الصَّلَوةِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی ان سفروں کا مقصد صرف رسول اللہ ﷺ کے طریقہ نماز کا علم حاصل کرنا تھا۔

دوسری روایت میں انہوں نے اپنے مشاہدہ کا ذکر فُكَّانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ کے الفاظ میں بصیغہ ماضی استمراری کیا ہے کہ آپ اپنی نماز میں رفع الیدین کیا کرتے تھے (ابوداؤد مع عون المعبود) (صفحہ ۲۶۳ جلد ۱)

وہ آپ کے اصحاب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّيْتَاءِ فَرَأَيْتُ أَصْحَابَهُ يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ فِي ثِيَابِهِمْ فِي الصَّلَاةِ -

(ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۱ صفحہ ۲۶۵) کہ جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سردیوں کا موسم تھا اور میں نے دیکھا کہ حضور کے اصحاب بھی (آپ کی طرح ہی) اپنی

چادروں کے نیچے سے (ہاتھ نکال نکال کر رفع الیدین کرتے تھے۔

آپ جب دوبارہ تشریف لائے تو بھی نماز کی صورت یہی تھی۔ فرماتے ہیں

ثُمَّ جِئْتُ بَعْدَ ذَلِكَ فِي زَمَانٍ فِيهِ بَرْدٌ شَدِيدٌ فَرَأَيْتُ النَّاسَ عَلَيْهِمْ
حُلُوفَ الْبُتْيَابِ تُحَرِّكُ أَيْدِيَهُمْ تَحْتَ الْبُتْيَابِ۔

(مؤدع عون المعبود جلد ۱ صفحہ ۲۶۵) کہ جب (اگلے برس) میں دوبارہ آیا تو موسم اتنا سرد تھا کہ لوگوں نے بو جھل کپڑے اوڑھ رکھے تھے۔ مگر رفع الیدین بدستور ہی کپڑوں کے نیچے سے (ہاتھ باہر نکال نکال کر) کرتے تھے۔

حضرت مالک بن حویرثؓ بھی حضرت واکل بن حجر کے ساتھ ۹ھ میں ہی ایمان لائے ہیں۔ صاحب کمال تحریر کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ان کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ اور بیس روز تک وہ آپؐ کے مہمان بنے رہے۔ انہوں نے اپنے زمانہ قیام میں حضور علیہ السلام کو جس طرح نماز پڑھتے پایا۔ انہوں نے بھی اسی طریقہ کو اپنا معمول بنالیا۔ بخاری اور مسلم میں خود ان کی اپنی زبان سے بھی رفع الیدین کی ایک مختصر روایت وارد ہوئی ہے۔ مگر ان کا معمول حضرت ابو قلابہ کی زبان سے زیادہ تفصیل کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ حضرت ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مالک بن حویرث کو نمازیں ادا کرتے دیکھا ہے ان کی حالت یہ تھی کہ:

إِذَا صَلَّى كَبَّرَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ
وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الْوُكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَحَقَّتْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ هَكَذَا (مسلم جلد ۲ باب رفع الیدین) یعنی وہ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور رفع الیدین کرتے۔ پھر جب رکوع کا ارادہ کرتے تو رفع الیدین کرتے رکوع سے اٹھتے تو پھر رفع الیدین کرتے تھے۔ آپ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ٹھیک اسی طرح نماز ادا کیا کرتے تھے احادیث اثبات رفع الیدین کے راویوں میں ایک

اور موخر الایمان صحابی حضرت ابی حمید ساعدیؓ ہیں۔ آپ بھی حضور علیہ السلام کے آخری زمانہ حیات میں ایمان لائے اور آپ کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے۔ حضورؐ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد صحابہؓ کی ایک مجلس میں جہاں حضورؐ کے متعدد صحابی موجود تھے آپ نے فرمایا میں تم سب سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کو بہتر طور پر جانتا ہوں۔ اصحاب رسولؐ نے سننے کا شوق ظاہر کیا تو آپ نے حضورؐ کی نماز کی پوری تفصیل بیان کی رُفْعِ اَیْدِیْنَ کے سلسلہ میں فرمایا۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُعَادِيَ بِهِمَا مُنْكَبِهِ ثُمَّ يَرْكَعُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ فَيَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُعَادِيَ بِهِمَا مُنْكَبِهِ ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَيْنِ كَثَّرَ رَفْعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُعَادِيَ بِهِمَا مُنْكَبِهِ كَمَا كَثَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ قَالُوا صَدَقْتَ هَكَذَا كَانَ يُصَلِّي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۱ صفحہ ۲۶۵ و ترمذی مع معارف السنن جلد ۳ صفحہ ۱۳۸) کال ابو یسٰی: هذا حدیث حسن صحیح

یعنی نبی ﷺ جب نماز قائم کرتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کی برابر تک بلند کرتے اور تکبیر کہہ کر نماز پڑھنے لگتے۔ پھر رکوع کی غرض سے تکبیر کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ پہلے کی طرح ہی کندھوں کے برابر تک بلند کرتے۔ اور رکوع میں چلے جاتے پھر سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتے ہوئے رکوع سے سر اٹھاتے اور پہلے کی طرح ہی رُفْعِ اَیْدِیْنَ کرتے۔ پھر جب دو رکعت پوری کر کے تیسری کے لئے کھڑے ہوتے تو جس طرح انہوں نے نماز شروع کرتے وقت رُفْعِ اَیْدِیْنَ کی تھی پھر رُفْعِ اَیْدِیْنَ کرتے۔ وہ بات ختم کر چکے تو مجلس میں موجود سب کے سب اصحاب رسولؐ نے بیک زبان ان کی تصدیق کی اور کہا بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح نماز ادا کیا کرتے تھے۔ اس مجلس میں موجود بزرگوں کے اساء گرامی یہ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت محمد بن مسلمہؓ، حضرت ابواسیدؓ، حضرت بریدہؓ، حضرت حسن بن علیؓ، حضرت سلؓ، حضرت زیدؓ، حضرت عقبہؓ، حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت عمارؓ، حضرت ابومسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت ابو موسیٰؓ، حضرت شریؓ، حضرت ابوسعیدؓ، صحابیات میں سے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام دردمانؓ نے حضرت ابی حمید ساعدیؓ کا یہ بیان سنا اور انہوں نے اس کی تصدیق کی۔

اصحاب رسولؐ سے تبع تابعین تک

اس بات کو قارئین بھی سمجھتے ہوں گے۔ کہ اس مختصر سی تحریر میں پیش نظر موضوع پر زیادہ تعداد میں روایات کا سمو سکتا ممکن نہیں ہے جب کہ ایسی روایات کی تعداد جیسا کہ ہم لو پر عرض کر چکے ہیں پوری چار صد ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں ہم اپنے قارئین کے ایمان میں تازگی اور توانائی پیدا کرنے کے لئے ان اصحاب رسولؐ اور تابعینؓ کی فہرست یہاں درج کئے دیتے ہیں جنہوں نے رفع الیدین کو نبی ﷺ سے بلا واسطہ یا بالواسطہ نقل کیا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، یہ دس بزرگ عشرہ مبشرہ کہلاتے ہیں کیونکہ ان سب کو رسول اللہ ﷺ نے اس دنیوی زندگی میں ہی جنت کی خوشخبری دے رکھی تھی۔

دوسرے اصحاب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابودرداءؓ، حضرت ابومسعود انصاریؓ، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت عبداللہ بن جابر البیاضیؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت قتادہؓ، حضرت ابو قتادہؓ، حضرت عمیر بن قتادہؓ، حضرت ابواسیدؓ، حضرت محمد بن مسلمہؓ، حضرت سہل بن سعدؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ، حضرت حسن بن علیؓ، حضرت حسین بن علیؓ، حضرت ابو حمید ساعدیؓ، حضرت مالک بن حویرثؓ، حضرت وائل بن حجرؓ، حضرت بریدہؓ، حضرت حکم بن عمیرؓ، حضرت زیاد بن حادثؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت حمید بن بلالؓ، حضرت عبید بن عمیرؓ، حضرت عمیر اللہؓ، حضرت لہثان بن عامرؓ، حضرت سلیمان بن یسارؓ، حضرت اعرابیؓ، حضرت عمران بن طفیلؓ، حضرت ابان الحارثیؓ۔ صحابیات میں سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام درداءؓ۔

تابعین بزرگوں میں حضرت حسن بصریؓ، حضرت عطاء ابن ربیعؓ، حضرت طاؤسؓ، حضرت مجاہدؓ، حضرت تافعؓ، حضرت سالم بن عبداللہؓ، حضرت کھولؓ، حضرت سعید بن جبیرؓ، حضرت علقمہ بن وائلؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ، حضرت ابن سیرینؓ، حضرت نعمان بن عیاشؓ، حضرت حسن بن مسلمؓ، حضرت قیس بن سعدؓ، حضرت عبداللہ بن دینارؓ، حضرت ابی قتادہؓ، حضرت قاسم بن محمد اور حضرت محمد بن شہاب زہریؓ۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نام سے نسائی، ترمذی اور ابوداؤد میں ایک روایت نقل ہوئی ہے جس میں رفع الیدین سے انکار کیا گیا ہے۔ مگر یہ روایت نہایت درجہ ضعیف اور جعلی ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اپنے ہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو رفع الیدین کے قائلین میں شمار کیا ہے (جزو رفع الیدین) اس سے اصل اور جعلی روایت پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۲۰

فقہائے امت میں سے اسلام کے وہ فقہی ستون بھی اس فہرست میں شامل ہیں جن کی فقہیت اسلام کا سرمایہ ناز ہے جیسے حضرت عبداللہ بن مبارکؓ۔ حضرت امام مالکؓ۔ حضرت امام شافعیؒ۔ حضرت احمد بن حنبلؓ۔ حضرت امام اوزاعیؒ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ۔

بعد کے زمانوں تک

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رفع الیدین کے سنت ہونے پر اصحاب رسولؐ کا اجتماع ہو چکا ہے انہوں نے حضرت حسنؓ اور حضرت حمید بن بلالؓ سے نقل کیا ہے کہ اصحاب رسولؐ میں سے کوئی ایک صحابی بھی ایسا نہیں تھا جو رفع الیدین نہ کرتا ہو۔ جزء رفع الیدین صفحہ ۴۸ امام بخاری، بیہقی جلد ۲ ابن عساکر حضرت ابی مسلمہ اعرج سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں تمام لوگوں کو ہی رفع الیدین کرتے پایا ہے (تاریخ ابن عساکر)

حاکم تحریر کرتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ سب کے سب ہی رفع الیدین کے سنت ہونے پر متفق ہیں وہ مزید لکھتے ہیں کہ حدیث کے پورے ذخیرہ میں سوائے رفع الیدین کے دوسری کوئی سنت ایسی نہیں ہے جس پر عشرہ مبشرہ کا اتفاق ہوا ہو۔

علامہ مجد الدین فیروز آبادی فرماتے ہیں کہ:

لِكثَرَةِ رَوَايَةِ شَابَةِ الْمُتَوَاتِرِ فَقَدْ صَحَّ فِي هَذَا الْبَابِ أَرْبَعُ مِائَةِ خَبَرٍ وَأَكْثَرُ وَرَأَيْتُ الْعَشْرَةَ الْمُبَشِّرَةَ وَلَمْ يَزَلْ عَلَى هَذِهِ الْكَيْفِيَّةِ حَتَّى رَحَلَ عَنْ هَذَا الْعَالَمِ وَلَمْ يَنْبُتْ غَيْرُهَا۔ (سفر السعاده طبع مصر صفحہ ۹)

کہ رفع الیدین کی حدیث اپنے راویوں کی کثرت کے سبب متواتر کے درجہ تک پہنچ چکی ہے۔ اس کے باب میں آثار و اخبار اور احادیث کی تعداد چار صد ہے۔ اور اس کے راویوں میں عشرہ

المستدرک حاکم

مبشرہ بھی شامل ہیں رفع الیدین اپنی حالت پر رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رہی ہے۔ اس کے خلاف ہرگز کچھ ثابت نہیں ہے۔

حضرت ابن جوزیؒ نے حضرت امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ کسی مسلمان کے لئے ہلال نہیں ہے کہ اسے جب رفع الیدین کے بارے میں حدیث رسول پہنچ چکے تو پھر وہ آپ کی سنت پر عمل نہ کرے (نزهت الناظر المقيم والمسافر)

حضرت امام بخاریؒ نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا یہ معمول نقل کیا ہے کہ
كَانَ إِذَا رَأَى رَجُلًا لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَمَاهُ بِالْحِصْنِ
(جزء رفع الیدین صفحہ ۷) کہ جب وہ کسی نمازی کو دیکھتے کہ وہ اپنی نماز میں رفع الیدین کی سنت پر عمل نہیں کر رہا تو وہ اسے کنکریوں سے مارتے (کہ ظالم رفع الیدین کیوں نہیں کرتا)

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا ارشاد ہے۔ رَفَعُ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الْمَأْتِئَاتِ وَالرُّكُوعِ وَالرَّفْعِ مِنْهُ (غیۃ الطالبین مترجم فارسی علامہ عبد الحکیم حنفی صفحہ ۱۱)
کہ رفع الیدین وارد ہوئی ہے نماز شروع زائد ہے کرتے وقت رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اگرچہ رفع الیدین کے ترک و اختیار میں میانہ روی پر پہنچ کر ہی ٹھہر گئے ہیں۔ مگر اپنے ﷺ کی بات وہ بھی یہی بتاتے ہیں کہ وَالَّذِي يَرْفَعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّنْ لَا يَرْفَعُ فَإِنَّ أَحَادِيثَ الرَّفْعِ أَكْثَرُؤُ أَثْبَتُ۔ (حجتہ اللہ البالغہ مترجم جلد ۲ صفحہ ۳۸۵) کہ رفع الیدین کرنے والا محض مجھے نہ کرنے والے کے

مقابلہ میں زیادہ محبوب ہے کیونکہ رفع الیدین کی احادیث بکثرت بھی ہیں اور ثابت شدہ بھی ہیں۔

احناف کا اضطراب

جو لوگ رفع الیدین کی سنت پر عمل نہیں کر رہے ان کی یہ حالت بڑی ہی قابل رحم بلکہ دردناک بھی ہے۔ وہ ایک طرف تو رفع الیدین کے حق میں وارد ہونے والی روایات میں سے کسی ایک روایت کو ضعیف بھی نہیں کہہ سکتے دوسری طرف خود ان کے اپنے دامن میں ترک رفع الیدین کی تائید میں حدیث کے پورے ذخیرہ کے اندر کوئی ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں ہے۔

احناف بزرگوں نے اپنے لئے یہ دروہا کی بے سبب ہی پیدا کر رکھی ہے ورنہ بات بڑی سیدھی تھی کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اگر رفع الیدین کے سلسلے میں کوئی صحیح حدیث نہیں پاسکے تھے تو یہ اس وقت کی مجبوری ہوگی مگر بعد میں جب احناف بزرگوں پر صحیح صورت حال واضح ہو گئی تھی تو انہیں اس سنت پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہنی چاہیے تھی اور پیش آمدہ حالات میں قول امام کو ترک کرنے کی یہ کوئی نئی بات بھی نہیں تھی۔ کیونکہ اور بھی کتنے ہی مسائل میں احناف حضرت امام ابو حنیفہؒ کی پیروی نہیں کر رہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ احناف بزرگوں نے یہ سیدھی راہ اختیار کرنے کی بجائے اپنی ساری صلاحیتیں رفع الیدین سے بچ نکلنے کی تدبیروں پر ہی صرف کر دیں اور اس کو انہوں نے اپنے وقار کا سوال بنالیا۔ حقائق کا گھیرا بڑا سخت تھا مگر بلا آخر چوتھی صدی ہجری کے ایک حنفی بزرگ امام طحاوی نے اس گھیرے کو توڑ کر نکل جانے کی ایک تدبیر سوچ لی انہوں نے لکھا کہ رفع الیدین کی احادیث صحیح اور ثابت تو ہیں مگر رسول اللہ ﷺ نے اس عمل کو بعد میں منسوخ کر دیا تھا۔ (معانی الآثار طحاوی جلد اول) اور تعجب پر تعجب ہے کہ نویں صدی ہجری

کے دو عظیم حنفی علماء علامہ عینیؒ اور ابن ہمامؒ نے بھی اپنی تمام تر علمی وسعتوں کے باوجود امام طحاویؒ کی اس دریافت کو غنیمت سمجھ کر قبول کر لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اب اگر پوچھا جائے کہ (۱) یہ سنت کیوں منسوخ کی گئی (۲) کس زمانہ میں منسوخ کی گئی (۳) منسوخ کا وہ حکم حدیث کی کس کتاب میں درج ہے؟ تو افسوس ہے کہ احناف بزرگوں کے پاس ان میں سے کسی سوال کا جواب بھی موجود نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی اس زیر نگاہ تحریر میں جو احادیث درج کی ہیں ان کو صحیح مان لینے کے بعد کوئی بھی صاحب علم و خرد شخص رفع الیدین کی منسوخی کی بات نہیں کر سکتا۔

جیسا کہ ہم عرض کر آئے حضرت واکل بن حجرؓ اور حضرت مالک بن حویرثؓ دونوں ہی ۹ ہجری میں ایمان لائے ہیں اور حضرت ابو حمید ساعدیؓ بھی تقریباً اسی زمانہ میں ہی مسلمان ہوئے ہیں۔ یہ زمانہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا آخری زمانہ ہے اور اس زمانہ تک حضورؐ اور آپ کے اصحابؓ کا رفع الیدین کرنا ان کی بیان کردہ روایات سے ثابت ہے۔

حضرت واکل بن حجرؓ پہلی بار ۹ ہجری میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور دوسری مرتبہ ۱۰ ہجری کے اواخر میں مدینہ منچے ہیں اور وہ دونوں بار ہی حضور علیہ السلام اور آپ کے اصحابؓ کو رفع الیدین کی سنت پر عمل کرتے پاتے ہیں اور یہ اہتمام اس درجہ شدید تھا کہ آپؐ اور آپ کے اصحابؓ اپنی چادروں سے ہاتھ باہر نکال نکال کر رفع الیدین کرتے تھے۔

۱۱ ہجری کے ابھی اڑھائی ماہ بھی پورے نہ ہو سکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی۔ پھر رفع الیدین کب منسوخ ہوئی اور کس نے کی؟

عقل کی راہ

یہ صورت احناف کے لئے پہلے سے بھی زیادہ دردناک تھی اور اہل علم کی شان کے خلاف تھی کہ وہ علمی دنیا کے سامنے ایک غیر دستاویزی، غیر علمی اور بے بنیاد بات پر جے رہیں اس لئے بعد کے احناف اہل علم و خبر بزرگوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اپنے بزرگوں کی غلطی کا کھلے بندوں اعتراف کریں اور خواہ پہلی دردناکی قائم ہی رہے مگر علمی دنیا کے سامنے مستقبل کی ندامت سے بچ سکیں۔ چنانچہ مشہور حنفی بزرگ اور بلند پایہ عالم حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا! گو ہم رفع الیدین کو سنت مودہ نہیں مانتے مگر اس کے نہ کرنے سے کوئی شخص ملامت کا محل بنے مگر رفع الیدین کا ثبوت نبی ﷺ سے بکثرت ہے اور راجح (یعنی لائق ترجیح) ہے۔

طلحوی، یعنی اور ابن ہمام نے جو بعض صحابہؓ سے حسن ظن کی بنیاد پر رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو یہ دعویٰ بے بنیاد ہے اور ان کے دلائل قطعاً غیر تسلی بخش ہیں۔ (الصالحین المجد صفحہ ۹۱) حضرت مولانا انور شاہؒ نے تحریر کیا و یعلم ان الرفع الیدین متواتر اسناداً و عملاً لایشک فیہ ولا ینسخ ولا حرف منہ فانما بقی الکلام فی الافضلیتہ (نیل الفرقان صفحہ ۲۲) یعنی حق یہی ہے کہ رفع الیدین سنداً اور عملاً متواتر ہے ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہے اور اس کا ایک حرف بھی منسوخ نہیں ہے اور کلام صرف اس کی فضیلت میں ہے۔

حضرت علامہ سندھی حنفی نے تو بڑے ہی کھلے دل اور بڑے ہی اعتماد سے اظہار حق فرمایا ہے لکھتے ہیں۔

ثم مالک بن الحویرث ووائل بن من رواة الرفع ممن صلى مع النبي ﷺ في آخر عمره فروايتهما الرفع عند الركوع والرفع منه دليل

بقاء و بطلان دعویٰ نسخہ ۱۰

یعنی مالک بن حویرثؓ اور وائل بن حجرؓ ان اصحاب رسولؐ میں سے ہیں۔ جنہوں نے حضورؐ کی اقتداء میں حضورؐ کی زندگی کے آخری زمانہ میں نمازیں ادا کی ہیں۔ ان کا رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے رسول اللہ ﷺ سے رفع الیدین کا بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ رفع الیدین حضورؐ کی زندگی کے آخری روز تک باقی رہی ہے اور اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ صریحاً باطل ہے۔

مولانا محمود الحسن کا عذر

رفع الیدین کی تنبیخ کی کہانی تو اپنے انجام کو پہنچ چکی۔ البتہ جناب مولانا محمود الحسنؒ دیوبندی کا ایک عذر ضرور قابل توجہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں رفع الیدین کی احادیث تو صحیح ہیں مگر رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل ہمیشہ نہیں کیا تھا (ایضاح الاولہ مولانا محمود الحسن) اس کے جواب میں ہم صرف ایک حدیث ہی پیش کئے دیتے ہیں۔۔۔۔۔

عن عبد اللہ بن عمر قال ان رسول اللہ ﷺ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حِذْوِ مَنْكَبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ وَاِذَا رَفَعَ رَاسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ (رفعہما کذا لک فَمَا زِلْتَ تِلْكَ صَلَوتَهُ حَتَّى لَقِيَ اللّٰهَ (ﷻ) یعنی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب نماز شروع کرتے تو کندھوں کے برابر تک اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے تو بھی اسی طرح اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اوپر اٹھاتے پھر جب رکوع سے سر اٹھاتے تو پھر رفع الیدین کرتے آپؐ کی نماز ہمیشہ اسی طرح رہی یہاں تک کہ آپؐ نے وفات پائی۔ اس روایت کی صحت و اصابت کے بارے میں صرف یہی کہہ دینا کفایت کرتا ہے کہ حضرت امام ذہبیؒ نے اس

۱۰ حاشیہ سنن نسائی جلد اول صفحہ ۱۴۰ حاشیہ ابن ماجہ جلد اول صفحہ ۲۸۲

حدیث کو اپنی کتاب نصب الراية تخريج الهدایہ میں بغیر کسی تنقید کے قبول کیا ہے۔ (نصب الراية جلد ۱ صفحہ ۳۱۰)

انتباہ

یہی شریف کے حوالے سے جو ہم نے اوپر حدیث پیش کی ہے فَمَا زَالَتْ فَلَنْكُ صَلَوَاتُهُ حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ کہ حضور علیہ السلام جب تک زندہ رہے رفع الیدین آپ کی نماز میں شامل رہی۔

افسوس کہ اب بازار میں دستیاب یہی حدیث ان الفاظ میں پائی نہیں جاتی۔ یہ حدیث احناف کی راہ کا ایک سنگ گراں تھی انہوں نے چپکے سے یہ حدیث ہی یہی ہے گم کر کے اپنی راہ صاف کر لی۔

مخالف دلائل

اثبات رفع الیدین میں رسول اللہ ﷺ سے وارد ہونے والی احادیث صحیحہ و متواترہ کا سامنا کرتے ہوئے حنفی اہل علم جس اضطراب میں مبتلا ہیں ہمارے قارئین گذشتہ بحث میں اسے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

افسوس ہے کہ حنفی اہل علم نے حق کے کھل بچھے پر ایک مومن قننت کی طرح حق کو اختیار کر لینے کے بجائے اپنے ناحق کی حفاظت کا فیصلہ کیا اور اپنے ناحق کو حق بنانے کے لئے سرگرم کار ہو گئے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے روایات کے کباڑ خانے سے چند ایسی تمسکی پٹی بے اصل اور موضوع روایات دریافت کر لیں جو اگرچہ خود ناحق تھیں مگر ان کے ناحق کی معاون تھیں۔

۱۔ اس درد ناک کہانی اور احناف کی اس مثالی خیانت کے بارے میں تفصیلی بحث آپ اس کتاب کی

آخر میں زیر عنوان ”حنفی بزرگ“ ملاحظہ کریں گے۔ انشاء اللہ

بات کو بوجھل بنانے کے لئے انہوں نے مسلم شریف کی ایک روایت بھی اپنی حمایت میں پیش کی ہے مگر اس نے بھی ان کے خلاف بھرپور گواہی دی ہے۔

حنفی اہل علم بزرگوں کی پیش کردہ تمام روایات کا تو اس مختصر تحریر میں محاکمہ ممکن نہیں ہے، تاہم طالبان حق کے لئے یہاں ہم ان کی چند سرفہرست روایات کا جائزہ پیش کرتے ہیں جن پر حنفی بزرگوں کو ناز ہے اور جو ان کی جمع و ترتیب کار اس المال ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ کی ایک روایت کے بموجب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے احباب خاص (الاسود و علقمہ وغیرہ) سے کہا:

أَلَا أُصَلِّيْ لَكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَصَلَّيْ فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ الْاَمْرَةَ۔ (ابو داؤد مع عون المعبود جلد ۱ صفحہ ۲۷۲ و ترمذی مع معارف السنن جلد ۲ صفحہ ۳۸۸)

”کہ میں تمہیں وہ نماز نہ پڑھاؤں جو رسول اللہ ﷺ پڑھا کرتے تھے؟“ (علقمہ کہتے ہیں کہ) پھر انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی اور سوائے پہلی تکبیر (یعنی تکبیر تحریمہ) کے انہوں نے پوری نماز میں پھر کہیں رفع الیدین کا عمل نہیں دہرایا۔“

ابوداؤد میں اس روایت کی سند یہ بیان کی ہوئی ہے:

حدثنا عثمان بن ابی شیبہ حد ثنا وکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود عن علقمہ۔

حنفی بزرگوں نے اس روایت کو جس زعم اور جس اعتماد کے ساتھ بخاری اور مسلم کی روایات صحیحہ کے مقابلہ میں پیش کیا ہے اسی درجہ کے اعتماد کے ساتھ محدثین نے اس روایت کو مردود قرار دیا ہے کیونکہ اس روایت کا ایک راوی جیسا کہ اس کی سند سے ظاہر ہے

عاصم بن مکیب ہے جو بائناق کبار محمد ثین سخت درجہ کا ضعیف راوی ہے۔

خود ابو داؤد شریف میں ہی اس روایت کو درج کرنے کے بعد امام ابو داؤد لکھتے ہیں کہ
ليس هو بصحيح على هذا اللفظ کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ بقول شاعر۔

دوست ہی دشمن جاں ہو گیا اپنا حافظ انوشدارو نے کیا اثر سم پیدا

یہ روایت ترمذی شریف میں بھی ہے۔ اگرچہ امام ترمذی نے اس روایت کو درج کرنے کے بعد اس کی تحسین کی ہے۔ مگر جب بیس کے قریب ماہرین فن حدیث اس روایت کے ضعیف ہونے پر متفق ہوں تو امام ترمذی کی تحسین کی کیا قدر و قیمت رہ جاتی ہے۔ جبکہ وہ تحسین کرنے میں ہوں بھی مسائل جیسا کہ علامہ زلمی نے بحیرات عیدین کے سلسلہ کی ایک روایت پر (جسے امام ترمذی نے حسن کہا تھا) نقد کرتے ہوئے لکھا ہے۔ وکم حسن الترمذی فی "کتابہ" من أحادیث موضوعة، وأسانید واهية: (نصب الزاویہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۷) اور کتنی ہی موضوع اور واپیات سند والی احادیث ہیں جن کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے۔

عون المعبود شرح ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۷۲ میں ہے: لا يصلح الاحتجاج لانه ضعيف غير ثابت کہ یہ روایت دلیل کے لائق نہیں، ضعیف بھی ہے اور ثبوت کو بھی نہیں پہنچی۔ امام شوکانی لکھتے ہیں:

”اس روایت کو عبد اللہ بن مبارک اور احمد بن حنبل نے ضعیف قرار دیا ہے (القواعد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ) امام نووی شارح صحیح مسلم تحریر کرتے ہیں:

یہ روایت بائناق محمد ثین ضعیف ہے۔ (الخلاصہ نووی)

مسک الحکام شرح بلوغ المرام میں ہے

یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ (مسک الحکام جلد اول)

علامہ ابن حجر عسقلانی عبد اللہ بن مبارک سے نقل کرتے ہیں

لم یثبت عندی میرے نزدیک یہ روایت ثبوت کو نہیں پہنچی۔ (تلخیص
الحیر لابن حجر) (جزاؤل جلد ۱ صفحہ ۲۲۲)

ابو حاتم نے کہا حدیث خطاء احمد بن حنبل اور ان کے شیخ صحیح بن آدم کہتے
ہیں حوضیف امام بخاری نے بھی یہ قول اپنے ہاں نقل کیا ہے (جزء رفع الیدین امام بخاری)
(تلخیص الحیر لابن حجر جلد ۱ صفحہ ۲۲۲)

امام دارقطنی لکھتے ہیں:

لم یثبت کہ یہ روایت فی الحقیقت ہی نہایت درجہ کی ضعیف ہے۔
محمد بن جابر کہتے ہیں کہ لاشعنی کہ یہ روایت بے اصل ہے۔

صاحب مسک الختام نے اس باب میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔ ان حالات
میں یہ حنفی اہل علم بزرگوں کا ہی حوصلہ ہے کہ وہ اس لاشعنی، مردود، ضعیف بلکہ اضعف
یعنی ضعیف تر روایت کو بخاری شریف اور مسلم شریف کی صحیح، مرفوع اور متواتر احادیث کے
مقابلے میں پیش کریں اور پھر اپنی اس دریافت پر ناز بھی کریں۔

مسلم شریف

حنفی اہل علم عموماً اپنا کام ضعیف، اختراعی، بے اصل اور موضوع روایات سے ہی
چلاتے ہیں۔ کیونکہ مسلک کے نام سے ان کی جمع و ترتیب صحیح احادیث سے اکثر ہی ہموار
نہیں ہے۔ لہذا یہ شاید پسلا موقع ہے کہ انہوں نے کسی صحیح حدیث کو پورے اعتماد کے ساتھ
اپنے حق میں پیش کرنے کا حوصلہ کیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس باب میں وہ اپنے علم اور اپنی
دیانت داری کی قربانی پیش کر کے بھی صحیح حدیث کو اپنا نہیں بنا سکے۔ احتاف بزرگوں کی پیش
کردہ حدیث یہ ہے:

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں: أَخْرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ

مَالِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيَكُمْ كَأَنَّهُمَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ اُسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ (مسلم شریف متریم مع شرح نووی جلد ۲ صفحہ ۵۵)

کہ رسول اللہ ﷺ ہماری طرف تشریف لائے اور (ہماری نماز کو دیکھ کر) فرمایا: یہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ تم نماز میں اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہو (اور یوں ہلاتے ہو) جیسے وہ منہ زور اور سرکش گھوڑوں کی دھڑکیں ہوں۔ نماز میں ایسا نہ کیا کرو۔

راوی نے اس روایت میں بات کی تفصیل بیان نہیں بلکہ اختصار کے پیش نظر بات کو مجمل رکھا ہے، ورنہ بات وہ نہیں جو احناف نے بنائی ہے۔ اور یہ بھی امر واقعہ ہی ہے کہ یہ روایت احناف کی دلیل بھی اس وقت تک ہی ہے جب تک بات کھل نہیں جاتی۔ پھر جو نئی بات کھل گئی تو سمجھئے کہ احناف کی دلیل بھی صفحہ کاغذ سے ساتھ ہی دھل گئی۔

آؤ بات کو کھولیں

واضح ہو کہ حنفی اہل فن نے مسلم شریف کے جس باب سے اس حدیث کو اڑایا ہے وہ سرے سے رفع الیدین کا باب ہی نہیں ہے بلکہ وہ باب تشہد کے مسائل پر مشتمل ہے اور جس رفع الیدین فی الصلوٰۃ سے اس روایت کے بموجب روکا گیا ہے اس کا تعلق بھی اس رفع الیدین سے نہیں جو نماز میں داخل ہوتے، پھر رکوع کے لئے ٹھہرتے، رکوع سے اٹھتے اور تیسری رکعت کے لئے اٹھ کر کی جاتی ہے بلکہ یہ کوئی ایسی رفع الیدین ہے جسے لوگ نبی ﷺ کے علم و اطلاع کے بغیر اپنے طور پر ہی تشہد کی حالت میں بیٹھے کیا کرتے تھے۔ مسلم شریف کے اس باب میں جہاں سے یہ روایت لی گئی ہے صرف تین روایات ہی وارد ہوئی ہیں اور یہ تین روایات ایک ہی راوی حضرت جابر بن سرہ سے ہی وارد ہوئی ہیں اور ایک ہی واقعہ کے بارے میں ہیں جسے راوی نے مختلف اوقات میں حسب ضرورت بیان کیا ہے۔

ان تینوں روایات میں سے پہلی روایت جو غیر مفصل ہے اور اس امر کو احناف کے نصیب کی کوتاہی ہی کہنا چاہیے کہ انہوں نے اس روایت کو اپنے حق میں استعمال کیا ہے اور اس کو رفع الیدین کے خلاف اپنی دلیل بتایا ہے جبکہ خود اس روایت کو بھی احناف کی دلیل بننے سے انکار ہے۔

احناف کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لئے ہمیں کسی بحث کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ ہم اس غرض سے اس باب کی دوسری دونوں احادیث اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کئے دیتے ہیں جن کے مطالعہ سے ہر وہ شخص جسے عقل سے تھوڑا بھی تعلق ہو ایہ جان لے گا کہ احناف نے اس روایت کو اپنے حق میں پیش کر کے اپنی عقل اپنے علم اور اپنی دیانت تینوں سے زیادتی کی ہے۔

پہلی حدیث

كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ - السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى الْجَانِبَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَامًا تُؤْمُونَ بِأَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شَمْسٍ إِنَّمَا يَكْفِي أَحَدُكُمْ أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عَلَى فَخْذِهِ ثُمَّ يَسْلَمُ عَلَى أَخِيهِ مَنْ عَلَى يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ (مسلم شریف جلد ۲)

دوسری حدیث

عَنْ جَابِرِ بْنِ سُرَّةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَكُنَّا إِذَا سَلَّمْنَا قُلْنَا بِأَيْدِينَا السَّلَامُ عَلَيْكُمْ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَتَنْظُرُ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَا شَأْنُكُمْ تُشِيرُونَ بِأَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شَمْسٍ إِذَا سَلَّمَ أَحَدُكُمْ فَلْيَلْتَقِ إِلَى صَاحِبِهِ وَلَا يُؤْمِ بِيَدِهِ - (مسلم شریف)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے، پھر جب ہم سلام پھیرتے اور اپنے دائیں بائیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے تو ساتھ ہی اپنے ہاتھ بلند کرتے تھے اور منہ سے سلام کہتے وقت ہاتھوں کو ہلا ہلا کر بھی اپنے دائیں بائیں والوں کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب ہماری یہ حرکت دیکھی تو اس سے منع فرمایا اور (بطور سرزنش) کہا کہ یہ تم سلام پھیرتے وقت اپنے ہاتھوں کو کیوں لہرانے لگتے ہو، جیسے تمہارے ہاتھ منہ زور اور سرکش گھوڑوں کی دیں ہوں (جو قرار نہیں پکڑتیں اور لہراتی رہتی ہیں) ایسا نہ کیا کرو بلکہ اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر جمائے رکھو اور صرف منہ سے ہی اپنے دائیں بائیں والوں کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہو اور بس۔

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے رفع الیدین کا بے مقدار ثواب سن کر بعض لوگ زیادہ سے زیادہ ثواب کے شوق میں نماز کی اندر اس رفع الیدین کے علاوہ جو رسول اللہ ﷺ کی سنت تھی اپنی مرضی سے غیر محل بھی رفع الیدین کرنے لگے تھے۔ اور جب نبی ﷺ کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ نماز سے سلام پھیرتے وقت بھی ہاتھوں کو رفع الیدین کے بطور اٹھاتے اور لہراتے ہیں تو آپ نے انہیں اس حرکت سے روک دیا کہ صرف وہی رفع الیدین کرو جو میں کرتا ہوں، یہ اپنی غیر محل کی رفع الیدین ترک کر دو۔ کتنی سیدھی بات ہے مگر کیا کیا جائے جب آدمی کی غرض نے اس کی سوچ کو میڑھا کر رکھا ہو تو پھر کوئی سیدھی بات بھی سیدھی نہیں رہتی۔ آہ یہ لوگ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے!

محمد شین کی رائے

التحیات سے تعلق رکھنے والی اس رفع الیدین کی ممانعت کو اصل رفع الیدین کی ممانعت کی دلیل بنانے والے اہل عقل حضرات اپنے بارے میں محمد شین کرام کی رائے گرامی بھی معلوم کر لیں۔

☆ جس مسلم شریف سے احتاف نے یہ روایت لی ہے اسی مسلم شریف کے شارح امام نووی کے حوالہ سے علامہ سندھی فرماتے ہیں:

استدلال به علی النہی علی الرفع عند الركوع و عند الرفع عنه
جہل قبیح کہ اس سلام پھیرتے وقت کی جانے والی رفع الیدین کی ممانعت کو رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت کی جانے والی رفع الیدین کی ممانعت کی دلیل بنانا قبیح جہالت ہے۔ (سنن نسائی حاشیہ صفحہ ۱۷۶)

☆ امام بخاری کا ارشاد ہے: التحیات سے تعلق رکھنے والی رفع الیدین کو قیام اور رکوع والی رفع الیدین کے خلاف دلیل بنانے والے لوگ جاہل ہیں (جزء رفع الیدین صفحہ ۵۴)
☆ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: جو شخص مسلم شریف کی اس حدیث کو قیام اور رکوع والی رفع الیدین کے خلاف استعمال کرتا ہے علم سے خالی اور جاہل مطلق ہے۔

☆ ابن حجر نے امام ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ اس زیر بحث حدیث کا تعلق سلام پھیرتے وقت کی جانے والی رفع الیدین سے ہے۔ قیام اور رکوع والی رفع الیدین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ (تلیخ الجیر لابن حجر جلد ۲ صفحہ ۲۲۱)

علامہ سندھی حنفی

مشہور حنفی عالم حضرت علامہ سندھی کا ارشاد ہے:

”واضح ہو کہ (مسلم شریف) کی یہ حدیث اس رفع الیدین کی ممانعت میں ہے جو سلام پھیرتے وقت لوگ (خود بخود) کرنے لگ گئے تھے۔ یہ حدیث اس رفع الیدین کو موثر نہیں ہے جو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت کی جاتی ہے۔ اس باب میں بات وہی صحیح ہے جو امام نوویؒ نے کہی ہے کہ اس روایت کو عدم رفع الیدین کی دلیل سمجھنا ایک قبیح جہالت ہے۔“ (نسائی شریف حاشیہ صفحہ ۱۷۶)

اب ملاحظہ فرمائیے کہ نیت اگر نیک اور سوچ اگر صالح ہے تو بات کو سمجھنے میں حنفیت بھی رکاوٹ نہیں بنتی۔ لیکن اگر نیت ہی درست نہ ہو تو بات سمجھ میں کیونکر آسکتی ہے۔

جب خدا کا خوف نہ رہے

حنفی بزرگوں نے جیسے یہ قسم کھا رکھی ہے کہ خواہ صحیح حدیث بھی ان کا ساتھ نہ دے وہ بہر حال نہ خود رفع الیدین کریں گے اور نہ کسی دوسرے کو یہی راستہ اختیار کرنے دیں گے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے راہ حق پر چلنے کی توفیق چھین لی ہے۔ صحیح ارشاد ہوا کہ:

وَمَنْ يَشَأْ فَقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ -

ان بزرگوں کی ناحق پذیری کا یہ عالم ہے کہ وہ ان بزرگوں کو بھی منکرین رفع الیدین میں شامل کر رہے ہیں جن سے اثبات رفع الیدین پر صریح روایات وارد ہوئی ہیں۔ وہ رفع الیدین کے سنت ہونے پر بھی متفق تھے۔ اور خود بھی اس پر عامل تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ یہ وہ لوگ ہیں جو رفع الیدین کے راویوں میں بھی فہرست ہیں اور خود بھی اس سنت پر عمل پیرا تھے۔ مگر حنفی بزرگوں نے ان سب کے نام سے بے اصل اور موضوع روایات دریافت کر لی ہیں اور ان کو رفع الیدین کا منکر بتایا ہے۔ جبکہ حال یہ ہے کہ ان بزرگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ بزرگ ہیں جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور عشرہ مبشرہ کے بارے میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ سب کے سب رفع الیدین کے سنت ہونے پر متفق تھے اور اس سنت پر عمل پیرا بھی تھے۔ حضرت کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والوں نے ان کی رفع الیدین پر شہادت دی ہے۔ (ابوداؤد)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وہ بزرگ ہیں جو اگر کسی نمازی کو دیکھتے کہ وہ رفع الیدین نہیں کر رہا تو بحالت نماز ہی ان پر کنکریاں برسانے لگتے اور اسے رفع الیدین کے لئے تحریک کرتے تھے۔

حق پوشی کی انتہا ہے کہ حنفی بزرگ ان عبداللہ بن عمر کو رفع الیدین کا منکر کہتے ہیں جن کی زبان سے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی، موطا امام مالک، موطا امام محمد، بیہقی اور دارمی بہت سی کتب میں مثبتات رفع الیدین کے حق میں روایات بھری پڑی ہیں۔

حیف گردہ پس امر و زبود فردائے

عون المعبود شرح ابوداؤد جلد صفحہ ۲۷۲ میں ہے کہ اس پاکیزہ دور کے تینوں ہی عبداللہ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عباس رفع الیدین کے سنت ہونے کے قائل تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر کے بارے میں میمون کی کہتے ہیں کہ میں نے ان کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ میں نے دیکھا وہ رفع الیدین کرتے تھے۔ میں نے ان کی اس نماز کا ذکر

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کیا انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح نماز ادا کیا کرتے تھے جس طرح تم نے عبداللہ بن زبیرؓ کو ادا کرتے دیکھا ہے۔ (ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۱ صفحہ ۲۶۹)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ پر جس روایت کی مدد سے رفع الیدین کا منکر ہونے کی تہمت رکھی گئی ہے وہ روایت سخت درجہ کی ضعیف ہے۔ مسک الحتام شرح بلوغ المرام میں بتایا گیا ہے کہ اس روایت کا ایک راوی یزید بن ابی زیادہ نسیان کا مریض تھا اور وہ بات کر کے بھول جایا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں امام بخاری ابن مدینی امام احمد امام دارقطنی نے بھی اس روایت کو اس راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

اور براء بن عازب کو متہم کرنے والی یہ روایت تو اس لئے بھی مسترد کی جائے گی کہ براء بن عازب اثبات رفع الیدین کے راویوں میں شامل ہیں۔ (بیہقی)

احناف اہل علم بزرگوں نے ان روایات کے علاوہ بھی چند جھوٹ موٹ کی بے اصل اور موضوع روایات رفع الیدین کے خلاف جمع کر رکھی ہیں، مگر بخاری اور مسلم کی صحیح تراور متواتر روایات کے مقابلہ میں ان کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے!

ایک مجہول کہانی

ہمارے ہاں اس کہانی نے بہت شہرت حاصل کر رکھی ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جب لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے تو بعض لوگ نماز پڑھتے وقت اپنی بظلوں میں بت دہائے رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے رفع الیدین کا حکم دیا تاکہ اگر کوئی شخص اپنی بخل میں بت چھپالایا ہو تو رفع الیدین کرنے سے بخل میں دبایا بت گر جائے۔ جن لوگوں نے اس کہانی کو چلا رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رفع الیدین کا عمل ایک وقتی مصلحت کی وجہ سے تھا اب اس عمل کو جاری رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اب یہ تو معلوم نہیں کہ یہ کمائی کس نے بنائی اور اسے کس زمانہ میں بنائی گئی تھی مگر یہ ایک امر واقعہ ہی ہے کہ اس من گھڑت کمائی کو جوڑنے والے نے محض اپنی چالاکی سے ہی سادہ لوح لوگوں کے دل و دماغ کو مسموم کر دیا ہے۔ ورنہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے یہ کمائی نہ عقل سے ہوا ہے نہ علم کے مطابق ہے اس کمائی میں بے عقلی اور بیوقوفی کا پہلو تو یہ ہے کہ رفع الیدین کا مقصد اگر محض بظلوں سے بتوں کا گرانا ہی تھا تو یہ مقصد تو پہلی بار کی رفع الیدین سے ہی حاصل ہو جاتا ہے اس غرض سے چار بار رفع الیدین کرنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر ایک بار سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو پھر دس بار کی رفع الیدین سے بھی یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رفع الیدین کے وقت بازو سر سے اوپر نہیں لے جائے جاتے جس سے بت گر جائیں گے۔ آپ کندھوں تک ہاتھ بلند کریں یا کانوں تک اونچا لے جائیں بازو پہلو کے ساتھ ہی جڑے رہتے ہیں۔ اگر کوئی چاہے کہ بت کو بغل سے نہ گرنے دے تو رفع الیدین کے باوجود بت بظلوں سے نہیں گر سکتے۔

کمائی کی دوسری بیوقوفی یہ ہے کہ رفع الیدین کے مقابلہ میں نماز کے اندر آدمی کے بازو رکوع میں پہلوؤں سے زیادہ ہٹ جاتے ہیں اور بظلیں خوب کھل جاتی ہیں پھر دو سجدوں کے درمیانی قعدہ کے بعد جب نمازی دوسرے سجدے کے لئے زمین کی طرف جھکتا ہے تو اس کے بازو پہلوؤں سے پوری طرح ہٹ جاتے ہیں اور بظلیں پوری کی پوری کھل جاتی ہیں۔ اب جو بت نہ رکوع کرنے سے گرتے ہیں نہ سجدہ میں گرتے ہیں نہ قعدہ کے بعد سجدہ کے لئے زمین کی طرف جھکتے وقت ہی گرتے ہیں ان کے رفع الیدین سے گر جانے پر یقین رکھنے کو سخت درجہ کی بیوقوفی ہی کہا جاسکتا ہے۔ عقل کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس کمائی میں بے علمی اور جمالت کا پہلو یہ ہے کہ اس کو ماننے والے لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اسلام کی ابتدائی زندگی کے دو دور تھے۔ پہلا دور مکہ مکرمہ میں گزرا ہے اور دوسرے دور کا تعلق مدینہ منورہ سے ہے۔ مکہ میں بتوں کی خدائی چلتی تھی، مشرکین کا بے حد

زور تھا اور اسلام انتہائی کمزور تھا۔ مکہ میں اسلام قبول کرنا کسی بڑے ہی دل گردے والے کا کام تھا۔ یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی مکہ کے مشرکین مسلمان ہونے والوں کو ایسی ایسی شدید لڑتیں پہنچاتے تھے کہ ان کی یاد سے انسانیت کی روح آج بھی کانپ جاتی ہے۔

پھر ان حالات میں بھی جو لوگ مکہ میں ایمان لے آئے تھے اور اسلام کو قبول کر لیتے تھے وہ اپنی جان پر کھیل کر اپنے ایمان کی حفاظت کرتے تھے۔ انہوں نے جب ایک بات جوں کی خدائی سے انکار کر دیا تو پھر وہ انگاروں پر لٹائے جانے اور کانٹوں پر گھسیٹے جانے سے بھی ان کی خدائی کا اقرار نہیں کرتے تھے۔ ایسے خدا دوست بزرگوں، جانباز مجاہدوں اور تاریخ ساز مومنوں کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ وہ نمازوں کے وقت اپنی بظلوں میں بت دہلاتے تھے، دُعا اور کینگی کی انتہا ہے۔ صریحی پاگل پن ہے، انتہائی بے دردی ہے اور جہاں تک مدینہ منورہ کا تعلق ہے وہاں البتہ اسلام کے غلبہ کو دیکھ کر کچھ کافر ایسے ضرور موجود تھے جنہوں نے اپنے دنیوی حالات کے پیش نظر ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا تھا جبکہ وہ اندر سے بدستور ہی کافر تھے۔ اسلام قبول کر لیا تھا جبکہ وہ اندر سے بدستور ہی کافر تھے۔ اسلام نے ان کو منافق کا نام دیا ہے ان لوگوں سے بلاشبہ یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ ایسی ناپاک حرکت کریں گے مگر مدینہ میں سرے سے بت فریق ہی نہیں تھے۔ یہاں اسلام کو بت پرستوں اور جوں سے نہیں بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں سے مقابلہ درپیش تھا۔ پھر جب یہاں نہ کوئی بت ہی فریق تھا نہ بت پرست تو کسی کا نماز کے اندر اپنی بظلوں میں بت چھپا کر لانے کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے۔

یعنی یہ کہانی ہی غلط، جھوٹ، بے بنیاد، مصنوعی اور خلاف واقعہ ہے۔ نماز کے وقت جوں کو اپنی بظلوں میں نہ تو کوئی مکہ میں لاتا تھا۔ نہ مدینہ میں۔ مکہ میں منافق موجود نہیں تھے جو جوں کو ساتھ لاتے اور مدینہ میں بت معبود نہیں تھے جن کو لایا جاتا۔

پس صحیح بات یہی ہے کہ رفع الیدین نماز کی دوسری ضروری سنتوں کی طرح ہی

ایک سنت ہے، ایک مسنون عمل ہے، رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے اور اس کا مقصد خداوند قدوس کی برتری اس کی بزرگی اور اس کے علو کا عملی اظہار ہے کہ جب نمازی اللہ اکبر کہتا ہے تو اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بھی اس کی کبریائی پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

جو لوگ محض کسی گروہی تعصب کی وجہ سے ہی اس سنت پر عمل کرنے سے محروم ہیں۔ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کے دل میں بھی اس سنت سے رغبت اور محبت کا جذبہ پیدا کرے اور ان کے دلوں کو بھی اس سنت پر عمل کرنے کے لئے کھول دے۔ آمین یا رب العالمین!

وضع الیدین فی الصلوۃ علی الصدر

یعنی

نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا

ہاتھ باندھنا

نماز میں بحالت قیام ہاتھوں کا باندھنا نماز کے آداب میں داخل ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دے رکھا تھا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔ حضرت سعد بن سہیلؓ فرماتے ہیں:

كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ۔ کہ (حضور ﷺ کے زمانہ میں) لوگوں کو حکم تھا کہ نماز میں (بحالت قیام) ہتھالیاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر باندھیں۔

وضع الیدین فی الصلوۃ علی الصدر یعنی

نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا

صحیح مسلم میں حضرت وائلؓ بن حجر سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا نبی ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے اور تکبیر کہہ کر اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر باندھتے تھے۔

تاہم اس باب میں ملاحظہ نے اختلاف کیا ہے اور ان کا اختلاف بھی ایک لطیفہ ہی ہے کہ وہ نوافل تو ہاتھ باندھ کر ہی ادا کرتے ہیں۔ مگر فرض ادا کرتے وقت ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں، ورنہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا اسحت کے دوسرے سارے ہی مسالک فکر (الحدیث، احتاف، شوافع اور حنابلہ) کا بلا خلاف معمول ہے۔ البتہ اختلاف اس میں ہوا ہے کہ ہاتھ باندھے کہاں جائیں!

الحدیث کا مسلک

الحدیث کے نزدیک سنت طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ سینے پر باندھے جائیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صحیح حدیث کے مطابق صحیح بات بھی یہی ہے۔ حضرت وائلؓ بن حجر راوی ہیں:

صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ (ابن خزیمہ)

کہ میں نے نبی ﷺ کی اقتداء میں کیا اور آپ نے دیکھا) آپ اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کے اوپر اپنے سینے پر باندھے ہوئے تھے۔

اس روایت کو حضرت ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنے ہاں نقل کر کے اس کی تصویب فرمائی ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۴)

مشہور حنفی عالم علامہ بدر الدین عینیؒ نے بھی اس حدیث کو اپنی شہرہ آفاق تصنیف

عمدة القاری شرح صحیح بخاری میں نقل کیا ہے۔ (عمدة القاری شرح صحیح بخاری جلد ۳)
آپ نے اس حدیث کو نقل کر کے اس پر کوئی جرح نہیں کی اس طرح اپنی
خاموشی سے اس کی تصویب کی ہے۔

حضرت وائل بن حجر سے یہی روایت مزید تفصیل کے ساتھ سنن کبریٰ امام بیہقی
میں بھی نقل ہوئی ہے، فرماتے ہیں:

حَضَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَوْحَيْنَ نَهَضَ إِلَى
الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ الْمِعْرَابَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ بِالتَّكْبِيرِ ثُمَّ وَضَعَ يَمِينَهُ
عَلَى الْيُسْرَاهُ عَلَى صَدْرِهِ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲)

کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نماز کے لئے اٹھے، مسجد کی جانب
بڑھے، معراب میں داخل ہوئے اور نماز کے لئے تکبیر کی اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر
اپنے سینے پر باندھا۔

حضرت امام نووی شارح صحیح مسلم اس حدیث کا ذکر کر کے فرماتے ہیں: نماز میں
ہاتھ باندھنے کے باب میں وائل بن حجر اور دوسرے راویوں کی ان روایات کو ہی ترجیح حاصل
ہے جو سینے پر ہاتھ باندھنے کے حق میں وارد ہوئی ہیں۔

امام نووی مزید لکھتے ہیں کہ حضرت امام بخاری اور حضرت امام ترمذی کی تحقیق
بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز ادا کرتے وقت اپنے ہاتھ سینے پر ہی باندھتے تھے (صحیح
مسلم شرح نووی جلد اول مطبوعہ دہلی مطبوعہ مکتبہ ابوبیہ کراچی جلد ۲)

قول فیصل

حضرت وائل بن حجر سے وارد ہونے والی روایت اس باب میں قول فیصل کا حکم ہی
رکھتی ہے۔ کیونکہ اس صحابی کی اصابت سارے ہی مکاتب فکر کے ہاں مسلمہ ہے۔ حضرت

یعنی کے مزاج میں حسیّت کے حق میں سخت تَصَلُّب و تشدد پایا جاتا ہے۔ مگر اپنے مسلک کے خلاف حضرت ابن حجر کی روایت کو اپنے ہاں نقل کر کے انہوں نے بھی خاموش رہنا ہی پسند کیا ہے اور ذرا بھی بات نہیں اٹھائی۔

حضرت واکل بن حجر کی روایت اس لئے بھی ترجیح کی حقدار ہے کہ ان کی یہ بات اس دور سے تعلق رکھتی ہے جب دین حق کا قافلہ تکمیل کی منزل میں داخل ہو چکا تھا اور اب جو کچھ بھی موجود تھا وہ غیر متبدل تھا اور اب اس میں کسی ترمیم یا تبدیلی کی کوئی محفّاش نہیں رہ گئی تھی کیونکہ ابن حجر کی روایت رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری ایام سے تعلق رکھتی ہے ابن حجر کی رسول اللہ ﷺ سے یہ ملاقات ۱۰ھ کا واقعہ ہے جبکہ ۱۱ھ کے ابھی اڑھائی ماہ بھی پورے نہ ہو سکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضور علیہ السلام کے عم زاد ہیں اور آپ کے نہایت قریب رہنے والے اور خبردار قسم کے صحابی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی ان کے ساتھ بہت محبت تھی۔ پھر آپ نے ان کے حق میں دعا بھی فرمائی کہ الہی! عبد اللہ کو دین کی سمجھ عطا فرمائیے اس کو قرآن پاک کے فہم اس کی سمجھ اور شعور کی دولت سے وافر حصہ عطا ہو۔

تفسیر معالم التنزیل میں انہی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی زبان سے فَصَّلٌ لِرَبِّكَ وَالْمُتَّهَرُ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ وَضَعَ الْيُمْنَى عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ التَّحَرُّكِ فَصَّلٌ لِرَبِّكَ وَالنَّحْوُ کا مطلب یہ ہے کہ نماز ادا کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر یوں باندھے جائیں کہ دایاں ہاتھ اوپر اور بایاں ہاتھ نیچے رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر کبیر میں فصل لربک والینحر کی تفسیر میں تقریباً یہی الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی اپنے ہاں نقل کئے ہیں جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی زبان سے تفسیر معالم التنزیل کے حوالہ سے ہم بیان کر چکے ہیں۔

سفر السعادت

حضرت محمد الدین صاحب قاموس اپنی مشہور تصنیف سفر السعادت میں لکھتے

ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے بکھیر پکارتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینہ پر اس طرح باندھتے تھے کہ آپ کا دایاں ہاتھ آپ کے بائیں ہاتھ کے اوپر ہوتا تھا۔“

احناف کا مسلک

بات کی صراحت کے لئے آئیے اس باب میں ہم احناف کے موقف پر بھی ایک نظر ڈال لیں تاکہ دونوں مسالک فکر کے دلائل کا تقابلی جائزہ ہمارے قارئین کو صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں معاون بن سکے اور بات خوب کھل کر سامنے آجائے۔

احناف کا عقیدہ یہ ہے کہ نماز میں اپنے ہاتھ ناف کے نیچے لے جا کر باندھنا سنت ہے اور اس سلسلہ میں ان کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ قول ہے:

قَالَ السَّنَةُ وَضَعُ الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ وَيَضَعُهُمَا تَحْتَ الشُّرَّةِ-

(ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۱ صفحہ ۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱۵۵۶-۱۵۵۷-۱۵۵۸-۱۵۵۹-۱۵۶۰-۱۵۶۱-۱۵۶۲-۱۵۶۳

ہاتھوں کا ناف کے نیچے باندھنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا کوئی بھی ارشاد جو صحیح حدیث سے ثابت ہو، ہر سچے مسلمان کے ایمان کی بنیاد ہے۔ اس ضمن میں حضرت علیؓ ہوں یا کوئی دوسرے بزرگ جس کا قول بھی ارشاد رسول ﷺ کے مطابق ہو اسے ضرور اختیار کیا جائے گا۔ حضرت علیؓ نے جس بات کو سنت کہا ہے اگر وہ صحیح ذرائع سے ثابت ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس کو مان لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ مگر الوسوس ہے کہ احناف کی بیان کردہ یہ روایت کسی درجہ میں بھی صحت کو نہیں پہنچتی، بنا بریں کوئی غلط اور ضعیف روایت محض اس میں کسی بڑے آدمی کا نام داخل کر دینے سے صحیح اور قوی نہیں بن جاتی۔

ملاوہ ازیں جب نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا اپنا طریقہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے تو اب اس کے مقابلہ میں کسی صحابی کے قول کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ جبکہ حال یہ ہے کہ یہ قول بھی صحت کو نہیں پہنچ سکا۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تقویم تفسیر کبیر کے حوالہ سے یہ بتائے ہیں کہ وہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے قائل تھے اور انہوں نے فصیل التربک وانحر سے مقصود نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا ہی بیان کیا ہے۔

بالفرض اگر یہ دونوں قول حضرت علیؓ کے ہی ہوں تو ظاہر ہے دونوں میں سے اس قول کو ہی قبول کیا جائے گا۔ جو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے ہموار ہو گا اور دوسرے کو ترک کر دیا جائے گا۔ پھر بات کا یہ رخ بھی صرف اسی صورت میں قابل قبول ہے جب یہ امر ثابت ہو کہ حضرت علیؓ کا یہ قول محدثین کے طریق پر صحت کی سند کا امین ہے اور اس صورت میں ہم سمجھ لیتے کہ اس باب میں وسعت پائی جاتی ہے اور ہاتھ دونوں مقامات پر باندھے جاسکتے ہیں۔ لیکن حضرت علیؓ کے اس مبدعہ قول کے بارے میں اس امر کی بھی گنجائش نہیں کیونکہ محدثین کے نزدیک زیر ناف ہاتھ باندھنے پر مشتمل حضرت علیؓ کے

قول کی حضرت علیؑ سے نسبت ہی مشتبہ ہے۔ شارح صحیح مسلم حضرت امام نوویؒ اس قول کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ سند کے اعتبار سے یہ روایت سخت ضعیف ہے کیونکہ اس روایت کا ایک راوی عبدالرحمن بن اسحق واسطی بائناق محدثین ضعیف ہے اور اس کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ وہ مزید تحریر کرتے ہیں کہ:

حضرت علیؑ کے حوالہ سے وارد ہونے والی یہ روایت جہاں کہیں بھی لور جس طریق سے بھی نقل ہوئی ہے محدثین کے نزدیک ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے (صحیح مسلم جلد دوم شرح نووی)

ایسے ہی شرح موطا امام مالک میں علامہ زر قاشی نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؑ کے حوالہ سے جو قول ابوداؤد وغیرہ میں وارد ہوا ہے وہ سخت ضعیف ہے (زر قاشی شرہ موطا باب وضع الیدین احد اھما علی الاخری فی الصلوۃ)

اور یہ بات ہم عرض کر ہی آئے ہیں کہ امام نووی شارح صحیح مسلم کے نزدیک سینے پہا تھ باندھنے کی خبر پر مشتمل حضرت وائل بن حجر کی روایت کو دوسری تمام روایات پر ترجیح حاصل ہے۔

احناف کے اپنے گھر میں

اگر کوئی بھی انصاف پسند حنفی بزرگ تلاش حق میں تھوڑی سی تکلیف گوارہ کر سکے اور وہ حقائق کا ایک حق پسند شخص کی حیثیت سے مطالعہ کرے تو وہ آسانی اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا کہ جن حنفی بزرگوں نے نماز میں ناف سے نیچے لٹکا کر ہاتھ باندھنے کو اپنے حنفی ہونے کی نشانی بنا رکھا ہے وہ کچھ ضدی قسم کے ہی لوگ ہیں ورنہ خود انصاف پسند حنفی اہل علم بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی روایات کو صحیح نہیں سمجھتے۔ چند حنفی اہل علم بزرگوں کے ارشادات پیش خدمت ہیں:

حضرت ملا علی قاریؒ

حضرت ملا علی قاریؒ احناف اہل علم میں بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے حدیث کی مشہور اور جامع کتاب مشکوٰۃ شریف کی بڑی مفصل شرح ”مرقاۃ“ کے نام سے لکھی ہے اور یہ کتاب بڑی مقبول بھی ہے۔ انہوں نے بلا خوف و ہمت لائے بڑے کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ:

”احناف کا نماز کی حالت میں زیر ناف ہاتھ باندھنا یا شوافع جو سینے کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں یہ دونوں باتیں کسی صحیح اور قابل اعتماد حدیث سے ثابت نہیں ہیں۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

حضرت امام ابن الہمام

ابن ہمام احناف کے وہ سرفہرست بزرگ ہیں جن کی فقہیت کی خوبی پر احناف کا اجماع ہے اور احناف کے اندر وہ امامت کے مقام پر فائز ہیں۔ احناف کے مسلک کی حمایت تو ان کے تقلیدی پہلو کی مجبوری ہے مگر جہاں تک ان کے علم و نظر کا تعلق ہے ان کا ارشاد بھی یہی ہے کہ:

نماز میں سینے کے نیچے ہاتھ باندھنا (جیسا کہ شوافع کا دستور ہے) اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا (جیسا کہ احناف کا معمول ہے) اس باب میں کوئی روایت صحیح ثابت نہیں ہو سکی۔ (روضۃ الندیۃ شرح درالہبیہ نواب صدیق حسن خاں)

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نماز میں ہاتھوں کا نہ ناف کے نیچے باندھنا ثابت ہے اور نہ سینے کے نیچے، تو پھر ثابت کیا ہے؟ اور افسوس ہے کہ یہی ایک بات ہے جسے جاننے کے باوجود حنفی بزرگوں کو تقلید کا پسند ازبان پر لانے میں رکاوٹ ہے ورنہ بڑی واضح بات تھی کہ ہاتھ جب نہ سینے کے نیچے باندھے جاسکتے ہیں اور نہ ناف کے نیچے تو اب وہ سینے کے اوپر ہی باندھے جائیں جیسا کہ اہلحدیث کا مسلک ہے مگر حنفی بزرگ یہاں پہنچ

کر راستہ کتر کر نکل گئے ہیں۔

ہاتھ باندھنے کا مقصد

احناف بھائی اگر انصاف کی بات پر کان رکھنا گوارہ فرمائیں تو ہم زیر بحث مسئلہ میں ان کے موقف کے غلط، غیر طبعی اور غیر اصلی ہونے کے سلسلہ میں بات کا ایک عقلی رخ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

یہ بات تو بڑی ہی واضح ہے کہ ہاتھ خواہ جیسے بھی باندھے جائیں ان کی صورت خواہ کوئی بھی ہو، وہ کسی بھی شکل میں باندھے جائیں ان کی کوئی بھی ہیئت ہو، ہاتھوں کا یہ باندھنا خواہ ہاتھ جوڑنے کی صورت میں ہو یا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نیچے اوپر باندھے جائیں ان سے مقصود ہر حال اپنے لئے اپنے مخاطب سے رحمدلی کی بھیک مانگنا اور اس کے جذبہِ رحم میں تحریک پیدا کرنا ہی ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ ہاتھ نہ تو کبھی تفریحاں باندھے جاتے ہیں اور نہ اس عمل میں شوق کا ہئی کوئی عنصر شامل ہوتا ہے، بلکہ کسی کے حضور دست بستہ کھڑے ہونے کا مقصد ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ ہاتھ باندھنے والا اپنے مخاطب سے اپنے قصور کی معافی چاہتا ہے اور مخاطب کی انا کو ہموار کرنے اور اس کی آتش غضب کو ٹھنڈا کرنے کا یہ ایک نہایت درجہ موثر طریقہ ہے۔

جب کوئی قصور وار کسی مجاز، مختار یا کسی با اختیار شخص، کسی حاکم یا کسی عدالت کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے تو اس کی یہ دست بستگی اپنے قصور کے لئے معافی چاہنے کی غرض سے ہی ہوتی ہے۔

اور بلاشبہ یہ بات بھی ایک امر واقعہ ہی ہے کہ جب کوئی قصور وار کسی کے حضور ذلت کی علامت بنے یوں کھڑا ہوتا ہے کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں، ہونٹ خوف

کی شدت سے کانپ رہے ہوں، حاکم کی دہشت سے اس کا سر خیدہ اور کمر جھک گئی ہو، اور وہ غم کی شدت سے بے حال ہو کر معافی طلب کر رہا ہو، تو اس حال میں مخاطب یا حاکم یا کوئی بھی صاحب اختیار خواہ کتنا بھی تند خو، سنگ دل اور سخت گیر ہو سائل کی اس ہیئت کذائی کی درد ناکي سے ضرور اثر لیتا ہے۔

سائل کی بد حالی اس کے اعصاب تک کو موثر ہوتی ہے اس کی غصہ میں ڈوبی پیشانی کے بل مدھم پڑنے لگتے ہیں، اس کے نتھنوں سے اٹھنے والا دھواں قہم جاتا ہے، آتش غضب سے اس کی آنکھوں سے اڑنے والے شرارے ماند پڑ جاتے ہیں۔ اور اس کی سوچ کی راہیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

ہاتھ کہاں باندھے جائیں

اب جب یہ بات واضح ہو چکی کہ ہاتھ باندھنے یا ہاتھ جوڑنے کا مقصد ہر حال اپنے مخاطب سے معافی طلب کرنا اور اس کی رحمتی کو اپیل کرنا ہی ہوتا ہے تو اب اگلی بات کا سمجھنا زیادہ آسان ہو گیا ہے کہ سائل ہاتھ کہاں باندھ کر کسی با اختیار حاکم کے سامنے پیش ہو کر دست بستہ شخص کی عاجزی فروتنی اور منت خوشامد با اختیار حاکم کی رحمتی کو بے چین کر دے، اور وہ اپنا غصہ تھوک کر سائل کو اپنی کریچی کا محل بنالے اور اس کی آتش غضب پر اس کا رحم غالب آجائے۔

ہم اپنے احناف بھائیوں کے لئے بات کو زیادہ آسان اور زیادہ قریب القسم بنانے کے لئے اپنی بات کو ایک مثال کے ذریعے اپنے بھائیوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ آپ حالات کی ستم ظریفی سے کسی تھانیدار کے سامنے پیش ہونے کے لئے مجبور ہوئے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تھانیدار کوئی بڑا حاکم بھی نہیں ہو تا بلکہ یوں سمجھئے کہ تھانیداری حاکمیت کی پہلی سیڑھی ہے اور حاکمیت کے نفاذ اور اختیارات کے استعمال کی

ابتداء تھانیداری سے ہوتی ہے۔

آپ قصور وار ہیں اور تھانیدار آپ کے خلاف آتش زیر پا ہے اس کی آتش غضب آپ کو بھسم کر دینے پر آمادہ ہے، وہ غضب کی بہتات سے بے قابو ہو رہا ہے اس کی قرمانی نے اس کی آواز میں بادل کی گرج اور بجلی کی تڑپ پیدا کر رکھی ہے۔

دوسری طرف آپ کو یقین ہے کہ اگر قرمان اور غضب ناک حاکم کے حضور عجز و انکسار اور انگلیاں آنکھوں سے ہاتھ باندھ دیئے جائینگے تو اس کے مزاج کی سختی نرمی سے بدل سکتی ہے اور اس کی آتش غضب کو ندامت سے بننے والے آنسوؤں کے بر قاب سے ٹھنڈا کیا جاسکتا ہے۔ اور پھر اگر آپ تھانیدار کا غصہ اتارنے کے لئے اپنے ہاتھ اپنی شرمگاہ کی دیوار پر رکھ کر اسے کہنے لگیں کہ تھانیدار صاحب! میں ہاتھ جوڑتا ہوں کہ میرا قصور معاف کر دیجئے تو کیا خیال ہے آپ کا کہ تھانیدار معافی طلب کرنے کے اس انداز کو اپنی عزت افزائی سمجھے گا اور آپ سے خوش ہو کر سارا غصہ تھوک دے گا، یادہ آپ کی اس گستاخی پر مزید آگ بگولا ہو کر آپ کو فرش پر بچھانے کا حکم صادر کرے گا۔

اور یہ تو دنیا کا ایک معمولی حاکم ہے۔ اگر آپ اپنے یہی لمچن اپنے رب کے حضور بھی قائم رکھیں، جو حاکموں کا حاکم، بادشاہوں کا بادشاہ ہے، آپ اس کی عزت بھی اسی میں سمجھیں کہ اس کے حضور بھی اپنے ہاتھ ناف سے کہیں نیچے لٹکا کر شرمگاہ کی دیوار تک لے جائیں اور اس مذاق کو اپنی عاجزی قرار دیں تو کیا آپ کا خدا تھانیدار سے بھی گیا گزرا ہے جو اس پر آپ کا کوئی نوٹس نہیں لے گا۔ اور معافی طلبی کی اس گستاخانہ صورت پر اس کی غیرت ذرا بھی حرکت نہیں کرے گی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے کہ اس کا کوئی سیم نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کا کوئی ساجھی نہیں اور اس جیسا کوئی نہیں سوہ سب سے بڑا ہے سب سے قوی ہے سب پر غالب ہے۔

آپ اگر اپنے معاشرہ کے کسی ادنیٰ فرد سے بھی اس طرح معافی طلب کریں گے تو

وہ آپ کی جان کا لاگو بن جائے گا۔

عزیزو! اگر آپ ضد سے الگ ہو کر سوچیں گے تو آپ بھی اس نتیجہ پر ہی پہنچیں گے کہ آپ نماز میں جہاں ہاتھ باندھ رہے ہیں یہ مقام ہاتھ باندھنے کا نہیں ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ یہاں آپ کے ہاتھوں کے نیچے مثانہ ہے، جہاں پیشاب جمع رہتا ہے، یہاں انتڑیاں ہیں جن میں گندگی بھری ہے، اور شرمگاہ کا فاصلہ بھی یہاں سے ایک انچ کے برابر ہی ہو گا۔ آپ نے اپنے رب کو کیوں نہیں جانا، کیا اسے یاد کرنے کے یہ آداب اس کی ذات سے ہموار ہیں؟

وہ پاک ہے، پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، پاکیزگی کو ہی قبول کرتا ہے، وہ پیشاب اور پاخانہ کے کھیتوں کے گرد نہیں گھومتا پھرتا، اس کا مقام آدمی کا دل ہے، اللہ کا تخت جلالِ مومن کے دل میں بچھا ہے۔ اگر آپ نے اپنے رب سے کچھ کہنا ہے تو اس کے دروازہ پر دستک دیجئے، اپنے ہاتھ اپنے دل اور سینہ پر باندھئے، مثانہ اور انتڑیاں شرمگاہ کی دیواریں ہیں یہ ایسے مقامات نہیں ہیں کہ آپ یہاں کھڑے ہو کر اپنے رب کو آوازیں دینے لگیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: تقویٰ دل میں ہے، اور جہاں تقویٰ ہے آپ بھی اپنے ہاتھ وہاں رکھ کر اپنے اللہ کے حضور اپنے تقویٰ کو سفارش بنائیے، آپ کن بھول بھلیوں میں گم ہیں۔

اور پھر جب نماز کے بعد دعا کرتے وقت آپ اپنے ہاتھ اپنے سینہ و دل کے سامنے ہی رکھتے ہیں تو نماز کے اندر دعا کے وقت ان ہاتھوں کو سینہ اور دل پر رکھتے آپ کو کیوں بوجھ محسوس ہوتا ہے، یہ دعائیں اٹھائے ہوئے ہاتھ بھی ہاتھ باندھنے کی ہی ایک شکل ہے۔ آپ کو یہ شکل نماز کے اندر کیوں ناپسند ہے۔ نماز میں تو آدمی اپنے اللہ کے بہت ہی قریب ہوتا ہے۔

عزیزو! بات آخر آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آرہی؟ اللہ اکبر ضد نے آپ کی عقل

پر کیسے پردے ڈال رکھے ہیں کہ ۔
 جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے
 کیا اب آپ کے سلسلہ میں ہمیں یہ دعا کرنا ہوگی کہ ۔
 یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
 دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور
 یا ہم شاعر کی اس رائے پر عمل کریں ۔
 مانگا کریں گے اب سے دعاء ہجر یار کی
 آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کی ساتھ
 یا کیا ہم ہلا خریہ سمجھ لیں کہ ۔
 بیاں میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے
 تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

فاتحہ خلف الامام امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ

ارشاد رسول مقبول ﷺ

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں کسی گفتگو سے قبل اس حدیث پاک کا مطالعہ فرمائیے جو اس سلسلہ میں بحث کی بنیاد بھی ہے اور اس باب میں قول فیصل کا حکم بھی رکھتی ہے۔

عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (مشکوٰۃ جلد اول باب القراءۃ فی صلوٰۃ)

یعنی حضرت عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”اس شخص کی نماز کوئی نماز نہیں ہے جس نے نماز تو پڑھی مگر اس میں سورہ فاتحہ شامل نہ کی۔“

یہ حدیث پاک اگرچہ اپنا مطلب بیان کرنے میں بڑی واضح اور اپنے مضمون کے اعتبار سے ہر طرح مکمل ہے۔ اور ایک امر مطلق ہونے کی وجہ سے ہر قسم کی نماز کو ہی شامل ہے۔ مگر افسوس کہ ہمارے ہاں بعض لوگوں نے اس کو بے سبب ہی نزاعی مسئلہ بنا لیا ہے۔ پیش نظر گزارشات میں ہم نے اس بے سبب نزاع کے ہی ازالہ کی کوشش کی ہے۔ وَاللّٰهُ التَّوْفِیْقُ ؕ

اہل حدیث کا مسلک

واضح رہے کہ اس مسئلہ میں اہل حدیث کا مسلک حدیث نبویؐ کے عین مطابق ہے۔ اور ان کے نزدیک نماز کے اندر سورہ فاتحہ کی قرآنہ عین اسی طرح فرض ہے جس طرح خود نماز فرض ہے۔

اہل حدیث کے نزدیک اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ نماز خواہ اکیلے کی ہو یا

جماعت کے ساتھ ادا کی جا رہی ہو، نمازی خواہ امام کے پیچھے ہو یا خود امام ہو۔

نماز خواہ سری یعنی ظہر اور عصر کی طرح پڑھنے والی ہو یا فجر، مغرب اور عشاء کی طرح جبری ہو جس میں امام قرآن مجید کو پکار کر پڑھتا ہے، اہل حدیث کے نزدیک سورہ فاتحہ کا ہر قسم کی نماز میں ہر ایک کے لئے جُزْأُجْدُ اپڑھنا ہی ضروری ہے۔ اور جس طرح رکوع و سجود اور نماز کے دوسرے ارکان امام کی پیروی کے باوجود ہر شخص کے لئے اپنے اپنے الگ ہی درکار ہوتے ہیں اور جس طرح امام کار کو رکوع یا سجدہ اور تسبیحات، تشہد کے وظائف اور درود شریف وغیرہ مقتدی کو کفایت نہیں کرتے۔ ٹھیک ایسے ہی امام کی سورہ فاتحہ بھی مقتدی کو کفایت نہیں کرتی، بلکہ وہ بھی ہر نمازی کو اپنی نماز کی تکمیل کے لئے الگ ہی پڑھنا ہوگی ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

احناف اور صرف احناف

یہ بات بڑی ہی عجیب ہے کہ پورے عالم اسلام میں صرف احناف کا ہی ایک ایسا فرقہ ہے جسے حدیث پاک کی یہ تشریح منظور نہیں ہے۔ ورنہ ان کے علاوہ دنیا بھر کے سارے ہی مسلمان اس باب میں الہدیت کے ہم خیال ہیں۔ اہل سنت کے سارے ہی گروہ اہل حدیث اور دوسرے فقہی مذاہب مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ سب کے سب امام کے پیچھے سری اور جبری تمام قسم کی نمازوں میں سورہ فاتحہ کے وجوب کے قائل ہیں اور حنفیہ کو بھی اس صورتحال کا اعتراف ہے۔ چنانچہ نویں صدی ہجری کے عظیم حنفی بزرگ اور فقیہ حضرت علامہ عینیؒ اپنے قلم سے لکھتے ہیں:

”امام عبد اللہ بن مبارکؒ، امام لوزاعیؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام احنفؒ، امام ابو ثورؒ اور امام داؤدؒ سب کے سب ہی حدیث لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کی بنیاد پر ہر قسم کی سری اور جبری نمازوں میں

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری)

حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں :

”حضرت حسن بصریؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت میمون بن مہرانؒ اور ابوہریرہؓ بے شمار تابعین اور اہل قلم اس بات کے قائل ہیں کہ امام اگرچہ جہری نماز میں ہو مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا بہر حال واجب ہے۔“ (جزء القرآۃ)

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں :

”سورہ فاتحہ خواہ دانستہ ترک کی جائے یا وہ بھول کر چھوٹ جائے دونوں صورتوں میں نماز باطل ہے۔“ (غنیۃ الطالبین مترجم فارسی صفحہ ۷۳)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ارشاد ہے :

”ایسی نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو اسے دہرا نا واجب ہے۔“ (حجتہ اللہ

الباقیہ جلد ۲ صفحہ ۷۰)

احناف کا مسلک

حدیث پاک کی منشاء اور امت کے اس اجماع کے صریحاً خلاف احناف کا عقیدہ یہ ہے کہ متذکرہ حدیث رسول صرف اکیلی کی نماز کے لئے ہے، جماعت کی نماز کو موثر نہیں ہے۔

احناف کے نزدیک نماز خواہ ظہر اور عصر جیسی سری نماز ہو یا فجر، مغرب اور عشاء جیسی جہری ہو، مقتدی کے لئے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

جماعت کی حالت میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا صرف امام پر ہی واجب ہے، مقتدی کو اس کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ امام کی پڑھی ہوئی سورہ فاتحہ مقتدی کو کفایت کرتی ہے اسے اپنے لئے الگ سورہ فاتحہ پڑھنے کی نہ ضرورت ہے نہ اجازت۔

لمحہ فکریہ

حکم جب عام ہو تو وہ اپنے تمام افراد کو ہی شامل ہوتا ہے اور اسے بغیر کسی واضح استثناء یا قرینہ کے کسی ایک حالت سے خاص کرنا صحیح نہیں ہوتا۔

حدیث رسول علیہ السلام میں ایک مطلق قانون کا ذکر ہوا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس قانون میں کسی استثنائی کا ذکر نہیں فرمایا اور نہ ہی کسی قرینہ سے ہی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ حکم اکیلے کی نماز کے لئے ہے۔ جماعت کی نماز اس کے حلقہ اثر میں داخل نہیں ہے۔

اور جب کوئی استثنائی ذکر نہیں ہوا تو ظاہر ہے کہ پھر یہ ایک عام حکم ہے جو اپنے تمام افراد کو موثر ہوگا اور ہر قسم کی نماز کو شامل ہوگا، کیونکہ نماز خواہ کوئی ہو، سری ہو یا جبری، اکیلے کی ہو یا جماعت کی، ہر حال نماز ہی ہے۔ اور پھر اس حدیث پاک کی عمومیت بھی ایک بدیہی امر ہی ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ حافظ ابن عبد البر تحریر کرتے ہیں کہ :

”حضرت عبادہ بن صامت سے وارد شدہ حدیث رسول اپنے عموم کی وجہ سے امام اور مقتدی دونوں کو ہی شامل ہے۔“ (شرح موطا)

مقام عبرت

یہ امر مقام تعجب و تاسف تو تھا ہی مقام عبرت بھی ہے کہ ہمارے حنفی بھائی بڑے ہی اہتمام و انصرام کے ساتھ اپنے آپ کو سورہ فاتحہ کی برکات و حسنات سے محروم رکھنے پر بضد ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

”اکیلے آدمی کی نماز کے مقابلہ میں جماعت کی نماز ستائیس درجہ زیادہ ثواب رکھتی

ہے۔“

مگر یہ کتنی بڑی بد نصیبی ہے کہ خفی بزرگ اکیلے کی نماز میں تو سورہ فاتحہ کو داخلہ کی اجازت دے دیتے ہیں۔ مگر جو نئی رحمتوں کی مقدار بڑھنے لگتی ہے اور نماز باجماعت شروع ہوتی ہے اور ایک ایک رکعت کے عوض ستائیس ستائیس رکعت اور ایک ایک نماز کے عوض ستائیس ستائیس نمازوں کے ثواب کا موقع آتا ہے تو یہ لوگ چڑ جاتے ہیں اور اس حاصل قرآن سورہ مبارکہ کی برکات و حسنات کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور بے مقدار ثواب کے نزول پر اپنے دل کے دروازے سختی سے بند کر دیتے ہیں۔ یا للجب

پری نفثہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز

بسوخت چھل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبت

لیجئے اب کیا عذر رہ گیا

تذکرہ بالا حدیث رسول علیہ السلام کے سلسلہ میں اختلاف کا موقف ہم ذکر کر آئے ہیں کہ یہ حدیث اکیلے کی نماز میں سورہ فاتحہ کو واجب بتاتی ہے جماعت کی نماز کو اس حدیث میں بیان کردہ قانون موثر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اعلم الغیب ہیں اپنی حکمتوں اور اپنی مصلحتوں کو وہی جانتے ہیں۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ آگے چل کر کچھ لوگ حدیث رسول میں اپنی مرضی داخل کرنے کی کوشش کریں گے چنانچہ انہوں نے پہلے سے انتظام کر دیا کہ یہ بعد میں سوچی جانی والی ساری سوچیں ساری تدبیریں اور ساری کاروائیاں وجود میں آنے سے قبل ہی غیر موثر اور

باطل ہو کر رہ گئیں۔ ذرا حکمت ایزدی کا تصرف ملاحظہ ہو۔ حضرت عباد بن صامت بیان کرتے ہیں:

كُنَّا خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَوةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ فَتَقَلَّتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَأُونَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ؟ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا۔ (ابوداؤد مع عون المجود جلد ۱ صفحہ ۳۵۴۔ مع معارف السنن جلد ۳ صفحہ ۲۳۶۔ نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۳۶)

ابوداؤد میں اس مرحلہ پر نبی ﷺ سے یہ الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں: انا اقول مالی یناز عنی القرآن فلا تقرئوا بشیء من القرآن اذا جهرت الا بام القرآن۔

کہ ایک روز جبکہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں فجر کی نماز ادا کر رہے تھے تو اچانک آپ پر قرآن کا پڑھنا بھاری ہو گیا، یعنی آپ پڑھتے پڑھتے رکنے، اٹکنے لگے۔ نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

”کیا تم اپنے امام کے پیچھے اس کے ساتھ ساتھ خود بھی پڑھتے ہو؟“ ہم نے عرض کیا ہاں اے اللہ کے رسول (ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ پڑھتے ہیں)۔

اس پر آپ نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو، اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے سوا قرآن میں سے کچھ نہ پڑھا کر (سورہ فاتحہ کا پڑھنا بہر حال لازم ہے) کیونکہ اس کو پڑھے بغیر (امام کے پیچھے بھی) آدمی کی نماز نہیں ہوتی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ساتھ گزربے ہوئے واقعہ پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے مزید فرمایا:

”میں بھی کہتا تھا کہ یہ مجھ سے قرآن پڑھنے میں چھینا چھٹی کیوں کی جارہی ہے۔
(اور میں خلاف معمول رکے۔ اگلے کیوں لگا ہوں) اب معلوم ہوا کہ یہ صورت حال تمہاری
مداخلت کی وجہ سے تھی یعنی تم میں سے کسی کی آواز میرے کانوں تک پہنچ کر میری توجہ کو
تقسیم کر دیتی تھی۔

پس آئندہ ایسا نہ کرنا اور یاد رکھو کہ میں جب نماز کے اندر قرآن کو پکار کر پڑھوں
تمہارے لئے یہ موقع سننے کا ہی ہے مگر اس حالت میں بھی تم پر اپنی نماز کی تکمیل کے لئے
سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اس کے سوا البتہ تمہیں اپنے لام کے پیچھے قرآن میں سے اور کچھ
نہیں پڑھنا چاہیے۔

اب کوئی ہمیں بتائے کہ اس سے بڑھ کر فاتحہ خلف الامام کے وجوب کی دلیل اور
کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے اس وجوب کو ثابت کرنے کے لئے خود رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی
کو ہی منتخب کیا اور انہی کو اس غرض سے ایک عملی تجربہ کا عنوان بنا لیا اور پھر مسئلہ کو اس خوبی
سے واضح کیا کہ بات کا کوئی بھی پہلو مبہم اور مسئلہ کا کوئی بھی رخ آنکھوں سے مستور نہ رہ
سکا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا واقعہ

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش آیا۔ جب انہوں
نے ایک مجلس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن لیا کہ :
مَنْ صَلَّى صَلَوَاتُكُمْ يَقْرَأُ فِيهَا بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خَوَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ
(مسلم)

”اگر کسی شخص نے نماز پڑھی مگر اس نے اپنی نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو ایسی
نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے اور سراسر ناکمل ہے۔“

یہ بات سن کر اہل مجلس میں سے کسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا:
 اِنِّیْ اَکُوْنُ اَحْیَانًا وَّرَآءَ الْاِمَامِ یعنی میں تو امام کے پیچھے بھی نماز پڑھتا ہوں۔ ایسی
 صورت میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا کیا موقع ہوتا ہے۔

سائل کا مطلب یہ تھا کہ امام جب قرآن پاک کو پکار کر پڑھ رہا ہوتا ہے تو اس کی
 قراءت میں ہم اپنی قراءت کیونکر جاری رکھ سکتے ہیں۔

اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا:

اَقْرَآ بِهَا فِیْ نَفْسِکَ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

کہ ایسی صورت میں اس سورہ مبارکہ کو اپنے جی میں ہی آہستہ آہستہ پڑھ لیا کرو
 (کیونکہ یہ سورہ مبارکہ نماز کا جزو لازم ہے اور اس کے ترک ہو جانے سے نماز بطور نماز شمار
 نہیں ہوتی۔)

مستقبل کی فکر

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ واقعہ پیش آیا تو آپؐ نے اس واقعہ
 کے آئینہ میں مستقبل کے خطرات کو شدت سے محسوس کیا اور پوری فکر مندی سے متوقع
 خطرات کے ازالہ پر اپنی توجہ مبذول کی اور پھر اس باب میں اتنی زیادہ ہدایات جاری فرمائیں
 اور اتنے احکامات صادر فرمائے کہ مطلع بالکل صاف ہو گیا اور مستقبل کے افق کی پیشانی کا ہر
 داغ دھل گیا۔ اوپر گد لاہٹ دور ہو گئی۔

اس عنوان سے رسول اللہ ﷺ کی فکر مندی کے چند مظاہر پیش خدمت ہیں:

☆ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اِمَامٍ اَوْ غَيْرِ اِمَامٍ (یعنی کتاب
 قراءت صفحہ ۴۸)

یعنی نمازی خواہ امام کے پیچھے ہو یا امام کے بغیر ہو اس کی نماز سورہ فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی۔

☆ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ - (بہار کتاب القراءۃ صفحہ ۵۶)

کہ اس شخص کی نماز کوئی نماز نہیں ہے جس نے امام کے پیچھے نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔

☆ مَنْ صَلَّى خَلْفَ إِمَامٍ فَلْيَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (طبرانی)

کہ جب کوئی شخص امام کے پیچھے نماز ادا کرے تو اسے چاہیے کہ اپنی نماز کی تکمیل کے لئے اپنے لئے سورہ فاتحہ خود پڑھے (یعنی اس سورہ مبارکہ کا پڑھنا امام پر نہ چھوڑ رکھے)

☆ لَا تَقْرَأُ خَلْفِي إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (بیہقی)

کہ (لوگوں! میں اللہ کا رسول ہوں مگر تم) میری اقتداء میں نماز ادا کرتے (بھی سورہ فاتحہ کو کبھی فراموش نہ کرنا۔ ہاں البتہ) میرے پیچھے اس سورہ مبارکہ کے علاوہ قرآن میں سے اور کچھ نہ پڑھا کرو۔

☆ فَلَا تَقْرَأُ بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ إِذَا جَهَرْتَ إِلَّا بِأَمِّ الْقُرْآنِ (دارقطنی)

کہ میں جب نماز کے اندر جہری قرأت کروں تو تم میرے پیچھے (اس حالت میں بھی سورہ فاتحہ کو کبھی ترک نہ کرو۔ لیکن) سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن کریم سے اور کچھ نہ پڑھو۔

اب آپ غور فرمائیے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر پڑھی گئی جس نماز کو محمد ﷺ کی امامت بھی نماز نہیں بناتی وہ کسی دوسرے کی اقتداء میں پڑھی جانے سے کیونکر نماز شمار ہوگی۔

یہ دیوار بھی گر چکی ہے

فاتحہ خلف الامام سے انکار کی حمایت میں حنفی بھائیوں کے دامن میں کسی صحیح و صریح اور مرفوع حدیث کے بجائے بڑا عذر صرف ایک ہی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اس کے قائل نہیں تھے اور ہم چونکہ ان کے مقلد ہیں اس لئے ان کی تقلید میں ہمارا بھی یہی

عقیدہ ہے لیکن واضح رہے کہ یہ محض ایک عذر رنگ ہی ہے، ورنہ حق یہی ہے کہ یہ عذر کوئی شرع دلیل نہیں ہے۔

کیونکہ محمد ﷺ کے صحیح اور ثابت ارشاد کو حجت سمجھنے کے بجائے ان کے کسی امتی کے قول کو حجت قرار دینا صرف خفی بھائیوں کی سمجھ میں ہی آتا ہوگا، ورنہ یہ بات اللہ اور اس کے رسول کو اصل مرجع، اصل متبوع اور اصل مطاع سمجھنے والے کسی دوسرے مسلمان کی سمجھ میں آنے والی نہیں ہے کیونکہ شارع رسول اللہ ﷺ ہیں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نہیں ہیں۔

حضرت ابو حنیفہؒ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے

لیکن اگر ہمارے حنفی بھائی کسی درجہ میں بھی انصاف کا ساتھ دے سکیں تو ہم ان کی خدمت میں عرض کریں گے کہ جن ذرائع نے آپ کو یہ خبر دی ہے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں تھے، انہی ذرائع کا کہنا ہے کہ حضرت ابو حنیفہؒ نے بعد میں اپنے اس عقیدے سے رجوع کر لیا تھا اور وہ فاتحہ خلف الامام کے قائل ہو گئے تھے۔

مشہور حنفی بزرگ حضرت امام شعرانیؒ لکھتے ہیں :

فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد حضرت امام

محمدؒ کے دو قول ہیں :

احدهما عدم وجوبها على المأموم بل ولا تُسَنَّ

یعنی ان کا ایک قول یہ ہے کہ مقتدی کے لئے فاتحہ خلف الامام نہ واجب ہے اور نہ سنت۔

شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ : وقولهما القديم یعنی یہ ان دونوں

بزرگوں کا پران مسک ہے، مگر ان کا جدید مسک یہ ہے (جسے انہوں نے

دلائل مہیا ہونے کے بعد بطور ایک صحیح مسک کے اختیار کیا اور جس پر ان

کی وفات ہوئی)

استحسانها على سبيل الاحتياط وعدم كراهتها عند المخافة

للمحدث المرفوع لا تفعلوا الا بايم القرآن وفي رواية لا تقروا وابشئ

اذا جهزت الا بايم القرآن (غیث الغمام حاشیہ امام الکلام از مولانا عبدالحی

لکھنوی صفحہ ۲۱۶)

کہ سورہ فاتحہ خلف الامام بلا گمراہی ایک مستحسن امر ہے اور اس کا

محکم پہلو بھی یہی ہے۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے یہ مرفوع حدیث آپکی ہے کہ لا تفعلو الا بام القرآن کہ نماز میں میرے پیچھے سورہ فاتحہ (تو ضرور پڑھو مگر اس) کے علاوہ قرآن میں سے اور کچھ نہ پڑھا کرو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب میں اونٹنے آواز سے پڑھ رہا ہوں تو تم سورہ فاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھو (بلکہ میری قرأت کو چپکے رہ کر سنو) حضرت شعرائی تحریر کرتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد امام محمدؒ کے عقیدہ میں یہ تبدیلی امام ابو حنیفہؒ کے واجب الاحترام استاذ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی سے وقوع پائی ہے۔ انہوں نے جب اپنے استاد سے سنا کہ ”صحابہؓ اور تابعینؓ کا عقیدہ یہی ہے کہ امام خواہ قرأت بالجہر سے نماز پڑھا رہا ہو حدیث لا تفعلو الا بام القرآن کے بموجب سورہ فاتحہ کا اپنی جگہ پڑھنا ہر شخص پر ہی واجب ہے“ تو اس کے بعد انہوں نے اپنے شاگرد امام محمدؒ سمیت یہی عقیدہ اختیار کر لیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

فَرَجَعَا مِنْ قَوْلِهِمَا الْأَوَّلَ إِلَى الثَّانِي إِحْتِيَاظًا (حوالہ مذکور)

یعنی پھر حضرت امامؒ اور ان کے شاگرد دونوں نے ہی اپنے پہلے مسلک سے رجوع کر کے یہ جدید مسلک اختیار کر لیا۔

پس اگر ہمارے حنفی بھائی فاتحہ خلف الامام پر عمل اس لئے نہیں کر رہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے خلاف وارد ہوا ہے۔ تو جب امام صاحب کا اپنے اس غیر صحیح عقیدہ سے رجوع ثابت ہے تو انہیں ان کے رجوع کی بھی تقلید کرنی چاہیے۔۔۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے

ایک اور رخ سے

ہم اس بات پر اپنے رب کو گواہ ٹھہراتے ہیں کہ ہم ہر حال اپنے حنفی بھائیوں کو جو سورہ فاتحہ خلف الامام کے وجوب سے انکار کرتے ہیں، عجبے کے خسارہ سے بچالینے کی ہی خواہش رکھتے ہیں اور ہم نہیں چاہتے کہ بخت کی کوتاہی انہیں اپنے رب کے حضور شرمندہ کرے اور وہ اپنے خیال میں اپنے رب کے حضور ایک نمازی کی حیثیت سے ہی پیش ہوں، مگر وہاں ان کے نامہ اعمال میں نماز کا خانہ ہی بالکل خالی ہو۔

اس لئے یہاں ہم ان کی ہمدردی میں ان کے عقیدہ کی غلطی پر دو ایسے معتبر گواہ پیش کرتے ہیں جن کو وہ بھی معتبر جانتے ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ ان دو گواہوں میں سے ایک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور دوسرے بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی ہیں۔

حضرت عبدالقادر جیلانیؒ

حضرت شیخ فرماتے ہیں، نماز کے مندرجہ ذیل پندرہ ارکان ہیں :

- (۱) قیام (۲) تکبیر تحریمہ (۳) قرآن الفاتحہ (۴) رکوع (۵) رکوع میں اطمینان (۶) قومہ (۷) قومہ میں اطمینان (۸) سجدہ (۹) سجدہ میں اطمینان (۱۰) جلسہ بین السجدتین (۱۱) اطمینان سے بیٹھنا (۱۲) آخری تشہد (۱۳) تشہد میں اطمینان سے بیٹھنا (۱۴) درود شریف (۱۵) سلام (نعتیہ الطالین مترجم فارسی مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۰)

اس تحریر سے ظاہر ہے کہ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے نزدیک نماز کے اندر سورہ فاتحہ کا وہی مقام ہے جو قیام، رکوع، سجدہ، قومہ، جلسہ، تشہد اور دوسرے ارکان نماز کو حاصل ہے، اور ارکان نماز کے بارے میں حضرت کا ارشاد یہ ہے :

إِنْ تَرَكَ رُكْنًا عَامِدًا أَوْ سَاهِيًا فَبَطَلَتْ (غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۲)
 کہ ارکان نماز میں سے کوئی رکن بھی خواہ اسے دانستہ ترک کیا جائے یا وہ بھول کر چھوٹ
 جائے، دونوں صورتوں میں ہی نماز باطل ہو جاتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

شاہ صاحب تحریر کرتے ہیں :

نبی ﷺ نے نماز کے اندر دو حدیں مقرر فرمائی ہیں :
 وَالْحَدَّ الْأَوَّلُ يَشْتَمِلُ عَلَى مَا يَجِبُ إِعَادَةُ الصَّلَاةِ بِتَرْكِهِ (حجتہ اللہ
 البالغہ، جلد ۲ صفحہ ۴۷۰ شائع کردہ شیخ غلام علی)

یعنی نماز کی پہلی حد اُن امور پر مشتمل ہے جن میں سے کسی ایک
 کے ترک ہو جانے سے بھی نماز کا دہرانا واجب آتا ہے، اور فرماتے ہیں :
 وَمَا ذَكَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَفْظِ التَّرْكِينَةِ كَقَوْلِهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (حوالہ مذکور صفحہ ۴۷۱)

یعنی اس پہلی حد میں داخل امور کو نبی ﷺ نے ارکان نماز کا نام دیا ہے اور اس کی
 مثال وہ حدیث پاک ہے جہاں ۱۱ شاد ہوا ہے لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کہ جس نماز
 میں سورہ فاتحہ شامل نہیں وہ نماز کوئی نماز نہیں ہے۔

ایک سوال

اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت کی نماز میں امام کی اتباع واجب ہے اور نمازی
 اس بات کا مکلف ہے کہ وہ امام کے قیام کے ساتھ قیام کرے، اس کے
 رکوع کے ساتھ رکوع کرے، وہ سجدہ میں گر جائے تو یہ بھی سجدہ میں چلا

جائے امام کے قومہ کے ساتھ وہ قومہ کرے، اس کے جلسہ کے ساتھ جلسہ میں بیٹھے اور امام جب تشہد میں بیٹھے یہ بھی اس کی پیروی کرے، مگر یہ ساری پیروی نماز کی مختلف شکلوں ہیئتوں اور حالتوں میں ہی ہے۔ ان مقامات کے ورد و وظیفے اور کلمات اس پیروی میں شامل نہیں ہیں۔

یعنی نمازی اپنے امام کے قیام کے ساتھ قیام تو کرے گا امام کے رکوع کے ساتھ وہ رکوع کا مکلف تو ہے امام کے سجدہ کے ساتھ وہ سجدہ کرنے کا بھی پابند ہے۔ امام کے تشہد کی صورت میں وہ بھی تشہد میں بیٹھے گا اور پھر امام جب تک قیام میں ہے یہ بھی قیام میں رہے گا۔ وہ جتنی دیر تک رکوع میں جھکا رہے گا یہ بھی اتنی دیر تک ہی جھکے رہنے میں اس کی پیروی کرے گا۔ امام جتنی دیر تک سجدہ میں پڑا رہے گا اس کو بھی اتنی ہی دیر تک سجدہ میں رہنا پڑے گا۔ وہ جتنی دیر تک تشہد میں رہے گا۔ یہ بھی اتنی ہی دیر تک تشہد میں بیٹھنے کا مکلف ہے۔ مگر جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں یہ پیروی نماز کی مختلف ہیئتوں اور شکلوں کے اختیار کرنے میں ہی ہے تاکہ جماعت کی نماز کی شوکت ظاہر ہو، اکیلے کی نماز پر جماعت کی نماز کی برتری اور وجاہت کا اظہار ہو، نظم و ضبط کی برکات و حسنات کا عملی مظاہرہ آنکھوں میں پھر جائے اور اگر دشمن بھی عبادت کے اس اجتماعی رخ کا مشاہدہ کریں تو ان پر مسلمانوں کی اجتماعیت اور ان کے اجتماعی نظم و ضبط کی ہیئت طاری ہو لیکن ان سب مقامات پر پڑھے جانے والے کلمات سب نمازیوں کے اپنے اپنے جدا ہی ہوتے ہیں۔

جب آپ اپنے رکوع کی تسبیحات کے لئے امام کی تسبیحات کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ آپ کا رکوع امام کی اتباع کے باوجود اپنی جدا تسبیحات سے ہی مکمل ہوتا ہے، سجدہ میں آپ کی اپنی تسبیحات امام سے الگ ہی پڑھنی ہوتی ہیں، تشہد میں بھی آپ اپنی دعائیں امام سے الگ ہی پڑھتے ہیں۔ پھر آخر آپ کی اس ضد میں کیا تک ہے اور آپ کے پاس اپنے اس تشہد

کے لئے کیا جواز ہے کہ آپ اپنی نماز کی تکمیل کے لئے اپنی سورہ فاتحہ امام سے الگ پڑھنے پر کسی طرح بھی آمادہ نہیں ہیں۔

آخر آپ کے پاس اس سوال کا کیا جواب ہے کہ آپ کا رکوع تو امام سے الگ تسبیحات پڑھے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ آپ کے سجدہ کو تو امام کی تسبیحات کفایت نہیں کرتیں۔ آپ امام کی پیروی میں جو بھی ہیئت اختیار کریں آپ اس مقام کے ورد و وظیفے اور کلمات کو امام کے تابع نہیں کرتے تو پھر آپ اپنے قیام کے وظائف کو امام کے سپرد کر کے کیوں سمجھ لیتے ہیں کہ اس مقام کے ورد و وظیفے وہی کافی ہیں جو امام نے پڑھ دیے۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ اگر آپ خود نہ پڑھیں تو آپ کا رکوع باطل ہے۔ اگر آپ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى اپنی زبان سے نہ پڑھیں تو آپ کا سجدہ بیکار چلا گیا، لیکن سورہ فاتحہ جو قیام کی اصل ہے اگر آپ اس کو نہ پڑھیں تو آپ کا قیام مکمل ہو جاتا ہے۔ آخر آپ نے اس عنوان سے کبھی سوچنے کی تکلیف گوارا کیوں نہیں فرمائی۔ یہ بات بڑی آسان ہے۔ آخر آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں بیٹھتی۔

احناف کے دلائل کی حیثیت

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی عدم قرأت کے حق میں احناف بزرگوں نے اگرچہ بہت سی روایات جمع کر رکھی ہیں جن کو وہ اپنے دلائل کا نام دیتے ہیں اور انہیں اصرار ہے کہ دوسرے لوگ بھی ان کی جمع و ترتیب کو بطور دلائل ہی قبول کر لیں مگر افسوس کہ اس باب میں ہم اپنے بھائیوں کے لئے خوشی کا سامان مہیا نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے دلائل کی سند کی حیثیت کے بارے میں خود احناف اہل علم و خبر بھی مطمئن نہیں ہیں۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ

حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ مشہور حنفی بزرگ ہیں اور حنفی اصحاب فکر و نظر میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں وہ تحریر کرتے ہیں:

لَمْ يَرَدْ فِي حَدِيثِ مَرْفُوعٍ صَحِيحِ النَّهْيِ عَنْ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ وَكُلُّ مَا ذَكَرُوهُ مَرْفُوعًا أَمَّا لَا أَضِلُّ لَهُ وَأَمَّا لَا يَصِحُّ (تبيين المبرر مولانا عبدالحی شائع کردہ مکتبہ ایم ایچ سعید صفحہ ۹۹ حاشیہ نمبر ۶)

یعنی کسی بھی مرفوع اور صحیح حدیث میں فاتح خلف الامام کی ممانعت وارد نہیں ہوئی اور (حق یہی ہے کہ) جو مرفوع روایات (ہمارے احناف اہل علم بزرگوں کی طرف سے فاتح خلف الامام کی ممانعت کے ثبوت میں) پیش کی جاتی ہیں ان میں کچھ تو ایسی ہیں کہ ان کی کوئی اصل ہی نہیں ہے اور کچھ ایسی ہیں جو صحت کو نہیں پہنچیں، سبحان اللہ۔

دوست ہی دشمن جاں ہو گیا اپنا حافظ

انوشد اردو نے کیا اثر سم پیدا

ہم حضرت لکھنویؒ مرحوم کے بے حد مشکور ہیں کہ انہوں نے ایک حق بات کو برملا کہہ کر ہمیں اس باب کی بہت سی مشقت سے بچا لیا ہے اور حق یہی ہے کہ حضرت لکھنویؒ کے اس اعتراف حقیقت کے بعد ہمیں اس بے سند اور بے اصل ذخیرہ دلائل کی تردید میں مزید کچھ عرض کرنے کی ہرگز حاجت نہیں رہ سکی ہے اور حضرت کی صدق مقال کے اہلال و احترام میں ہمیں اس بحث کو حضرت مرحوم کے اس قول فیصل پر ہی ختم کر دینا چاہیے تھا۔ مگر تاکہ ہم اپنے فریق ثانی کو اپنی عدم پذیرائی کے احساس میں پڑنے سے بچا سکیں۔ ہم

حضرت مرحوم کی روح سے معذرت کی ساتھ احناف کی دو مایہ ناز دلیلوں کا ذکر بطور مثال کرنے کی اجازت چاہیں گے۔

پہلی دلیل

فاتحہ ظف الامام سے انکار کے عقیدہ کی حمایت میں احناف نے جو سب سے بڑی اور اپنے زعم کے مطابق زیادہ قوی دلیل پیش کی ہے اور جس پر ان کے محامد و خواص سب کو عی مانے سے سوا مندرجہ ذیل ہے :

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ (سورہ الاعراف)

”یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو تم چپکے رہ کر سنو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

احناف کا کہنا ہے کہ اگر مقتدی بھی امام کے چپے قرآن پڑھنے لگے گا تو اس کا یہ فعل قرآن کریم کی اس آیہ مبارکہ کے خلاف ہوگا۔

امر واقعہ یہی ہے کہ حنفی اہل علم نے اس آیہ مبارکہ کو فاتحہ ظف الامام سے انکار کے ثبوت میں پیش کر کے نہ صرف اپنے اہل مسلک کے ساتھ ہی بڑی زیادتی کی ہے بلکہ یہ ایک سخت درجہ خسارے کا سودا بھی ہے کیونکہ یہ آیہ مبارکہ مسلمان نمازیوں کے لئے نہیں بلکہ کافروں اور منکروں کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس میں ازلول تا آخر کافروں سے ہی خطاب ہے۔

اب اس کو سوائے بد نصیبی کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ حنفی بزرگوں نے اپنی ظلمت و ضد کا بھرم رکھنے کے لئے کافروں کو ان کی خاست پر بھیج دیا کہ قرآن کریم مسلمانوں کے لئے خاص کر دیا ہے۔ اور کافروں کو ان کے جرم کاری سے بری کر کے اس تیر کا ہدف خود اپنے ہم مسلک نمازیوں کو بنی بنا دیا ہے۔ سبحان اللہ۔

یہ فتنہ آؤمی کی غلط دیرانی کو کیا کم ہے !
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آہلی کیوں ہو

مسلم نہیں یہ لوگ سورہ فاتحہ سے اس درجہ کیوں الگ ہیں کہ بہ ہزار تکلف بھی اس سے
بچنا پڑا لیا جاتا ہے۔ یہ ایک حاصل قرآن سورہ مبارکہ ہے، بدکات و حسنات کا خزانہ
ہے نبی ﷺ نے اس کو قرآن کے قائم مقام بنا کر نماز کے اندر قیام میں داخل کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ہاں قرآن کریم کا یہ حکم کہ **فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ**
مِّنَ الْقُرْآنِ نماز میں صرف سورہ فاتحہ کی تلاوت پر ہی اپنی تعمیل کو پہنچ جاتا
ہے مگر ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ سورہ فاتحہ کا نام سنتے ہی آگ بھجوا
ہو جاتے ہیں اور یہ بزرگ اس غریب سے یوں بھاگ بدک رہے ہیں کہ جیسے
یہ کوئی قرعدہ بندی ہے، کوئی جلائے آسمانی ہے، کوئی جگر دوز آفت ہے اور پھر
اس باب میں ان حضرت پر نہ نبی ﷺ کا کوئی ارشاد ہی مؤثر ہوتا ہے نہ یہ
اصحابِ رسولؐ کو ہی مانتے ہیں اور نہ کسی دوسرے بزرگ کی ہی سنتے ہیں۔ یا
اللہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے !

حقیقتِ حال

واضح رہے کہ یہ آیہ مبارکہ سورہ اعراف کے آخری رکوع کا حصہ
ہے۔ آپ قرآن کریم کو کھول کر اپنے سامنے رکھ لیجئے اور پھر خود اس آیہ
مبارکہ سے ہی دریافت حال کیجئے، یہ اپنی ساری کمائی خود اپنے منہ سے ہی
آپ کو سنا دے گی، وہ بڑی خوبی سے آپ کو بتائے گی کہ وہ کس پس منظر
میں اتری ہے اور کن لوگوں کے لئے اتری ہے ؟
مکہ میں رسول اللہ ﷺ سے کفار کا طرز عمل کوئی مستور کمائی نہیں

ہے، بڑی کھلی تاریخ ہے اور سب کے سامنے ہے۔ کفار مکہ جن مختلف طریقوں سے رسول اللہ ﷺ کو پریشان کرتے تھے۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ لوگ راہ گلی آپ سے مجھڑے طلب کرتے تھے جو بھی آتا کوئی نہ کوئی نشان ہی مانگا، آپ کے ہاتھ سے کوئی اعجاز ہی دیکھنا چاہتا۔ آپ کی ذات میں کرامتوں کا تجسس ہی کرتا۔ اب ظاہر ہے کہ نبوت کوئی کاروبار نہیں کہ ہر گاہک کو خوش رکھنے کی کوشش کی جائے۔ پھر مجھڑہ بھی نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ وہ جب چاہے اور جہاں چاہے دکھانے لگ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کے ہاتھ پر کسی مجھڑہ کا اظہار کرنا اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ جب چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے دکھا دیتا ہے اور جب نہیں چاہتا نہیں دکھاتا، نبی کا اپنے اللہ پر کوئی زور نہیں ہوتا۔

ان حالات میں کفار مکہ جب نبی ﷺ سے مایوس ہوتے تو زبان طعن دراز کرتے اور حضورؐ کے عند الطلب مجھڑہ نہ دکھانے کو آپ کی نبوت کے خلاف دلیل بناتے۔

سورہ اعراف کے اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہی قصہ بیان کیا ہے، ارشاد ہے:

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُؤْخَىٰ إِلَيَّ مِنَ رَبِّي هَذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (الاعراف آیت ۲۰۳ رکوع ۲۴)

کہ (اے اللہ کے رسول) ”جب تو ان کافروں کی مرضی کے مطابق ان کو کوئی نشانی نہیں دکھاتا تو کہتے ہیں یہ شخص (نبی تھا تو) ہمیں کوئی نشان کیوں نہیں دکھا سکا۔“

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں صرف اپنے رب کی طرف سے آنے والی وحی کے ہی تابع ہوں، پس وہی کچھ کہتا ہوں اور کرتا ہوں جو میرے اللہ کی مرضی ہو (اور پھر تم جو مجھڑے مانگتے ہو تو) یہ قرآن خود ایک بڑا مجھڑہ ہے، بصیرتوں کا خزانہ ہے اس پر غور کرو (اس کے ہوتے ہوئے کسی اور مجھڑے کی کیا حاجت ہے!) اہل ایمان اسی سے ہدایت اور روشنی پاد

ہے، میں (اب تم قرآن پر توکان نہیں رکھتے اور معجزے مانگ رہے ہو) یوں کفار مکہ کی طینت کے اس تاریک رخ کی عکاسی فرما کر پھر اگلی آیت میں ان کی جمالت پر سرزنش کرتے ہوئے بطور نصیحت ان کے شعور کو تحریک کی کہ:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ - (الاعراف آیت ۲-۳)

کہ (کفار مکہ! مسلمانوں کی طرح تمہارے لئے بھی یہی بات مناسب ہے کہ) جب قرآن پڑھا جائے تو چپکے رہ کر اسے سنا کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ (تمہاری قسمت بھی جاگ اٹھے اور) تم پر بھی خدا کی رحمت کے دروازے کھل جائیں۔

دیکھئے کتنی صاف بات ہے۔ اول سے آخر تک کافروں سے ہی خطاب ہے، انہی کی غرضیوں کا ذکر کیا ہے اور پھر اچھی کو ایک مناسب حال نصیحت فرمائی ہے کہ:

بد نصیبوں! تم بھی قرآن پاک پر کان نہ کھو! اس کو سننے اور سمجھنے سے انسانوں کی قیمتیں بنتی ہیں، ان کے بخت بیدار ہونے لگتے ہیں۔ تم کیسے بے وقوف لوگ ہو کہ لپک کر حاصل کرنے والی دولت سے بدک رہے ہو، بڑھنے کے بجائے بھاگ رہے ہو، ماننے کے بجائے انکار کر رہے ہو، لینے کے بجائے ترک کر رہے ہو، جس کو تمہارے لئے خاص کر دیا گیا ہے اس سے منہ موڑ رہے ہو۔

الغرض کلام کے اسلوب اور موقع محل سے صاف واضح ہے کہ اس آیہ مبارکہ کا نہ صرف سورہ فاتحہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا خود نماز سے ہی کوئی رشتہ نہیں ہے۔

یہ ازبول تا آخر نماز سے خارج مجالس و محافل کے لئے ہی خاص ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزند گرامی حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی اس آیہ مبارکہ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

جب کوئی قرآن پڑھے تو لوگوں پر واجب ہے کہ باتیں نہ کریں بلکہ وحیٰان سے سنیں کہ شاید دل میں ہدایت پڑے لیکن اگر کوئی پڑھنے والا (موقع و محل کا خیال کے بغیر) باتوں کی مجلس میں پڑھنے لگے (اور لوگ وحیٰان نہ دیں) تو یہ اس کی اپنی خطا ہے۔ (موضح القرآن شاہ عبدالقادر)

ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک بھی یہ کہ مبارکہ نماز یا نماز کی کسی حالت کے لئے نہیں۔ بلکہ اس کا نزول نماز سے خارج مجالس وغیرہ کے لئے ہی ہوا ہے اور نماز یا فاتحہ خلف الامام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک توجہ طلب حقیقت

اس آیت مبارکہ کو فاتحہ خلف الامام سے جوڑنے میں دوسری بات یہ ہے خیرات کے مطالعہ ایک سرفہرست بے خبری یہ ہے کہ جب اس آیت کا نزول ہوا اس وقت تک ابھی نماز ہی فرض نہیں ہوئی تھی اور جب خود نماز ہی فرض نہیں تھی تو ظاہر ہے کہ نماز کے بارے میں کوئی مسائل بھی موجود نہیں تھے نہ آئین ہائے نماز کی کوئی بحث موجود تھی نہ فاتحہ خلف الامام کی نہ ابھی روزہ فرض ہوا تھا نہ تراویح کے مسئلہ نے وجود پایا تھا۔

اور ایک بڑی بات یہ ہے کہ جب ابھی خلق بھائی ہی موجود نہیں تھے تو یہ جھڑپ ہی کیونکر چلے اور یہ ہمیشہ کیونکر پیدا ہوئی!

تاجم اگر آدمی بات کو سمجھتا ہے تو یہ کوئی لاغیل مسئلہ نہیں ہے۔ اور بڑی ہی آسانی سے قابل فہم ہے کہ جب نہ نماز فرض تھی نہ اس میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہی واجب تھا تو ان حالات میں اسے خلف الامام پڑھنے سے روکنے میں کیا تک ہے!

اور پھر یہ تو دو برصغیر کی بات ہے جب قرآن کے عوض جان کا سودا زندگی کی حقیقی نہایت تھی اور قرآن پر جان کو قربان کرنا اصحاب رسول کا حاصل ایمان تھا۔ تعجب ہے کہ ان لوگوں کے بارے میں احناف کہتے ہیں کہ وہ قرآن کے اندر کوئی کشش نہیں رکھتے تھے یہاں تک کہ آسمان سے ان کے لئے سحیرہ نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ راجعون۔

عزیزو! مسلمان تو کسی گمے گزرے زمانہ میں بھی قرآن پاک کی تقدیس سے کبھی غافل نہیں رہے اور آپ کا ارشاد ہے کہ اصحاب رسول تک کو بھی چنگے رو کر قرآن سننے کے لئے صیحت ناگزیر ہو گئی تھی۔ جبکہ یہ گستاخی ہمیشہ کافروں کا ہی قصور رہی ہے جن کو قرآن پاک سے نفرت تھی اور انہوں نے قرآن کریم کے مقابلہ کی یہ صورت تجویز کر رکھی کہ

لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَبُونَ (لم جمعہ ص ۴)

کہ لوگو! اس قرآن کو ہرگز نہ سناؤ اور غیب فرق سناتے لگیں تو سب مل کر شور مچا دیا کرو تاکہ ان کا قرآن غیب سے شور میں گم ہو جائے (ان کی بات نہ سنی گئی) اور تمہارا غلبہ قائم رہے۔

مسلمانوں سے بھلا ایسی گستاخی کیوکر ممکن تھی۔ مسلمان قرآن کے لئے کس درجہ متوجہ تھے اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہی کر لیجئے کہ نبی ﷺ کی وفات پر مطلوب الحال مسلمانوں کی جبریت کے بے قابو مظاہر کو قرآن کی صرف ایک آیت نے ہی کنٹرول کر لیا تھا اور جذبات کا بحر مولج صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان سے اچھلنے والے چند قرآنی الفاظ کی ساری سے ہی ساکن سمندر میں تبدیل ہو گیا تھا۔

تو کیا یہ لوگ قرآن پر کان نہیں رکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ کو خاص اہتمام کے ساتھ انہیں سرزنش کی ضرورت لاحق ہوئی! آخر آپ کی سوچ کو کیا ہو گیا ہے!

حد ہو گئی کہ قرآن پاک کی ایک آیت جو کفار مکہ کی ایک فوج حرکت پر بطور تنبیہ نازل ہوئی تھی آپ نے اسے اپنے نمازیوں کی قسمت بنا دیا اور کفار ناہنجار کو صاف بری کر دیا اور بات ہر پھر کے پھر وہی رہی کہ ۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے !
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

پھر وہی مولانا عبدالحی لکھنویؒ

حضرت مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی نے اس باب میں بڑی دو ٹوک بات کہی ہے۔ وہ اگرچہ مقلد ہونے کے رشتہ سے خود بھی فاتحہ خلف الامام پر عامل نہیں ہیں، مگر زیر بحث آیہ مبارکہ کو عدم قرأت فاتحہ خلف الامام کی دلیل بنانے کے سلسلہ میں ان کا موقف یہ ہے :

اس آیہ کریمہ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا) کو ہمارے اصحاب علم نے اپنے مذہب (عدم قرأت فاتحہ خلف الامام) کی دلیل بنایا ہے جبکہ یہ آیہ کریمہ جبری نمازوں میں امام کے سکتوں (یعنی ایک آیت کے اختتام اور دوسری کے شروع کے درمیانی وقفوں) میں سورہ فاتحہ کے پڑھنے کو مانع نہیں ہے۔ (لام الکلام صفحہ ۱۵۱ مفہوم)

دوسری جگہ وہ حنفی مشائخ کے عقیدہ مذہب سے اپنے موقف کی تائید میں بڑا زور دار استدلال کرتے ہیں کہ ہمارے بہت سے مشائخ کا عقیدہ مذہب یہی ہے کہ (سری نمازوں میں) امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا امر مستحسن ہے۔ بتائیں فلا یستنکرا استحسانا فی الجہریۃ ایضاً اثناء سکتات الامام بشرط ان لا یخل بالاستماع (عمدۃ الراہ شرح وقایہ جلد اول صفحہ ۱۷۳)

حاشیہ ۱۴) پس اس بنا پر امام کے سنتوں کے درمیان ایک مستحسن امر کو جبری نمازوں میں بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ استماع میں خلل نہ ہو۔

سخن آخر

یہ پوری بحث تو خیر پیش آمدہ صورت حال کی مجبوری تھی مگر فیصلہ کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ حکم دیا تھا کہ نماز خواہ سری ہو یا جبری امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا بہر حال واجب ہے تو اس وقت بھی یہ آیہ مبارکہ قرآن پاک میں موجود تھی اور اس کی موجودگی کے باوجود آپ نے فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

یعنی یہ آیہ مبارکہ تو مکہ میں نازل ہو چکی تھی مگر فاتحہ خلف الامام او غیر امام کے وجوب کی بات مدینہ منورہ میں ہوئی ہے تو کیا آپ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کو بھی معلوم نہیں تھا کہ سورہ فاتحہ خلف الامام کی ممانعت قرآن میں موجود ہے! ظاہر ہے کہ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ فاتحہ خلف الامام سے قرآن نے پہلے سے منع کر رکھا ہے تو آپ ایسا مخالف قرآن حکم کیوں دیتے! اور اگر حضور ﷺ کو اس بات کی خبر تھی اور اس کے باوجود آپ نے قرآن فاتحہ خلف الامام کا حکم دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کے پیچھے خاموش رہنے کا یہ حکم سورہ فاتحہ کو موثر نہیں ہے اور اگر موثر بھی تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاص حکم سے سورہ فاتحہ کو اس حکم کی موثریت سے معافی فرما دیا تھا۔ بنا بریں بات یہیں آکر ٹھہری کہ :

مَا أَلَّكُمْ الرَّسُولُ فَعِذُّوهُ کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں جو کچھ بھی دیں اسے

ہتے باندھ لو اور اس کے مطابق عمل کرو، یہی اصل ایمان ہے اور مسلمانوں کا شعار بھی یہی
 لکھا رہا ہے کہ ۔

جہاں کر دیا گرم کرنا گئے ۵۵
 جہاں کر دیا نرم کرنا گئے ۵۵

دوسری دلیل

احکام ایمانیوں کی طرف سے اپنے مذہب کے حق میں دوسری بڑی دلیل کے
 طور پر اس روایت کو پیش کیا گیا ہے :

مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ كَبِيرٌ كَرِهَ أَنْ يَكُونَ لَهُ قَرِيبٌ أَوْ رَاقِطُنِي هَذَا (ص ۳۲۳)
 یعنی جب کوئی شخص امام کے پیچھے ہو تو امام کی قرابت کے لئے کافی ہے۔

اس کا بڑا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ روایت ہی سرے سے قابل قبول نہیں کیونکہ
 اس کے راویوں کے ایک سلسلے میں ایک راوی چاند جعفی ہے اور اس بزرگ کے بارے میں
 حضرت امام ابو حنیفہ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے اور بات پھر اسی پر ختم کیے حضرت فرماتے ہیں :
 مَا رَأَيْتُ أَكْذَبَ مِنْ جَابِرِ الْجَعْفَنِيِّ (انجام الحاجہ بر حاشیہ النبی الحجۃ - نذر -
 مخزوم الاولیٰ صفحہ ۲۱۸)

کہ میں نے جابر جعفی سے زیادہ کر جھوٹا شخص کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔

یہ راوی حضرت امام صاحب کے نقطہ میں ہی موجود تھا اور آپ کی مجلس میں بھی
 آتا جاتا تھا۔ امام صاحب نے اس شخص کے بارے میں ایک بڑی دلچسپ انکشاف کیا ہے کہ
 میں نے اس شخص کی انفرادی دوازی کے بت سے قصے سنے تھے۔ پھر میں نے
 خود بھی تجربہ کیا اور ہاروا لیا ہوا کہ میں نے اپنے دل سے ہی کوئی بات بتائی
 اور میں جانتا تھا کہ یہ لفظ ہے۔ پھر میں نے جب وہ بات اس کے سامنے

پیش کی تو اس نے جھٹ میری تاکید میں کوئی نہ کوئی حدیث گھڑ کر مجھے سنائی۔
تو مجھے یہ اختلاف کی دوامیہ نازد لیلیں ہیں جو وہ اکثر اپنے مذہب کے حق میں پیش
کرتے ہیں اور میں کاجو کچھ حال ہے وہ ہمارے قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ باقی دلائل کا حال
اس سے بھی پتا ہے۔

قیاس کن زکستان من بہار مرا

تعاقل صحابہؓ

رسول اللہ ﷺ نے راہ حق کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا: مَا
أَنَا عَلَىٰ قَدَرٍ وَأَهْلُ حَاوِيٍّ کہ راہ حق وہ ہے جس پر میں اور میرے اصحاب قائم ہیں۔ اس
ارشاد کی روشنی میں اصحاب رسول کا طریقہ بھی ایک شرعی حجت ہے۔ بخاریں و ترمذی میں ہم
فاتحہ خلف الامام کے بارے میں اصحاب رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معمول پیش کر رہے
ہیں۔ قسمت اگر سیدھی ہو تو ہر طالب حق کے لئے اس میں رہنمائی کا اور سامان موجود ہے۔

امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ

☆ حضرت یزید بن عاص بن ثریک فرماتے ہیں کہ میں نے قرآنہ خلف الامام کے بارے میں
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: قَرَأْتُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ
کہ لام کے پچھلے سورہ فاتحہ بہر حال پڑھ۔ میں نے کہا اگرچہ نماز کے لام آپ ہی ہوں؟ فرمایا
ہاں۔ میں نے حریذ عرض کیا وان جھرت کہ اگرچہ آپ اونچی آواز میں قرآنہ کر رہے
ہوں؟ فرمایا ہاں پھر بھی سورہ فاتحہ پڑھ۔ (جزء القرآن الامام بخاری۔ قرآنہ خلف الامام امام
یعنی۔ وار قطنی)

☆ ابراہیم بن عدی راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک شخص کو بتا رہے تھے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اس نے کہا اگرچہ میں امام کے پیچھے بھی ہوں؟ فرمایا ہاں۔ اس نے دریافت کیا اگر امام بلند آواز سے قرآن کر رہا ہو تو پھر کیا کروں؟ فرمایا ایسی حالت میں سورہ فاتحہ اپنے جی میں پڑھ لے۔ (بیہقی)

امیر المومنین علی المرتضیٰؓ

☆ حضرت ابو بکر حفص نے بہ سند صحیح حضرت علیؓ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ کان یا مہر بالقرۃ خلف الامام (بیہقی) کہ آپ امام کے پیچھے نماز میں قرآن سورہ فاتحہ کا حکم دیا کرتے تھے۔

☆ حضرت عید اللہ بن ابی رافع راوی ہیں کہ كَانَ عَلِيٌّ يَامُرُ بِالْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِي الْآخِرَتَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (قرآن خلف الامام بیہقی صفحہ ۷۴ - دار قطنی جلد ۱ صفحہ ۳۲۲) یعنی حضرت علیؓ لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ (پور سری نمازوں کی صورت میں) قرآن پاک سے کچھ مزید بھی اور آخری رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھیں۔

چند دوسرے اصحاب کبار

☆ حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں: کانت عائشة تأمر بالقرۃ خلف الامام (جزء القرۃ بخاری) کہ صدیقہ طاہرہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا امام کے پیچھے (جبری نمازوں میں) سورہ فاتحہ اور سری میں کچھ مزید) پڑھنے کا حکم دیتی تھیں۔

☆ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے قرأت خلف خلف الامام کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو فرمایا مجھے کعبہ کے مالک سے شرم آتی ہے کہ میں ایسی کوئی دو رکعت (خلف الامام یا غیر امام) ادا کروں

جن میں سورہ فاتحہ شامل نہ ہو (اور سری نمازوں میں) قرآن پاک سے کچھ مزید بھی۔ (جزء القرآن الامام بخاری)

☆ حضرت سائب راوی ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: جس نماز میں سورہ فاتحہ شامل نہ ہو ناقص ہے، بیکار ہے اور مردہ ہے۔ میں نے کہا ابوہریرہؓ! ہم کبھی امام کے پیچھے ہوتے ہیں جبکہ وہ اونچی آواز سے پڑھ رہا ہوتا ہے اس حال میں ہم کیا کریں؟ انہوں نے فرمایا اقراء، بکھا ففی نفسک کہ ایسی صورت میں تو یہ سورہ مبارکہ اپنے جی میں پڑھ لے۔ (جزء القرآن بخاری قرءة خلف الامام بیہقی)

☆ حضرت ابوشیبہ مہری کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے قرءة الامام کا مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے فرمایا اگر امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو تو صرف سورہ فاتحہ ہی پڑھ (ورنہ) سورہ فاتحہ کے علاوہ جتنا پڑھ سکے قرآن میں سے مزید بھی پڑھ۔ (القرءة خلف الامام للبیہقی صفحہ ۷۵)

☆ حضرت محمود بن ربیع راوی ہیں کہ ایک بار مجھے امام کے پیچھے حضرت عبادہ بن صامتؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کا موقع ملا اور میں نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قرءة کرتے پایا۔ (القرءة خلف الامام للبیہقی قرءة صفحہ ۴۸)

☆ حضرت ابوہذیل فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ (جزء القرآن بخاری)

☆ حضرت ابونضرہ راوی ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے قرءة خلف الامام کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔ (جزء القرآن بخاری کتاب القرآن بیہقی)

☆ حضرت حسان بن عطیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے: خبردار ہو قرءة فاتحہ امام کے پیچھے کبھی ترک نہ کرو اگرچہ وہ بلند آواز سے ہی پڑھ رہا ہو (کتاب القرآن للبیہقی صفحہ ۸۱)

☆ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مجھے تاکید کی کہ اقرأہ خلف الامام جہر اولم یجہر (تجزء القراءۃ لام بخدی) کہ لام کے پیچھے قرأہ بھی ترک مت کر 'خوالہ امام لوٹھی آواز سے پڑھ رہا ہو (جیسے فجر 'مغرب' عشاء کی نمازوں میں) خوالہ آہستہ پڑھا ہو (جیسے ظہر اور عصر کی نمازوں میں ہو تا ہے)

☆ حضرت ابو خالد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مجھے ہدایت کی کہ اقرأہ خلف الامام بفاتحة الكتاب (کتاب القراءۃ للبیہقی صفحہ ۷۷) کہ امام کے پیچھے بھی سورہ فاتحہ کا پڑھنا بھی فراموش نہ کر۔

☆ حضرت ثابت راوی ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قرأہ کرتے سنا ہے۔ (کتاب القراءۃ للبیہقی صفحہ ۸۲)

☆ حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن العاص کو امام کے پیچھے قرأہ فاتحہ کرتے سنا ہے۔

☆ حضرت حمید بن بلال راوی ہیں کہ میں نے حضرت ہشام بن عاص کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے سنا تو سلام کے بعد میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں تمام اصحاب رسولؐ کا یہی معمول تھا (کتاب القراءۃ للبیہقی صفحہ ۱۰)

حضرت شاہ نظام الدین اولیاء

کا نعرہ حق

حضرت شاہ نظام الدین اولیاءؒ حضرت بابا فرید شکر علیؒ کے خلیفہ نور بر صغیر میں

سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے بانی تھے۔ ان کے بارے میں حضرت مولانا عبدالحی ککڑویؒ حضرت

علامہ کرمائی کی کتاب ”سیر الاولیاء“ کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

حضرت شاہ عظام الدینؒ اگرچہ حنفی مسلک رکھتے تھے مگر صحیح حدیث کے بموجب امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا فتویٰ دیتے تھے کسی نے انہیں بطور طعن کہا کیا آپ جانتے نہیں؟ کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں انگارے بھرے جائیں گے آپ نے جواب دیا بھائی ایک طرف آپ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا یہ عذاب بیان کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ بات رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جس نماز میں سورہ فاتحہ شامل نہیں ہوگی وہ نماز باطل ہے۔ پس میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی پاداش میں اپنے منہ میں انگارے بھرے جانا تو کوارا کروں گا مگر اس عمل کو ترک کر کے اپنی نمازوں کو باطل کر دینا مجھے منظور نہیں ہے۔ ۱۔

کیا رکوع میں ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے؟

سورہ فاتحہ کی کار فرمائی کے خلاف ایک بالواسطہ سازش

حنفی بھائیوں کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ اس وقت جا کر ملا جب امام رکوع کی حالت میں تھا تو اس نے رکعت پائی اور اس کی نماز صحیح ہے اور اسے امام کے سلام پھیرنے کے بعد دوبارہ یہ رکعت پڑھ کر رکعت کی ضرورت نہیں ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ اس نے قیام نہیں پایا مگر محض قیام کے نہانے سے اس کی نماز میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ انہوں نے اپنے اس عقیدہ کی بنیاد بخاری شریف کی مندرجہ ذیل روایت پر استوار کی ہے :

اس روایت الخواطر از علامہ عبدالحق لکھنوی صفحہ ۲۱۸

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اِنَّهُ اَنْتَهٰی اِلٰی النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاکِعٌ فَرَکِعَ قَبْلُ اَنْ یَّصِلَ اِلٰی الصَّفِّ فَذَكَرَ ذَٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذَا ذَٰکَ اللّٰهُ حِرْصًا وَلَا تَعْدُ اِ

کہ وہ نبی ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی لئے ایسے وقت پہنچے کہ حضور ﷺ رکوع کی حالت میں تھے اور انہوں نے حضور کو اس حالت میں پا کر صف میں پہنچنے سے پہلے وہیں رکوع کر لیا اور پھر بحالت رکوع ہی آہستہ آہستہ چل کر صف میں جا شامل ہوئے۔

حضور کے سامنے اس بات کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نیکی کے لئے تیری رغبت اور بڑھائے، آئندہ ایسا نہ کرنا (کیونکہ امام کی اتباع امام کے ساتھ شامل ہو چکنے کے بعد ہی لازم ہے پہلے نہیں)

ہم نے جو ترجمہ میں کہا ہے کہ پھر وہ بحالت رکوع ہی چل کر صف تک پہنچے تو یہ ترجمہ ابو داؤد میں وارد ہونے والے ان الفاظ کا ہے جہاں کہا گیا ہے ثُمَّ مَثْنٰی اِلٰی الصَّفِّ کہ پھر وہ (اسی حالت میں) چلتے ہوئے صف تک پہنچے۔

سنن کبریٰ اہم بیہقی میں روایت کا ابتدائی حصہ یوں ہے:

اِنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالنَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاکِعٌ فَرَکِعَ۔ کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ نبی ﷺ رکوع میں ہیں اور وہ وہیں رکوع میں جھک گئے۔

اس پر اختلاف کا استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کی بات سن کر انہیں یہ نصیحت تو کی ہے کہ یہ تمہارا باہر سے ہی رکوع کی حالت اختیار کر لیاں صحیح نہیں تھا، آئندہ ایسا نہ کرنا۔ مگر انہیں نماز کو دوہرانے کا حکم نہیں دیا اور یہ نہیں کہا کہ قیام چھوٹ جانے سے تمہاری نماز صحیح نہیں رہی اور تمہاری رکعت مکمل نہیں ہو سکی اس لئے یہ رکعت پھر ادا کرو۔

۱۔ بخاری شریف

اصل بات کیا ہے

اصل بات یہ ہے کہ مقلد بزرگوں نے اپنی ضرورت سے روایت کے اندر وہ معنی داخل کر دیئے ہیں جو دراصل اس میں موجود نہیں تھے اور مقلد بزرگوں کو جو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے میں چڑ موجود ہے یہ منصوبہ اس چڑ کا ہی حصہ ہے۔

اللہ اکبر! قسمت کی ہی بات ہے۔ یہ لوگ سورہ فاتحہ سے یوں بدک کر بھاگ رہے ہیں جیسے یہ کوئی عذاب خداوندی ہو اور اٹھتے بیٹھتے اس کو اپنے سے دور رکھنے کی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں۔ یہاں بھی ان کا اصل مسئلہ قیام نہیں بلکہ قیام کے ہمانے دراصل وہ سورہ فاتحہ پر ہی حملہ آور ہیں اور وہ قیام کو ساقط کر کے دراصل سورہ فاتحہ سے ہی بچ نکلنے کی تدبیر کر رہے ہیں۔ اس بات کو تو سب ہی جانتے ہیں کہ سورہ فاتحہ بہر حال قیام میں ہی پڑھی جائے گی۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

لَا صَلَوةَ إِلَّا بِهَا تَحْتَهُ الْكِتَابُ (بخاری) کہ جس رکعت میں سورہ فاتحہ شامل نہیں ہوگی وہ رکعت نماز کی رکعت شمار نہیں ہوگی۔

اب جب حنفی دانشوروں نے قیام کے بغیر رکعت کی تکمیل کا فتویٰ دے دیا تو ظاہر ہے سورہ فاتحہ کی بنیاد از خود مسمار ہو گئی کیونکہ اسے تو قیام میں ہی پڑھا جانا تھا۔ پھر جب قیام ہی نہ رہا اور اس کے بغیر رکعت مکمل ہو گئی تو قیام کے اندر پڑھے جانے والے اذکار و وظائف کی کیا حیثیت رہ گئی۔ ایسے میں سورہ فاتحہ کیسی اور اس کا وجوب کیونکر!۔

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا کریدتے ہو جو اب راہ جستجو کیا ہے
سبحان اللہ۔

ایں کار از تو آند و مرواں چنین کنند

احناف ہی بتائیں

احناف جانتے ہیں کہ نماز کے اندر قیام فرض ہے اور نماز کا ایک رکن ہے بالکل ایسے ہی رکن ہے جس طرح رکوع، سجدہ اور تشہد وغیرہ نماز کے ارکان ہیں۔

اب اگر خود حنفی بھائیوں سے ہی پوچھا جائے کہ اگر کوئی شخص اپنی نماز میں سے رکوع کو نکال دے یا سجدہ کو ترک کر دے تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی؟ تو ان کا لب برداشتہ جواب ہو گا کہ ہر گز نہیں ہوگی، کیونکہ رکوع اور سجدہ نماز کے ارکان ہیں، جب کوئی رکن ساقط کر دیا جائے گا تو نماز کیونکر ہوگی؟

پھر ان کے پاس اس سوال کا کیا جواب ہے کہ جو وہ قیام کو ساقط کر دیتے ہیں جو عین فرض بھی ہے اور رکوع و سجدہ کی طرح ہی نماز کا رکن بھی ہے تو ان کی نماز کو کوئی نقصان کیوں نہیں پہنچتا۔ قیام کو ترک کر کے ان کی نماز کیونکر صحیح رہتی ہے اور رکعت کیونکر مکمل ہو جاتی ہے۔ مگر آہ انہیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ یہ رکعت مکمل ہوتی ہے یا نہیں انہیں صرف اس بات کی خوشی ہے کہ چلو اس طرح انہوں نے سورہ فاتحہ کی دیوار کو اپنی راہ سے ہٹانے کی ایک صورت نکال لی ہے۔ اللہ معاف کرے علامہ اقبال نے ایسی ہی دانشوروں کا ذکر فرمایا ہے۔ جب کہا۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے اس درجہ فہمیان حرم بے تحقیق

ایک امر واقعہ

یہ امر تو بالکل ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا یہ فعل کہ وہ مسجد میں داخل ہوتے ہی حضورؐ کو رکوع میں دیکھ کر وہیں کھڑے کھڑے رکوع میں جھک گئے سر اسر غلط تھا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کا یہ فعل غلط قرار دے کر ہی انہیں نصیحت کی کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔

ہم پوچھتے ہیں کہ اس واقعہ سے احتلاف نے یہ نتیجہ کیسے نکالا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی نماز اس متروک القیام رکعت کو لوٹائے بغیر درست ہو گئی تھی۔

اس پورے واقعہ سے یہ کہاں سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضورؐ کے سلام پھیرنے کے ساتھ ہی سلام پھیر دیا تھا اور اپنی رہ چکی رکعت کو بعد میں ادا نہیں کیا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے کم و بیش دو اڑھائی برس قبل ایمان لا چکے تھے اور حضور علیہ السلام سے ان کی رفاقت کا یہ بھرپور زمانہ تھا وہ صبح و شام حضورؐ سے ملنے والوں میں تھے، دن رات آپؐ کی مجلس میں بیٹھتے تھے، پانچوں وقت حضورؐ کے ہمراہ نمازیں ادا کرتے تھے اور وہ یہ حدیث پاک بھی سن چکے تھے کہ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کہ جس رکعت میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی وہ رکعت شمار نہیں ہوگی۔

ان حالات میں یہ کس طرح ممکن تھا کہ انہوں نے حضورؐ کی اس حدیث کے مطابق اپنی نماز پوری نہیں کی ہوگی۔ انہوں نے یقیناً حضورؐ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رکعت دہرائی ہوگی اور باقی بات چیت بعد کا واقعہ ہے۔

صحیح قیاس

حدیث پاک کے غیر مفصل اور غیر واضح مضمون سے احتلاف کا یہ قیاس کر لینا کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو اپنی نماز دہرانے کے لئے نہیں کہا اس لئے ابو بکرؓ ہی نماز حضورؐ کے نزدیک صحیح تھی اگر ان کی نماز کامل یا صحیح نہ ہوتی تو آپؐ انہیں ضرور یہ ہدایت کرتے کہ اپنی نماز پوری کرو کیونکہ تمہارا قیام اور قیام میں پڑھی جانے والی سورہ فاتحہ

رکعت کا جزو نہیں بن سکی، مگر ایسا نہیں ہوا اس سے ظاہر ہے کہ ابو بکرؓ کی نماز صحیح تھی اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ رکعت کی تکمیل کے لئے قیام یا سورہ فاتحہ کا وجود پانا ضروری نہیں ہے۔

جبکہ حق یہ ہے کہ احناف کی یہ قیاسی جمع ترتیب سرے سے ہی غلط ہے اور اگر قیاس ہی مدار فیصلہ ہے تو احناف کے قیاس کے مقابلہ میں یہ قیاس زیادہ صحیح ہے کہ جب حضور ﷺ نے بات نہیں اٹھائی تھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ نے دیکھ لیا تھا کہ ابو بکرؓ نے اپنی نماز پوری کر لی ہے اور وہ رکعت جو رہ گئی تھی اسے دہرا لیا ہے۔ ایسی صورت میں ابو بکرؓ کو کسی ہدایت کا کیا سوال تھا اور کیا موقع تھا ارسل اللہ ﷺ غلط نماز پڑھنے والوں کو ہمیشہ ٹوک دیا کرتے تھے اور جیسا کہ بعض روایات سے واضح ہے۔ آپؐ نے غلط نماز ادا کرنے والوں کو دو دو اور تین تین بار نماز دہرانے کا حکم دیا اور پھر جب تک ان کی نماز صحیح نہ ہو گئی آپؐ برابر ان کو ٹوکتے رہے۔

ایسے میں اگر حضرت ابو بکرؓ نے بھی اپنی نماز صحیح نہ کر لی ہوتی تو آپؐ یقیناً انہیں بھی حکم دیتے کہ سورہ فاتحہ نہ پڑھ سکنے کے سبب تمہاری جو رکعت نہیں ہو سکی تھی اسے دہرا کر اپنی نماز کو صحیح کرو۔

پس صحیح قیاس یہی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد رکعت دہرا کر اپنی نماز صحیح کر لی تھی اور جہاں تک حضرت ابو بکرؓ کے اس فعل کا تعلق ہے جو غلط مقام پر رکوع کرنے کی شکل میں ان سے صادر ہوا تھا تو یہ ان کے اجتہاد کی غلطی تھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن رکھا تھا کہ:

من وجدنی راکعاً او قائماً او ساجداً فلیکن معی کہ تم نماز کے اندر مجھے جس حالت میں بھی پاؤ، قیام میں رکوع میں یا سجدہ میں میری پیروی میں میرے ساتھ وہیں شامل ہو جایا کرو (یعنی ایسا نہ ہو کہ میں سجدہ میں پڑا ہوں اور تم سجدہ تک پہنچنے کے

پہلے مرحلے طے کرنے لگو اور جلد جلد قیام رکوع اور قومہ ادا کر کے میرے ساتھ سجدہ میں جا ملو، بلکہ مجھے سجدہ میں دیکھو تو وہیں شامل ہو جاؤ رکوع میں پاؤ تو وہیں مل جاؤ، تشہد میں پاؤ تو وہیں آ ملو اور جو نماز رہ جائے وہ بعد میں پوری کرو)

مگر حضرت ابو بکرؓ کو حضورؐ کے اس ارشاد کے سمجھنے میں غلطی لگ گئی اور وہ آپ کو رکوع میں دیکھتے ہی وہیں کھڑے کھڑے رکوع میں جھک گئے۔ حالانکہ مقصد وہاں جھک جانا نہیں تھا بلکہ مطلب یہ تھا کہ جماعت میں پہنچو تو قیام وغیرہ ترک کر کے میرے ساتھ رکوع میں مل جاؤ۔

غلط اجتہاد یا جوش اطاعت میں ایسی غلطیاں اصحابؓ سے بہت بار ہو جاتی تھیں، مگر آپ ایسی غلطیوں کی اصلاح فرمادیا کرتے تھے۔ آپ نے حضرت ابو بکرؓ کی غلطی بھی ان پر واضح کر دی اور انہوں نے بھی بات فوراً سمجھ لی مگر ہمارے لوگوں کا یہ حال ہے انہیں ڈیڑھ ہزار برس بعد تک بھی بات سمجھ میں نہیں آسکی۔

اجتہادی غلطیوں کی ایسی مثالیں اور بھی حدیث میں وارد ہوئی ہیں، ایسی ہی ایک دلچسپ غلطی حضرت عمار بن یاسرؓ سے صادر ہوئی۔ ان کی اپنی ہی روایت کے مطابق انہیں رسول اللہ ﷺ نے کسی سفر پر بھیجا۔ اتفاق سے آپ کو غسل کی حاجت ہو گئی مگر پانی موجود نہیں تھا۔ تیمم کا انہیں علم تھا کہ پانی نہ ملے تو تیمم سے پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے مگر انہوں نے غلط فہمی سے وضو کا تیمم الگ سمجھ لیا اور غسل کا تیمم جدا خیال کیا۔ وضو کے تیمم میں ہاتھوں اور منہ پر مٹی ملی جاتی ہے انہوں نے سمجھا کہ غسل کے لئے سارے جسم پر مٹی ملی جائے گی۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں کپڑے اتار کر چار پایوں کی طرح زمین پر لیٹنے لگا اور یوں تیمم پورا کیا۔ آپ نے یہ واقعہ حضور علیہ السلام سے عرض کیا تو آپؐ نے ان کی غلطی کی اصلاح کر دی۔ (بخاری۔ مسلم باب تیمم)

حضور علیہ السلام نے وضو کے لئے اسباغ کا حکم دیا (کہ وضو کرتے وقت اعضائے

وضو کو خوب ہی طرح سے اور مبالغہ سے دھویا کرو کہ قیامت کے دن ان کی چمک میں کوئی نقص نہ رہ جائے) تو حضرت ابو ہریرہؓ ہاتھوں کو دھوتے وقت کہنیوں سے اوپر شانوں تک دھونے لگے اور پاؤں کو دھوتے وقت ٹخنوں سے اوپر گھٹنوں تک پہنچ جاتے۔ اے۔ ایسے ہی حضرت ابو بکرؓ نے غلط فہمی سے غلط مقام پر رکوع کر دیا تھا۔ ان کی غلطی ان پر واضح کر دی گئی اور بات ختم ہو گئی۔

لیکن اگر آج کے آسانی طلب لوگ ضائع ماندہ رکعت کو بھی رکعت قرار دے لینے پر بھند ہوں تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

احناف کی خوشی بھی بے بنیاد ہے

احناف تو اس صورت واقعہ سے کسی درجہ میں بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اور نہ یہ واقعہ ان کے موقف کے حق میں دلیل کا کام ہی دے سکتا ہے کیونکہ حضورؐ نے خود حضرت ابو بکرؓ کی نماز کو صحیح سمجھا یا غلط اس کا سوال تو تب اٹھتا ہے جب احناف کے اپنے اصول کی روشنی میں حضرت ابو بکرؓ کی نماز صحیح ہو۔

احناف کے نزدیک تو ابو بکرؓ کی نماز پہلے قدم پر ہی فاسد ہو چکی تھی پھر ایک فاسد شے کو اپنے حق میں دلیل بنا کر وہ کہاں تک اپنے موقف کے لئے قوت کا سامان فراہم کر سکتے ہیں! ان کی خوشی نہ صرف غلط اور بے بنیاد ہے بلکہ اس روایت سے دلیل لینا خود ان کے حق میں بد قائل بھی ہے۔ اب دیکھئے مسجد نبویؐ ان دنوں ۱۰۰ گز یعنی ۳۰۰ فٹ لمبی اور اتنی ہی چوڑی تھی ۲۔ اگر ایک صف چار فٹ قرار دی جائے تو مسجد کا رقبہ ۷۵۰۰ فٹ پر مشتمل تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں روایت کے الفاظ ہیں اِنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ کہ وہ جب

۱۔ بخاری و مسلم ۲۔ سیرت مصطفیٰ مصنفہ مولانا محمد ادریس کاندملوی حصہ اول صفحہ ۲۲۹-۲۳۰ بحوالہ معجم طبرانی زرقانی جلد اول وفاء الوفا جلد اول خلاصہ الوفا باب ۴

مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ رکوع کی حالت میں ہیں تو وہ وہیں رکوع میں جھک گئے پھر بعد میں جماعت میں ملنے کی غرض سے بحالت رکوع پچاس صفوں کا فاصلہ دوڑتے چلے گئے یا ساٹھ ستر صفیں انہوں نے دوڑتے گزاریں جبکہ فقہ حنفیہ کا فتویٰ ہے کہ: **وَلَوْ كَانَ مَقْدَارُ صَفَّيْنِ اِنْ مَشَى دَفَعْتَهُ وَاحِدَةً فَسَدَّتِ الصَّلَاةُ** ۱۔ کہ اگر کوئی شخص بحالت رکوع صف میں شامل ہونے کے لئے ایک ہی بار میں بقدر دو صف (یعنی تقریباً آٹھ فٹ) کا فاصلہ طے کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ تو مسجد کا پورا رقبہ ہی بحالت رکوع سفر میں رہے تھے۔ ان کا رکوع کیسا صف میں ملنا کیسا اور نماز کیسی!

ان کی نماز تو صحن کے سفر میں ہی ختم ہو چکی تھی۔ اب وہ صف میں ملتے یا نہ ملتے اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اور ان کے اس طرح رکوع میں ملنے کو کسی مسئلہ کی دلیل کیونکر بتایا جاسکتا ہے؟

کچھ مزید کمزور روایات

اختلف حضرات نے بخاری شریف کی اس غیر مفصل روایت کو اپنے موقف کی دلیل بنائے رکھنے کے لئے کچھ مزید روایات بھی فراہم کر رکھی ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ سب کی سب ہی کمزور، ضعیف اور معلول ہیں اور ان میں ایک بھی ایسی نہیں جو صحت کو پہنچتی ہو جس کے اجلال و احترام میں ہم اپنے قارئین کو زحمت لگادیں۔ بے کاری سرکھپائی اور دیدہ ریزی بالکل لا حاصل ہے۔

امین بالجہر یعنی

امام کے پیچھے آواز بلند امین پکارنے کا مسئلہ

آمین بالجہر

یعنی امام کے پیچھے باواز بلند آمین پکارنے کا مسئلہ

امین کیا ہے؟

آمین ایک نہایت درجہ بابرکت اور محبوب کلمہ ہے جو کسی دعا کو زیادہ موثر بنانے کے لئے دعا کے بعد پکارا جاتا ہے۔

عربی لغت کے بموجب آمین کے معنی ہیں كَفَىٰ إِلَٰهَكَ يَكْمُونُ (کہ اے اللہ! دعائیں جو کچھ طلب کیا گیا ہے آپ کی مہربانی سے) ایسا ہی ہو۔
یہ معنی بھی کئے گئے ہیں اَللّٰهُمَّ اِنِّسْتَجِيبْ اَلْمِی (اس دعا کو از اول تا آخر) قبول فرمائیے۔

واضح رہے کہ دعا پر آمین کا پکارنا قدیم سے ہی انبیاء و رسول کی سنت ہے اور کسی دعا پر آمین کہنے والا کوئی شخص بھی دعا کرنے والے کی دعائیں از اول تا آخر صرف آمین کہنے سے ہی برابر کا شریک ہو جاتا ہے۔

یعنی کسی دعا کرنے والے کی دعا کو چار ہزار الفاظ پر مشتمل ہو، وہ خشوع و خضوع میں ڈوبی ہو، عجز و الحاج میں بسی ہو، سیلاب الشک میں تیرتی ہو، سوز و دروں کی حدت میں شدت کے دغل و عمل سے الفاظ آہوں کے سانچے میں ڈھلے ہوں مگر اس دعا پر آمین کہنے والا شخص صرف اس ایک کلمہ سے اس پوری دعائیں دعا کی تمام ترکیفیات کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔

تری آواز کے اور مدینے

یاد رہے آمین کا کلمہ ہمیشہ کسی دعا کے بعد ہی کہا جاتا ہے، یعنی جب کوئی بندہ اپنے آقا سے کچھ مانگتا ہے تو وہ اپنی طلب میں تضرع اور اجتال کے عنصر کو بڑھاتے ہوئے اپنی طلب کے حق میں اپنے رب کی رحمت کو ہموار بنانے کے لئے ایک بار پھر اپنے رب سے دعا قبول کرنے کی درخواست کرتا ہے کہ الہی ادا قبول فرمائیے۔

اس کے ساتھ دعا کے شرف قبول پاسنے کے قرہی اور قوی امکانات کو جاننے کے لئے بخاری اور مسلم کی وہ حدیث بے حد مددگار ہے جہاں فرمایا کہ جب کوئی شخص زمین پر آمین کہتا ہے تو اس کی گونج آسمانوں تک موثر ہوتی ہے اور زمین پر آمین کے بلند ہوتے ہی ساتوں آسمان فرشتوں کی آمین سے گونج اٹھتے ہیں۔ ۱۔ اللہ اللہ۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

اُمّ القرآن

سورہ فاتحہ بھی ایک دعائی ہے مگر اس کا درجہ دوسری ساری ہی دعاؤں سے بڑھ کر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو ”اُمّ القرآن“ کا نام دیا ہے یعنی قرآن کی ماں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ولادہ ماں سے وجود پاتی ہے ٹھیک یہی نسبت سورہ فاتحہ کو قرآن کے ساتھ ہے یعنی جس طرح ماں اپنی ساری ولادہ کے لئے ہمہ پہلو اصل و نہاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسے ہی قرآن پاک کی اصل اس سورہ مبارکہ کے اندر بتام و کمال موجود ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ قرآن پاک سورہ فاتحہ کی تفصیل اور شرح پر مشتمل ہے۔ اور سورہ فاتحہ قرآن پاک کا اجمال اور خلاصہ ہے۔

۱۔ بخاری شریف جلد اول پ ۲ مسلم شریف جلد ۲

اور اس اجمال کا یہ کمال بھی حیرت انگیز ہے کہ اس کی صرف سات چھوٹی چھوٹی آیات قرآن پاک کے تیس پاروں کو محیط ہیں اور تیس پاروں کی تمام تر حسنات و برکات ان سات آیات میں بند ہیں اس طرح یہ سورہ مبارکہ صحیح معنوں میں اُمّ القرآن اور ایک اسمِ ہاسٹی سورہ مبارکہ ہے۔ آدمی اگر چہرہ کی آنکھوں کے بجائے دل کی آنکھوں سے جھانکے دل کے کانوں سے سنے اور دل کی حس سے ہی محسوس کر لے تو بات میں نہ کوئی ابہام ہے نہ الجھاؤ صرف ضرورت یہ ہے کہ۔

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

نماز اور سورہ فاتحہ

سورہ فاتحہ کے انہی ہمہ گیر اور آفاقی پہلوؤں کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اس کو نماز کے اندر داخل کیا ہے اور اس کو نماز کی ہر رکعت میں قرآن پاک کا کامل و اکمل خلاصہ کی حیثیت سے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

پھر بات اس پر ہی ختم نہیں کر دی بلکہ امت کو یہ انتباہ بھی دیا ہے کہ خبردار ہو لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اے کہ جو شخص اپنی نماز میں (دانستہ یا بھول کر بھی) سورہ فاتحہ نہیں پڑھے گا تو اس کی نماز ہرگز شمار نہیں ہوگی۔

نیز واضح رہے کہ اللہ پاک نے جو یہ حکم دے رکھا ہے کہ فَاقْرَءْ وَمَا تَنسِيكَ مِنَ الْقُرْآنِ کہ نماز کے اندر قرآن میں سے جتنا کچھ آسانی پڑھ سکو پڑھو۔ تو قرآن کا یہ پڑھنا سورہ فاتحہ کے علاوہ ہے۔

یعنی اگر کوئی نمازی اُمّ القرآن کے ہمراہ قرآن پاک میں سے مزید بھی کچھ پڑھ لے

۱۔ بخاری - مسلم

تو اسے اجازت ہے لیکن اگر کوئی شخص سورہ فاتحہ پڑھے بغیر اپنی رکعت میں خواہ پورا قرآن بھی پڑھ جائے تو نہ اس کی رکعت ہی مکمل ہوگی نہ نماز ہی شمار کی جائے گی جبکہ صرف اس سورہ مبارکہ کے پڑھ لینے سے رکعت بھی مکمل ہو جائے گی اور نماز بھی شمار میں آسکے گی۔

برکات و حسنات کا ایک لامتناہی خزانہ اور غیر محدود ذخیرہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اس دُعا کے بعد بالخصوص خود بھی آمین پکارتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم فرماتے ہیں۔

سورہ فاتحہ اور آمین

سورہ فاتحہ کے بعد آمین کا پکارنا بلا خلاف پوری امت کا متفق علیہ مسئلہ ہے اور اس بات کو امت کے سارے ہی مکاتب فکر تسلیم کرتے ہیں کہ نمازی خواہ نماز باجماعت میں ہو یا اکیلا سورہ فاتحہ کے بعد اس کے لئے آمین کا پکارنا ضروری ہے۔

مسلم شریف کی شرح کرتے ہوئے حضرت امام نوویؒ تحریر کرتے ہیں: وقد اجتمعت الامة على ان المنفرد يومن ان كراهية السارعة هي گروه اس عقیدہ پر جمع ہیں کہ (نماز باجماعت تو رہی اپنی جگہ) نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد اکیلا نمازی بھی آمین پکارنے کا پابند ہے۔

یعنی سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنے سے تو کسی کو اختلاف نہیں۔ اختلاف اس بات پر ہے کہ آمین آہستہ پکاری جائے یا ہاواز بلند اور دلچسپ امر یہ ہے کہ یہ اختلاف بھی پوری امت محمدیہ میں امت کے صرف ایک ہی فرقہ حنفیہ نے ہی کیا ہے ورنہ باقی پوری امت اور امت کے سارے ہی مکاتب فکر میں اس بات پر اتفاق ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین کا ہاواز بلند پکارنا ہی سنت ہے۔

۱۔ شرح صحیح مسلم امام نوویؒ

حنفی بزرگوں نے امام ابو حنیفہؒ کے نام سے یہ بات کہی ہے کہ نماز خواہ ظہر اور عصر کی طرح آہستہ پڑھی جانے والی ہو یا فجر، مغرب اور عشاء کی طرح با آواز بلند پڑھی جا رہی ہو آمین بہر حال آہستہ ہی کہی جائے گی۔

حنفی بھائیوں کی امین بالجہر

آمین بالجہر اپنی دبدبہ، اثر، ہیئت اور اپنی پر شوکت اور زلزلہ انگن گونج گرج کے اعتبار سے اس درجہ ایمان افروز اور پرکشش ہے کہ حنفی بزرگ بھی ہزار رکاوٹوں کے باوجود اس سے دور نہیں رہ سکے اور وہ بھی آمین بالجہر سے بحالت نماز ہی دامن بچاتے ہیں ورنہ جہاں تک ان کی عام مجالس اور اجتماعات کا تعلق ہے۔ وہ خود کو آمین بالجہر کے غلغلوں سے الگ نہیں رکھ سکے اور آمین بالجہر ان سے بھی ان کے عام اجتماعات میں لاؤڈ سپیکروں کے ذریعہ پوری گونج گرج اور آب و تاب سے اپنا حصہ وصول کرتی ہے۔ اس مرحلہ پر ہم اپنے حنفی بھائیوں سے درخواست کریں گے کہ جب آپ آمین بالجہر کی اثر انگیزی کا یقین رکھتے ہیں کیونکہ جب آپ اپنی اجتماعی مجالس میں آمین پکارتے ہیں تو ظاہر ہے کہ آپ کا ایمان ہے کہ یہ کلمہ اس طرح آپ کی دعا کو اللہ تعالیٰ کے حضور مقبول بنانے میں زیادہ امداد کرتا ہے۔

تو براہ نوازش چند لمحوں کے لئے ہدایہ شریف کی مجلس سے اٹھ کر صحاح ستہ کے دربار تک زحمت فرمائیے۔ آپ وہاں آمین کو اس کی اصل شکل میں صحیح طور پر دیکھ سکیں گے اور ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آپ وہاں محمد ﷺ کے ارشادات کو اپنے کانوں سن کر دنیا و عقیقہ کی سرفرازیوں ہی حاصل کر لیں گے، آپ کا نقصان کچھ نہیں ہوگا انشاء اللہ

صحابِ سِتہ

صحابِ سِتہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ پر مشتمل مندرجہ ذیل چھ کتابوں کا نام ہے :

- | | |
|-----------------|-----------------|
| ۱- بخاری شریف | ۴- اب ماجہ شریف |
| ۲- مسلم شریف | ۵- ترمذی شریف |
| ۳- ابوداؤد شریف | ۶- نسائی شریف |

یہ سب کی سب کتابیں ان محدثین گرامی کے نام پر ہیں جنہوں نے اپنی اپنی جگہ نہایت درجہ محنت، جدوجہد اور چھان چھانک کے بعد ان کو ترتیب دیا ہے۔ ان کتب حدیث میں صحیح مضامین اور اسناد کے اعتبار سے بخاری شریف کو سب پر فوقیت حاصل ہے اور اہل سنت کے سارے ہی گروہ اس بات پر متفق ہیں کہ بخاری شریف میں کوئی حدیث ضعیف نہیں ہے اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ البخاری کہ قرآن کریم کے بعد صحیح مضامین کے اعتبار سے بخاری کا ہی مقام ہے۔ چنانچہ اس کی اسی صفت کی وجہ سے اسکو صرف بخاری شریف کے بجائے صحیح مسلم کا نام دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری کے بعد صحت کے اعتبار سے مسلم شریف کا درجہ ہے اور اسے بھی صحیح مسلم کا نام دیا گیا ہے۔

بخاری اور مسلم دونوں کو صحیحین کہتے ہیں اور جو حدیث ان دونوں میں موجود ہو اس کو متفق علیہ کہا جاتا ہے۔

باقی چاروں کتابوں کو صحت کے قریب تر ہونے کی وجہ سے صحاح میں شامل کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان میں ضعیف اور دوسری محل بحث و نظر احادیث بھی پائی جاتی ہیں تاہم ان کو بھی زیادہ تر احادیث صحیح اور حسن کا درجہ ہی رکھتی ہیں۔

مسئلہ زیر بحث پر پہلے ہم انہی چھ صحیح حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے فیصلے اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا معمول اپنے قارئین کے سامنے پیش کریں گے، وہ اللہ التوفیق

صحیح بخاری شریف

آمین کے مقدمہ میں گواہی دینے والوں میں سے سب سے پہلے ہم حضرت امام بخاریؒ کی گواہی پیش کرتے ہیں کیونکہ پورے اہل سنت کے نزدیک دین کے کسی بھی مسئلہ میں ان کی گواہی دوسری تمام گواہیوں پر بہ ہمہ وجوہ اور بہر پہلو فوقیت رکھتی ہے۔
حضرت امام بخاریؒ کی گواہی چار اجزاء پر مشتمل ہے اور ہم ان چاروں کو ہی ترتیب وار پیش کر رہے ہیں۔

جزو اول

آمین کی فضیلت

عبداللہ بن یوسف باسناد صحیح حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ أَمِينَ وَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ أَمِينَ فَوَافَقَتْ أَحَدَهُمَا الْآخَرَى غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ۖ ۱۔

کہ جب تم میں سے کوئی شخص آمین پکارتا ہے تو (اس کی آمین سن کر) آسمان کے فرشتے بھی آمین پکارتے ہیں۔ پھر جس کسی کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق پڑ گئی۔ اس کے سارے ہی پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

۱۔ بخاری شریف جلد اول پ ۲ کتاب الاذان باب فصل التامین حدیث نمبر ۷۴۲

اب غور طلب بات یہ ہے کہ آئین پکارنے والا شخص اگر اپنے منہ میں ہی آہستہ سے آئین کہہ لے گا تو فرشتوں کو کیونکر معلوم ہوگا کیونکہ فرشتے غیب نہیں جانتے، وہ تو آئین کا کلمہ صرف اسی صورت میں سن سکتے ہیں جب اسے ہآواز بلند پکارا گیا ہو۔ منہ کے اندر کسی گئی آئین کو تو وہ نہیں سن سکیں گے۔ اب ذرا اس خسارے کا اندازہ کیجئے جو نمازی نے صرف ایک چھوٹا سا کلمہ نہ پکارنے کی وجہ سے قبول کیا۔

اگر وہ آئین کو ہآواز بلند پکارتا تو اس کی آئین کو سن کر فرشتے بھی اس کے ساتھ آئین پکارتے۔ اور اگر خوش نصیبی اس کا ساتھ دیتی اور اس کی آئین کسی مرحلہ پر فرشتوں کی آئین سے ہموار ہو جاتی تو اس کے سارے ہی گناہ معاف ہو جاتے۔

اب نہ اس نے آئین کو ہآواز بلند پکار کر کہا، نہ فرشتوں نے اس کی آئین سنی، نہ انہوں نے آئین کے ساتھ آئین پکاری، نہ نمازی کی آئین کا فرشتوں کی آئین سے موافق ہو سکنے کا موقع پیدا ہوا، نہ اس کے گناہ بخشے جانے کی صبرت تخلیق پائی۔

بڑے ہی حوصلہ مند ہیں وہ لوگ جو محض اپنی گروہی ضد سے ہی ایک سنت ترک کر کے اتنا بڑا خسارہ بخوشی قبول کر لیتے ہیں۔

جزو دوم

امام کی آئین

عبداللہ بن یوسف بواسطہ امام مالک ابن شہاب (امام زہری) سعید بن مسیب اور

ابی سلمہ بن عبدالرحمن بہ سند صحیح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں :

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِنُوا فَإِنَّهُ مِنْ وَاقِعٍ تَامِيْنُهُ تَامِيْنُ الْمَلِكَةِ غَضِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ قَالَ ابْنُ

شَہَابٌ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ آمِينَ ۱۔
 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا امام (ولاہما لین کے بعد) آمین پکارے تو تم
 بھی ہاواز بلند ۲۔ آمین پکارو۔ اور پھر جس کسی کی آمین بھی فرشتوں کی آمین کے موافق
 ہوگی اس کے گزشتہ سارے ہی گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں (حدیث کے ایک راوی) آمین
 شہاب (زہری) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ولاہما لین کے بعد) خود بھی آمین ہاواز بلند
 ہی پکارا کرتے تھے۔

جزو سوم

مقتدیوں کی آمین

عبداللہ بن مسلمہ بواسطہ امام مالکؒ سہی (حضرت ابو بکرؓ کے غلام) اور ابوصالح
 بیان حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:
 لَئِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ
 فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلَهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ۳۔
 کہ جو نبی امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین (کہہ کر آمین) پکارے تو تم
 بھی اس کی آمین کے متصل ہی ہاواز بلند آمین پکارو۔ اس طرح تم میں سے جس کسی کی آمین
 بھی فرشتوں کی آمین سے مل گئی اس کے گزشتہ سارے ہی گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔
 ہماری یہ یہ تین روایات جن کو ہمارے قارئین ملاحظہ کر چکے ان سب کا
 مرکزی نقطہ اپنی مغفرت کی تلاش ہی ہے۔

۱۔ بخاری شریف جلد اول پ ۲ کتاب الاذان باب جہرا امام بالنامین حدیث نمبر ۷۴۱

۲۔ یہ الفاظ بخاری شریف کے عنوان باب جہرا امام کا ترجمہ ہے۔

۳۔ بخاری شریف جلد اول پ ۲ کتاب الاذان باب جہرا امام بالنامین حدیث نمبر ۷۲۲

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان مقامات کی تلاش میں راہ گلی بھرتے رہتے ہیں، جہاں اللہ کا ذکر ہو رہا ہو اور جو نئی وہ کوئی موقع پاتے ہیں وہ انسانوں کے ساتھ شریک عبادت ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لئے بھلائی کی دعا کرتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ جب فرشتے عام اوقات میں بھی اللہ کے ذکر کے متلاشی ہوتے ہیں تو نمازوں کے اوقات میں بالخصوص جب جہری نمازوں میں قرآن کریم کی تلاوت جاری ہو تو مساجد ان کے جہوم سے مرکز نور بن جاتی ہوں گی۔ ایسے میں جب امام سورہ فاتحہ کے اختتام پر آمین پکارے گا تو اس کے ساتھ صد ہا فرشتوں کی آمین مل کر ماحولی کو جس درجہ نورانیت میں بसा دے گی، بالکل ظاہر ہے اور جب کچھ خوش قسمت لوگ امام کی آمین کے ساتھ اپنی آمین کو شامل کر دیں گے تو کون جانے کس کس کی قسمت کھل جائے اور اللہ کے پاس سے اس کے علاوہ اعمال کی ساری سیاحیاں دھو ڈالی جائیں۔

جزو چہارم

صحابہ کا معمول

جب مسجد میں آمین کے غلغلوں سے گونج اٹھتی تھیں

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے آمین بلحرم کے باب میں آپ ﷺ کی سنت کو کس درجہ شدید اہتمام کے ساتھ اپنا معمول بنائے رکھا۔ اس کی کیفیت بھی امام بخاریؒ سے ہی سنیے :

كَانَ عَطَاءُ أَمِينٍ دُعَاءِ آمَنَ ابْنُ الذَّبْيَرِ وَمِنْ وَرَاءَهُ حَتَّى أَنْ لِلْمَسْجِدِ لِلْجَعَةِ وَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُنَادِي الْإِمَامَ لَا تُفْتِنُنِي بِأَمِينٍ وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ

ابْنُ عُمَرَ لَا يَدْعُهُ وَيَحْضُهُمْ وَسَمِعْتُ مِنْهُ فِي ذَٰلِكَ خَيْرًا ۝

حضرت عطاء فرماتے ہیں آمین ایک دعا ہے (اور میں نے ابن زبیرؓ کے پیچھے نماز ادا کی ہے اور مجھ سے دیکھا) ابن زبیرؓ اور ان کے مقتدیوں نے اتنی (زیادہ بلند) آواز سے آمین پکاری کہ مسجد گونج اٹھی۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ تو (آمین پکارنے میں اتنے حریص تھے کہ اگر کبھی انہیں امام کے ذرا تیز پڑھنے کا شبہ بھی گذر تا تو وہ امام کو پہلے ہی کہہ دیا کرتے تھے کہ (امام صاحب! سورہ فاتحہ کو ذرا ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا) کہیں میری آمین ہی فوت نہ ہو جائے (اور ماضی کے گناہوں کی معافی اک ایک موقع ہی کھو جائے)۔ حضرت تابعؓ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ آمین پکارنے کو نہ صرف خود کبھی ترک نہیں کرتے تھے بلکہ لوگوں کو اس کے لئے ترغیب دیتے تھے اور اس باب میں ایک حدیث رسولؐ بھی میں نے ان سے سنی۔

صحیح مسلم شریف

جیسا کہ ہم عرض کر آئے ہیں بخاری شریف کے بعد صحاح ستہ میں مسلم شریف دوسرے درجے پر ہے کیونکہ یہ کتاب اپنی صحت کے اعتبار سے بخاری شریف کے زیادہ قریب ہے۔ تو آئیے اب ہم آپ کو مسلم شریف کی کل بدامن وادی کی سیر کراتے ہیں۔
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے :

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا آمَنَ الْإِمَامُ فَأَمَّنُوا لِأَنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينَهُ تَأْمِنُ السَّمَاءُ غُفْرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ۝
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارا امام (والاعضاء لین کے بعد) آمین پکارے تو تم بھی اس کے ساتھ آمین پکارو پھر تم میں سے جس کی آمین آسمان (کے غریبوں) کی آمین کے موافق پڑے

۱۔ بخاری شریف جلد اول کتاب الاذان باب ۲۔ ۵۔ جہر الامام بالتأمين

۲۔ صحیح مسلم شریف جلد ۲ باب الصمیع والتحمید والتأمين

گئی اس کے گزشتہ زندگی کے سارے ہی گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

مزید ارشاد ہے :

إِذَا قَالَ الْفَارِغِيُّ غَيْرَا الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ مَنْ خَلْفَهُ
أَمِينٌ فَوَافِقُ قَوْلِهِ قَوْلُ أَهْلِ السَّمَاءِ غُفْرَكَ مَا تَقْدُمُ مِنْ ذَنْبِهِ ۝

جب قاری (یعنی امام) سورہ فاتحہ کی آخری آیت مبارکہ غیر المغضوب علیہم
ولا الضالین پڑھے۔ پھر اس کے مقتدی (اس کی آئین کے ساتھ ہی) آمین پکاریں تو ان
میں سے جس کسی کی آئین بھی آسانی (فرشتوں کی) آمین سے موافق پڑ گئی اس کے گزشتہ
سارے ہی گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

صحیح مسلم کے شارح امام نوویؒ اس حدیث کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں کہ
مقتدی اور امام دونوں کے لئے ہی ولا الضالین کے بعد آمین پکارنا مستحب ہے۔

ابوداؤد شریف

حضرت داؤد بن حجر فرماتے ہیں :

أَنَّهُ صَلَّى خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ بِأَمِينٍ -
(ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۱ صفحہ ۳۵۲)

کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے آپ (ولا الضالین کے بعد) بلاواؤ بلند
آمین پکارتے تھے۔

حضرت داؤد بن حجر سے ہی مزید ایک روایت وارد ہوئی ہے۔ فرمایا :

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ
أَمِينٌ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ - صفحہ ۳۵۲

کہ جب رسول اللہ ﷺ (سورہ فاتحہ کی آخری آیہ مبارکہ) کو انصافاً لین پڑھتے تھے تو آمین پکارتے کرتے تھے اور آمین کہتے ہوئے آپ کی آواز (معمول) سے زیادہ بلند ہو جاتی تھی۔

رہنوی کا مطلب یہ ہے کہ جتنی اونچی آواز سے آپ سورہ فاتحہ کی قرأت فرما رہے ہوتے آمین کہتے وقت آپ کی آواز اس سے زیادہ اونچی ہو جاتی تھی۔

امام ابو داؤد ایک روایت حضرت ابو ہریرہ سے بھی لائے ہیں :

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَلَّى غَيْرَ الْمُغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَ مَنْ يَلِيهِ مِنَ الصَّفِّ الْأَوَّلِ - صفحہ ۳۵۲

کہ جب رسول اللہ ﷺ ولا الضالین تک پہنچتے تو آمین پکارتے تھے۔ یہاں تک کہ پہلی صف والے آپ کی آواز سنتے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کی آواز پہلی صف والوں سے آگے نہیں پڑھتی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی صف والوں تک آپ کی آواز پہنچنے کے ساتھ ہی دوسرے سب نمازی آمین پکارتے لگ جاتے تھے۔

ہم حضرت امام بخاریؒ کی کواہی کے سلسلہ میں یہ بتا آئے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ امام سے کہہ دیا کرتے تھے کہ سورہ فاتحہ کو ذرا ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے گا۔ ایسا نہ ہو کہ (آپ تیز پڑھیں اور میں آپ کے ساتھ مل نہ سکوں اور) میری آمین فوت ہو جائے۔

ظاہر ہے نمازیوں کے جھوم میں یہ بات ضروری نہیں تھی کہ ابو ہریرہؓ ہمیشہ پہلی صف میں ہوتے ہوں اور پھر حضرت ابو ہریرہؓ کا واقعہ تو بعد کی بات ہے امام ابو داؤد نے خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں شامل حضرت بلالؓ سے بھی ایک ایسی ہی ایمان افروز کہانی نقل کی ہے فرماتے ہیں :

ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ یا رسول اللہ! لا تسبقنی بأمین (میرے آقا! میرے سب سے پہلے نہ پڑھنے کا خیال رکھئے گا) مجھے پیچھے نہ چھوڑ جائیں ایسا نہ ہو کہ میری آمین رہ جائے۔ (ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۱ صفحہ ۳۵۳)

اور ظاہر ہے کہ مسجد نبویؐ میں نمازیوں کے بے پناہ جھوم میں یہ ضروری نہیں تھا کہ بلالؓ ہمیشہ صبحِ اول میں ہی ہوتے ہوں۔ علاوہ ازیں صحابیہ رسولؐ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بروایت زبیدیؒ اِنَّهَا صَلَّاتُ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَالَ وَلَا الصَّالِّیْنَ قَالَ اَمِیْن فَسَمِعَتْ وَهِيَ فِی الصَّفِّ الثَّانِی ۱۔

نبی ﷺ نے سورہ فاتحہ کے بعد جب آمین پکھری تو انہوں نے آپ کی آمین (اپنے کانوں سے) سنی جبکہ وہ مردوں کی ساری صفوں کے سبز میں عورتوں کی صف میں نماز ادا کر رہی تھیں۔ اب ظاہر ہے کہ جس آمین کو ایک صحابیہ مردوں سے دو پیچھے عورتوں کی صف میں سنی ہیں وہ آمین نبی ﷺ نے کافی بلند آواز سے ہی پکھاری تھی۔

ابن ماجہ شریف

حضرت عبد الباقیؒ اپنے باپ حضرت داکلؒ سے نقل کرتے ہیں:

صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَالَ وَلَا الصَّالِّیْنَ قَالَ اَمِیْن فَسَمِعْتُهَا مِنْهُ۔

۱۔ نصب الراية جلد اول صفحہ ۲۷۱

واکّلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے آپؐ نے جب ولا الصّٰلٰیٰن کہا تو آپؐ نے آمین اتنی بلند آواز سے پکاری کہ ہم سب نے آپؐ کی آواز سنی۔

پھر حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت لائے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ جب ولا الصّٰلٰیٰن کہہ کر آمین پکارتے تو جب آپؐ کی آمین کو پہلی صف والے سنتے تو وہ بھی آمین پکارتے اور ساتھ ہی سب لوگ آمین کہتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر حال یہ تھا کہ فہر تَج بھا المسجد مسجد آمین کے غلطوں سے گونجنے لگتی۔

ترمذی شریف

حضرت واکّلؓ بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے اور میں نے (اپنے کانوں) سنا کہ: قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ امِئِينَ مَكْبَهَا صَوًّا۔ کہ جب آپؐ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (ترمذی مع معارف السنہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۶) کہتے تو آمین پکارتے اور آمین پکارتے ہوئے آپؐ اپنی آواز کو سمجھ کر لبہا کر لیتے تھے (یعنی آپؐ کی آواز بلند ہو جاتی تھی)

اس روایت کو درج کرنے کے بعد ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ آمین کو سمجھ پکار کر کہنے پر مشتمل احادیث (جیسے حضرت علیؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے وارد شدہ روایات) سب کی سب حسن ہیں۔ آپؐ مزید تحریر کرتے ہیں کہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم اور تابعین اور ان کے اہل عار و حمم اللہ سب کی اعتقاد رکھتے تھے۔

مزید فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ اور حضرت امام اسحاقؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

نسائی شریف

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِذَا آمَنَ الْقَارِئُ فَأَمَّنُوا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَوَكُّفُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينَهُ تَلْمِيزَ
الْمَلَائِكَةِ غُفْرَ اللَّهِ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِمْ - (نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۲۷)

(باب جبر الامام بائین)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قاری (یعنی پڑھنے والا) امام آمین کے توتم سارے لوگ بھی آمین کہو کیونکہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ پس جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو گئی اس کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

ایک روایت مزید لائے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِذَا قَالَ الْإِمَامُ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَقُولُ
آمِينَ وَإِنَّ الْإِمَامَ يَقُولُ آمِينَ فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِينَهُ تَلْمِيزَ الْمَلَائِكَةِ
غُفْرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِمْ -

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام آمین کے توتم بھی آمین کہو (لو ریاد رکھو کہ امام کے آمین پکارتے پر) فرشتے بھی آمین پکارتے ہیں۔ پس ایک طرف امام آمین پکارتا ہے اس کے ساتھ فرشتے آمین پکارتے ہیں ساتھ ہی مقتدیوں کی آمین بلند ہوتی ہے پھر جس کی بھی آمین فرشتوں کی آمین سے ہموار پڑ گئی اس کے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

نوٹ: حضرت امامی نسائی نے ان سب احادیث کو باہر از بلند آمین پکارتے کے ثبوت میں وارد ہونے والی احادیث کے ضمن میں درج فرمایا ہے۔

چار اماموں میں سے تین

واضح رہے کہ اہل سنت کے چار امام مشہور ہیں اور اہل سنت (میں سے مقلدین) کے مطابق یہ چاروں امام برحق اور برسر حق ہیں۔ اور اس باب میں یہ بات چوتھے امام کے مقلدین کے لئے بھی ایک لمحہ فکریہ یاد رہے کہ اہل چار برحق اماموں میں سے تین برحق امام کی مذہب رکھتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کی قرأت کے بعد امام اور مقتدی دونوں آمین کو آواز بلند ہی پکھریں کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہی ہے۔

ذیل میں ہم اہل تینوں برحق اماموں یعنی حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ کی تحقیق کا حاصل پیش کرتے ہیں :

امام مالکؒ

حضرت امام مالکؒ تحریر فرماتے ہیں :

”محمی نے اپنی شہادت زہریؒ اور سعید بن مسیبؒ اور ابی سلمہؒ کی سند سے بیان کیا ہے :
 أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِنُوا
 فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينَهُ تَأْمِينِ الْمُحْكَمِ غُيْرُهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَقَالَ
 ابْنُ شَهَابٍ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ آمِينَ
 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام جب آمین کہے تو تم بھی آمین کہو (کیونکہ اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں) پھر جس کسی کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گئی اس کے پچھلے
 سارے ہی گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔“

ابن شہاب (امام زہریؒ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس مرحلہ پر خود بھی آمین پکارتے تھے۔

حضرت امام مالکؒ نے اپنی سوطا میں صرف کیا حدیث ہساند مختلفہ تین جگہ درج فرمائی ہے اور آپؐ نے اس باب کو انہی تین روایات پر اور اسی ایک بات کو بار بار دہرا کر یہ باب ختم کر دیا ہے کہ آمین کا ہر حال آواز بلند پکارتا ہی سنت ہے اور پھر جب آپؐ نے اس سلسلہ کی کسی بھی دوسری حدیث کو قبول نہیں کیا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک آمین صرف آواز بلند ہی پکاری جاسکتی ہے۔ اس کے خلاف نہ کوئی دوسری صورت ہی موجود ہے اور نہ اس باب میں کسی بحث ہی کی حاجت ہے۔

سوطا امام مالکؒ کی اس حدیث کے ضمن میں زر قانی اور محلی (شرح سوطا) میں بڑے اعتماد سے یہ تحقیق پیش کی گئی ہے کہ یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اول اول آمین کو آواز بلند پکار کر ہی کہا کرتے تھے مگر بعد میں آپؐ نے اخفا اختیار کر لیا تو یہ بات صریحاً غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ آمین پلحمر کو سنت تلائے والے روایوں میں حضرت وائل بن حجرؒ کا نام بھی شامل ہے اور اس بات کو سب ہی جانتے ہیں کہ حضرت وائل بن حجرؒ ۹۰ھ میں ایمان لائے تھے اور یہ زمانہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا دور آخر ہے۔ اور جب حضرت وائلؒ نے حضور کو اس دور آخر میں آمین کو آواز بلند پکار کر کہتے دیکھا سنا ہے تو اس کے بعد اس کے منہ کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

امام زر قانی لکھتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ سے یہ بات بالصرحت ثابت ہے کہ آمین کہنے کے لئے اس کا پکارنا ہی شرط ہے ورنہ مقتدیوں کو کیونکر پتہ چل سکتا ہے کہ امام نے آمین کہی ہے یا نہیں۔

امام شافعیؒ

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی زبان سے بیان کرتے ہیں کہ کسی نے امام شافعی سے سوال کیا کہ کیا وہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین یا اذ بلند پکارے؟ آپ نے فرمایا یہی حکم ہے۔
سائل نے اس کی دلیل طلب کی تو فرمایا:

میں نے اپنے استاد حضرت امام مالکؒ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت پر سب کا ہی اتفاق ہے جو ان سے اس طرح وارد ہوئی ہے۔
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمَّنُوا۔
کہ جب امام (سورہ فاتحہ پڑھ کر) آمین پکارے تم سب بھی اس کے ساتھ آمین پکارو۔

آپ فرماتے تھے کہ آمین کا پکارنا دراصل پہلے امام پر ہی لازم ہے تاکہ اس کے مقتدی اس سے آمین سن کر آمین پکار سکیں اور اگر امام آمین پکار کر نہیں کہے گا تو اس کے مقتدیوں کو کیونکر معلوم ہوگا۔ علاوہ ازیں امام زہریؒ سے یہ بھی وارد ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورہ فاتحہ کے بعد خود بھی ہمیشہ آمین پکارتے تھے۔

سائل نے کہا کہ مجھے تو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ امام آمین پکارے۔ حضرت امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ تمہاری ناپسندیدگی رسول اللہ ﷺ کی پسند کے خلاف ہے۔
حضرت امام شافعیؒ خود اپنی پسند کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں:

أَحَبُّ قَوْلِهَا لِكُلِّ مَنْ صَلَّى رَجُلًا أَوْ مَرَأَةً أَوْ صَبِيًّا فِي جَمَاعَةٍ كَانَ أَوْغَرُ جَمَاعَتِهِ ۲۔
کہ میں آمین پکارنا ہر اس شخص کے لئے محبوب رکھتا ہوں جو نماز ادا کرتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت یا بچہ پھر خواہ وہ جماعت میں ہو یا جماعت کے بغیر۔

۱۔ اعلام الموقعین امام ابن قیم ۲۔ کتاب الامام امام شافعی صفحہ ۹۵

امام احمد بن حنبلؒ

امام ترمذیؒ حضرت داہل بن جر سے لائے ہیں :

قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَمَذَّابَهَا صَوْتُهُ -

کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے (علم نماز) سنا ہے۔ آپ نے جب غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کہا تو آپ نے آمین پکارتی اور آمین پکارتے وقت آپ نے (الف) پر مد داخل کر کے اپنی آواز کو لمبا (اور اونچا) کر لیا۔

امام ترمذی اس روایت کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

وَبِهِ يَقُولُ غَيْرَ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ أَعْلَمَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ يَرُونَ أَنْ يَرْفَعَ الرَّجُلُ صَوْتَهُ بِالتَّامِينَ وَلَا يَغْفِيهَا وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَاحِدٌ وَاسْتَحَقَّ ۱۰

کہ (یہ صرف میں ہی نہیں کہہ رہا بلکہ) نبی ﷺ کے اصحاب اور بہت سے تابعین اور ان کے اتباع کا بھی یہی مذہب ہے کہ آدنی آمین کتا ہوا اپنی آواز کو بلند کر لے اور اسے پوشیدہ طور پر (صرف اپنے منہ میں) نہ کہہ چھوڑے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور امام الحنفیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

کچھ اور معتبر گواہ

دو صد اصحاب رسولؐ کی گواہی

مشہور پہلی بزرگ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں :

أَذْرَكْتُ مَاتَيْنِ مِنَ الصَّحَابَةِ فِي هَذِهِ الْمَسْجِدِ إِذْ قَالَ لَا أَعْلَمُ وَلَا الصَّالِّينَ أَمِينٌ سَمِعْتُ لَهُمْ رَجْعَةً بِأَمِينٍ۔ کہ میں نے اس مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے دو صد اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پایا ہے کہ جب امام ولا الصّالّین کہتا تو وہ اس طرح آمین پکارتے تھے کہ انکی آواز بہت بلند ہو جاتی تھی۔

ابن خزیمہ

امام ابن خزیمہ حضرت نعیم ثمریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ :

صلیٰت و رآء ابی ہریرۃ فقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم ثم قراء بام القرآن حتی بلغ غیرا المغضوب علیہم ولا الصّالّین قال آمین وقال الناس آمین۔ میں نے ابو ہریرہؓ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے جب ولا الصّالّین سن کر آمین پکاری تو سب لوگوں نے بھی آمین پکاری (ابن خزیمہ جلد اول صفحہ ۲۵۱)

دارمی شریف

حضرت وائل بن حجرؒ سے روایت ہے کہ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَرَأَ وَلَا الصّالّینَ قَالَ أَمِينٌ وَيَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهُ کہ رسول اللہ ﷺ جب ولا الصّالّین پڑھتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔ (دارمی جلد ۱ صفحہ ۲۸۴)

۱۔ پہلی جلد ۲ صفحہ ۵۹ قسطلانی شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸ مطبع دولکھنور

دار قطنی شریف

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کان النبی ﷺ اذا فرغ من قراءة القرآن رفع صوته وقال آمين - هذا اسناد حسن (دار قطنی مع تعلیق جلد ۱ صفحہ ۳۳۵) کہ رسول اللہ ﷺ جب سورت فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو آمین پکارتے اور اپنی آواز کو خوب بلند کرتے۔

علماء و اکابر ملت

حضرت امام ابن حجرؒ

حضرت ابن حجرؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل فرماتے ہیں:

اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِنُوا فَانَّهُ مِنْ وَاقِعٍ تَامِيْنُهُ تَامِيْنُ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ - کہ جب امام آمین پکارے تو تم بھی اس کے ساتھ ہی آمین پکارو (اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں) پس پھر جس کسی کی آمین بھی فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گئی اس کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

حضرت امام ابن حجرؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد یہ نکتہ مزید پیدا کرتے ہیں: وجہ الولاية من الحديث انه لو لم يكن التامين مسموعاً للما موم لم يعلم به وقد علق تامينه بتامينه ۱۔

کہ اس حدیث میں امام کے آمین پکارنے پر دلیل یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کی آمین نے گناہیں تو اس کی آمین کا علم کیونکر ہوتا۔ جبکہ نبی ﷺ نے لوگوں کے آمین پکارنے کو امام کے آمین پکارنے سے مشروط رکھا ہے۔ مزید ارشاد ہے: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من قراءة أم القرآن رفع صوته وقال آمين ۱۔

جب نبی ﷺ ام القرآن فاتحہ سے فارغ ہوتے تو آمین پکارتے تھے اور آمین پکارتے ہوئے گن کی آواز (بست) بلند ہو جاتی تھی۔

حضرت امام ابن قیمؒ

ابن قیمؒ کہتے ہیں :

فَإِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ قَالَ أَمِينَ فَإِنْ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ وَقَالَهَا مِنْ خَلْفٍ ۲۔

کہ جب (نبی ﷺ) قرآن فاتحہ کو ختم کرتے مگر نماز جہری ہوتی جس میں آواز بلند قرآن کی جاتی ہے (جیسے فجر، مغرب، عشاء اور نماز جمعہ) تو آپ آمین بھی آواز بلند ہی پکارتے اور آپ کے مقتدی بھی آپ کی آمین کے ساتھ بلند آواز سے ہی آمین کہتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

إِذَا آمَنَ الْإِمَامُ فَأَمِينُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينَهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ -

کہ جب امام آمین پکارتے تم بھی اس کے ساتھ ہی آمین پکارو (اس لئے کہ امام کی آمین پر فرشتے بھی آمین پکارتے ہیں) پس جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہموار ہو گئی اس کے گزشتہ سارے ہی گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اس پر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :

۱۔ تلخیص ابن حجر جلد اول ۲۔ زاد المعاد ابن قیم جلد اول صفحہ ۵۴

أَقُولُ الْمَلَائِكَةُ يُحْضَرُونَ الذِّكْرَ رَغْبَةً مِنْهُمْ فِيهِ وَيُؤْمِنُونَ عَلَى أَدْعِيَتِهِمْ ۝

کہ میں کہتا ہوں کہ فرشتے ذکر اللہ سے رغبت رکھنے کی وجہ سے مجالس ذکر و عبادت کے متلاشی رہتے ہیں اور پھر اس غرض سے عبادت گاہوں میں پہنچ کر عبادت گزاروں کی دعاؤں پر آمین پکارتے ہیں۔

حصن حصین میں ہے :

ان اللہ ملائکة يطوفون فی الطرق یُلْتَمِسُونَ اهل الذکر ۲۔
کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے ایسے ہیں جو اہل الذکر اور عبادت گزار لوگوں کی تلاش میں راہ گلی پھرتے رہتے ہیں۔

سبحان اللہ! کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی تمنا یاں فرشتوں کے جہوم سے آباد ہوتی ہیں۔ اور بقول شاعر۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اور یہ بات ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ مقدس فرشتوں کے کان گنگار انسانوں کی آمین پر زمین کی پستیوں سے آسمانوں کی رفعتوں تک ہر جانب ہی لگے ہوتے ہیں۔

پھر جو نبی کوئی انسان فرش زمین پر آمین کا گیت گاتا ہے تو عرش بریں تک سارے ہی آسمان فرشتوں کی آمین سے گونجنے لگ جاتے ہیں۔ ۳۔

اللہ اکبر! کتنے ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے گنگار ہونٹوں پر اچھلنے والی آمین کا نغمہ اچک لے جانے کے لئے آسمانوں کی قدوسیت ہر لمحہ گھات میں رہتی ہے۔

۱۔ حجت اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۴۸۲ شائع کردہ شیع غلام علی ایڈ سنٹر

۲۔ حصن حصین صفحہ ۱۶ ۳۔ بخاری شریف جلد اول مسلم شریف جلد دوم

اور کتنے کم نصیب ہیں وہ نیکو کار جو آئین کی رعنائیوں اور رسائیوں سے نا آشنا اس محبوب اور پاکیزہ کلمہ کے لبوں سے باہر نکلنے پر ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں۔ کیا سچ ہے۔

قسمت کیا ہر شخص کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

حضرت امام غزالیؒ

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پوری امت محمدیہ میں ہر جگہ ہی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

احیاء العلوم آپ کی مانیہ ناز تصنیف ہے جو آپ کے فضل و کمال اور وسعت نگاہ کا ایک غیر فانی شاہکار ہے اور اپنی غیر محدود علمی معلومات کے اعتبار سے انسائیکلو پیڈیا کی ہی حیثیت رکھتی ہے۔ علامہ اقبال نے ”تلقین غزالی“ کی محبوب ترکیب میں حضرت کو بھرپور خراج تحسین پیش کر رکھا ہے۔ مسئلہ زیر بحث پر حضرت کی تحقیق کا حاصل یہ ہے: ویقول امین فی آخر الفاتحة یمدّ بہا مَدًّا ۱۔

(رسول اللہ ﷺ کی سنت یہی ہے) کہ سورۃ فاتحہ کے بعد اپنی آواز کو (بلند اور) خوب لمبا کر کے آمین پکارتے۔

مشہور حنفی بزرگ علامہ بدر الدین عینی مصنف عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری نے اپنی اس مانیہ ناز تصنیف میں حضرت امام غزالیؒ کی کتاب ”خلاصہ“ کے حوالے سے امام غزالیؒ کا یہ عقیدہ نقل کیا ہے:

ومن سنن الصلوة ان یجهر بالتامین فی الجہری کہ جہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد آمین کا ہوا بلند پکارنا نماز کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

عالم اسلام کے عظیم بزرگ محبوب سبحانی حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کا ارشاد ہے :

والجهر بالقرأة امین والاسرار بها

بلند آواز میں پڑھی جانے والی نمازوں میں آمین بھی ہآواز بلند ہی پکاری جائے گی

اور آہستہ یعنی منہ میں پڑھی جانے والی نمازوں میں آمین آہستہ کہی جائے گی۔

اجماع اُمت

صاحب واضح البیان فی تفسیر اُم القرآن نے ان اصحاب رسولؐ، تابعین حضرات رحمہم اللہ، ائمہ دین اور محدثین رحمہم اللہ علیمہم اجمعین کی ایک فہرست پیش کی ہے جن سے اثبات آمین بالغمر کی روایات وارد ہوئی ہیں۔ آپ بھی ایک نظر دیکھ لیجئے اور پھر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ اس کے بعد آپ کو اللہ کے ان بندوں کے گروہ میں داخل ہونے میں کیا مانع ہے اور آپ کو اس کے بعد مزید کس دلیل کی حاجت باقی ہے۔

اصحاب رسول رضی اللہ عنہم

حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت بلالؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت انسؓ بن مالکؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت سرہؓ، حضرت ابو موسیٰؓ، حضرت وائلؓ بن حجرؓ، حضرت ابو ذبیرؓ اور حضرت صہیبؓ بن مسلمہ۔

صحابیات

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ اور اُمّ حصینؓ

تابعین حضرات رحمہم اللہ

حضرت عطاء بن ابی رباحؓ، ابن شہاب (امام زہریؒ) حضرت ابن جریجؓ، حضرت ابو مصلحؓ، حضرت نعیمؓ، عجرؓ، حضرت عکرمہؓ۔

آئمہ دین رحمہم اللہ

حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ، حضرت امام اہلبیہؒ، حضرت امام اوزاعیؒ، حضرت امام عبد اللہ بن مبارکؒ، حضرت امام سفیان ثوریؒ، حضرت امام عبد الرحمن ممدیؒ، حضرت امام داؤد طسائیؒ، حضرت امام ابو زرہؒ۔

محدثین رحمہم اللہ

حضرت امام بخاریؒ، حضرت امام مسلمؒ، حضرت امام ابوداؤدؒ، حضرت امام ابن ماجہؒ، حضرت امام ترمذیؒ، حضرت امام نسائیؒ، حضرت امام دارقطنیؒ، حضرت امام بیہقیؒ، حضرت امام دارمیؒ۔

حنفی علماء

جو آئین بالجہر کا انکار نہ کر سکے

ذیل میں ہم چند حنفی علماء کی شہادتیں پیش کر کے اپنے حنفی بھائیوں پر اتمامِ بحث کر دینا چاہتے ہیں جو حنفی اور مقلد ہونے کے باوجود حق سے انحراف نہیں کر سکے اور انہوں

نے قول امام کو حدیث رسول علیہ السلام پر ترجیح دینے کی جسارت سے اپنے دامنِ ایمان کو بڑی خوبی سے بچالیا ہے، رحمہم اللہ تعالیٰ۔

حضرت شیخ ابن الہمامؒ

ابن الہمامؒ حنفی فقہ کی مشہور اور مستند کتاب فتح القدیر کے مصنف اور فقہ حنفیہ کے اساتین میں داخل ہیں لکھتے ہیں :

اگر کوئی میری مانے تو میرے نزدیک صحیح صورت یہ ہے کہ جن روایات میں آئین کو آہستہ کہنے کا ذکر آیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ آئین کو زیادہ چلا کر نہ کہا جائے، اور جو روایات آئین کو پکار کر کہنے کا حق میں وارد ہوئی ہیں، وہاں مراد یہ ہے کہ آئین کو منہ میں ہی نہ دبا رکھا جائے بلکہ درمیانی آواز سے پکار کر کہا جائے جیسے ابن ماجہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب آئین پکارتے تو پہلی صف کی لوگ آپ کی آواز سنتے۔ ۱۔

اب یہ تو خیر حضرت شیخ کے مقلد ہونے کی مجبوری ہے کہ انہوں نے آئین کو آہستہ کہنے والی روایات کو جن میں سے کوئی ایک بھی نہ صرف صحیح نہیں بلکہ حسن کے درجہ کو بھی نہیں پہنچتی۔ آئین کو پکار کر کہنے والی صحیح روایات کے ساتھ موجود رکھا ہے۔ تاہم یہی بہت ہے کہ آپ نے آئین کو با آواز بلند پکار کر کہنے والی روایات کو قبول کیا ہے اور ان سے انکار کے لئے کسی ناروا تاویل کی راہ اختیار نہیں کی بلکہ ان کو قابل عمل قرار دے کر احتاف کو ان کے قریب لانے کی ایک راہ بھی پیدا کی ہے۔ مگر انہوں نے جو کچھ لو اور کچھ دو کے پیش نظر اپنی درمیان داری والی بات کے حق میں ابن ماجہ کی روایت سے استدلال کیا ہے، یہ صحیح نہیں

ہے۔ اور ہم اس باب اپنی گزارشات اس حدیث کے ذیل میں پیش کر آئے ہیں کہ ابوداؤد کی اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ حضورؐ کی آواز پہلی صف سے آگے نہیں بڑھتی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی آئین کی آواز پہلی صف تک پہنچنے کے عرصہ میں ہی آپؐ کی آئین کے ساتھ پوری مسجد آئین کے غغلہ سے گونج اٹھتی تھی۔ کیونکہ جیسا کہ حضرت ام حصینؓ کے واقعہ سے ظاہر ہے نبی ﷺ کی آئین بھی آپؐ کی باقی قرأت کی طرح مسجد نبویؐ کی پچھلی صفوں تک ہر جگہ ہی سنی جاتی تھی۔

اور یہ بات تعجب سے خالی نہیں کہ نبی ﷺ جب قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے تو حضورؐ کا قرآن سارے اگلی پچھلی صفوں کے نمازی سنتے تھے مگر آپؐ کی آئین پہلی صف سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔

اور لوگ یہ تو جانتے تھے کہ آپؐ کس رکعت میں کیا پڑھ رہے ہیں اور کون سی سورہ مبارکہ تلاوت فرما رہے ہیں مگر انہیں یہ پتہ نہیں چل سکتا تھا کہ آپؐ نے آئین کب کہہ دی۔ جبکہ یہی حضرت ابن ابیہام آئین کو پکار کر کہنے والی جن احادیث کو صحیح قرار دے چکے ہیں انہی کے بموجب رسول اللہ ﷺ کی آئین آپؐ کی دوسری قرأت کے مقابلے میں زیادہ اونچی آواز میں ہوا کرتی تھی۔

تاہم ابن ابیہام کا بیان اس بات کی دلیل ہے کہ انصاف پسند حنفی بزرگ آئین بالہجر سے الرجک نہیں ہیں۔ جیسا کہ ہمارے ہاں کتنے ہی حنفی آئمہ اور ان کے مقتدی آئین بالہجر سے بغض روار کھتے ہیں۔

علامہ بدر الدین عینیؒ

عمدة القاری شرح صحیح بخاری کے مصنف اور حنفی عالم دین حضرت بدر الدین عینیؒ بھی اگرچہ گمراہ حنفی بزرگ ہیں۔ مگر جب انہوں نے صحیح بخاری کی شرح لکھی تو

ظاہر ہے انہیں بخاری شریف کے ابواب جہر الامام اور جہر الماموم سے سابقہ پڑنا ہی تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بخاری شریف کے ان ابواب میں وارد شدہ احادیث نبویؐ کی کوئی تاویل بھی ممکن نہیں ہے اور اگرچہ بخاری شریف کے بعض دوسرے حنفی مترجمین نے یہاں پہنچ کر اپنے قلم کی نوک ذرا چیکھی ہی رکھی ہے، مگر حقیقت حال سے کوئی انکار نہیں کر سکا۔ حضرت عینیؒ بھی حنفی ہیں، مقلد ہیں، ایک طرف بخاری کے بیان کردہ واضح حقائق ہیں کہ ان کو بھی نظر انداز کرنا ممکن نہیں، دوسری طرف تقلید کا بلا جہ ہے اسے بھی اٹھائے رکھنے کی مجبوری ہے بقول مرزا غالب۔

ایمان مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر

کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

تاہم حضرت عینیؒ انصاف کو ذبح کرنے پر آمادہ نہیں ہیں اور انہوں نے حضرت ابن الہمام کے مقابلہ میں زیادہ واضح طور پر اور زیادہ جرأت سے بات کی ہے۔ فرماتے ہیں :

ان الخبرین بالجہر بیہا وبالمخافتہ صحیحان۔

کہ آئین کو ہاؤز بلند پکار کر کہا جائے یا آہستہ دونوں طرح ہی صحیح ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر تقلید راہ نہ روکتی تو حضرت عینیؒ صحیح نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کیونکہ جب وہ تحقیق کر چکے کہ بلند آواز سے آئین پکارنے کے حق میں وارد ہونے والی روایات صحیح ہیں تو اس کے خلاف واقع ہونے والی کیونکر صحیح ہو سکتی تھیں مگر ہم اتنے پر بھی ان کے منکور ہیں کہ انہوں نے حق فنی کو آسان کر دیا ہے۔ تاہم حضرت عینیؒ نے اپنی بحث کے دوران میں اس بات کی صراحت بھی کر دی ہے کہ حضرت امام غزالیؒ آئین پکار کر کہنے کو ہی سنت سمجھتے تھے۔

۱۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری

حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ

حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ احناف بزرگوں میں واحد اہل علم ہیں جو مقلد ہونے کے باوجود گہلی لپٹی رکھے بغیر بات کہنے کے عادی ہیں اور اظہار حق میں تقلید ان کو اکثر عیاد کاٹ نہیں بنتی آئین پلہم کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے ہر قسم کی روایات کو تحقیق کی چھلی کے سپرد کیا ہے اور علم کو جہل سے شرمندہ نہیں ہونے دیا۔ وہ اگرچہ اپنے بزرگوں کی روایات کو ترک کرنے پر تو آمادہ نہیں ہیں کہ۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے

مگر حق بات کو کھل کر کہتے ہیں فرمایا:

والانصاف ان الجہر قوی من حیث الدلیل ۱

کہ انصاف کی بات یہی ہے کہ ہاواز بلند پکار کر آئین کہنے والی روایات زیادہ قوی

ہیں۔ مزید ارشاد ہے:

قد ثبت الجہر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باسانید متعددہ ۲

کہ آئین کا ہاواز بلند پکار کر کہنا رسول اللہ ﷺ سے بہت سی سندوں کے ساتھ

ثابت ہو چکا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

گیارہویں صدی ہجری کے بلند پایہ حنفی اہل علم بزرگ ہیں، مفسر ہیں، محدث ہیں، مورخ ہیں اور فقیہ ہیں۔ بعض اہم کتابوں کے شارح بھی ہیں۔ ان کے تذکرہ نگاروں نے ان کی چھوٹی بڑی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف کی تعداد ایک سو تک شمار کی ہے۔ پڑانچتہ

۱۔ تعلیق المعجد صفحہ ۱۰۲ حاشیہ نمبر ۲۔ عمدۃ الراہ حاشیہ شرح وقایہ صفحہ ۱۶۷

حنفی ذہن رکھتے ہیں، تاہم حصب، محصب اور متشد نہیں ہیں اور حق بات کو مان لینے میں بخل سے کام نہیں لیتے اگرچہ وہ ان کے تقلیدی مسلک کے بھی خلاف واقع ہوئی ہو۔

آمین کے ہاواز بلند یا آہستہ پکارنے کی باب میں بھی ان کا رویہ بڑا معقول ہے وہ اپنی ذاتی حد تک تو آمین پلچھر پر عمل نہیں کرتے کیونکہ ان کا عذر یہ ہے کہ ان کے امام نے ایسا نہیں کیا۔ مگر رسول اللہ ﷺ سے وارد ہونے والی صحیح احادیث کا انکار نہیں کرتے اور ٹھیک مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی طرح ہی ان کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ آمین پلچھر رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قوی دلائل کے ساتھ ثابت ہے۔ ایک حنفی کی حیثیت سے وہ اپنے کمزور موقف کی وکالت بھی کرتے ہیں مگر بطور ایک محقق کے وہ انصاف کو ترک نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں:

(رسول اللہ ﷺ سورہ فاتحہ کے آخر میں آمین کہتے تھے جبری (یعنی پکار کر پڑھی جانے والی نمازوں) (نماز فجر، نماز مغرب اور نماز عشاء) میں آمین بھی پکار کر ہی کہتے تھے اور سری (یعنی آہستہ پڑھی جانے والی نمازوں) (نماز ظہر اور نماز عصر) میں آہستہ سے موافقت کرتے تھے مزید فرماتے ہیں:

نماز میں ہاواز بلند پکار کر آمین کہنے کی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ لیکن امام مالکؒ کے مذہب میں قدرے اختلاف ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں مطلقاً خلا یعنی آہستہ کنائی وارد ہوا ہے جامع ترمذی میں ہاواز بلند آمین کہنے اور ہاواز پست آمین کہنے دونوں قسم کی احادیث نقل ہوئی ہیں تاہم حق یہی ہے کہ ہاواز بلند آمین پکارنے والی احادیث کو ترجیح ہے۔ بخاری شریف میں بھی ایسا ہی آیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ علیم کا اکثر اسی طریقہ پر عمل ہے۔ ۲۔

۱۔ حضرت امام مالکؒ کے سلسلہ میں شاید حضرت کسی توارک کا شکار ہونے ہیں ورنہ امام مالکؒ بھی یہی مذہب رکھتے ہیں جیسا کہ امام مالکؒ کے ضمن میں ہم یہ بحث گذشتہ اوراق میں درج کر آئے

ہیں۔ ۲۔ مدارج النبوة حصہ اول طبع کراچی صفحہ ۶۱۷

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

مولانا رشید احمد صاحب نے اپنی مشہور تصنیف بحر العلوم میں دوسرے بہت سے مسائل کی طرح مسئلہ آئین بالجمہر پر بھی ایک بسیط بحث درج کی ہے اور آپ نے اس باب میں بہت سے احناف اہل علم کے فتاویٰ نقل کر کے بڑی صفائی سے یہ بات تسلیم کی ہے کہ:

در باب آہستہ گفتن آئین وارد نہ شدہ مگر حدیث ضعیف ۱۔

کہ آہستہ آئین کہنے کے باب میں سوائے ضعیف حدیث کے اور کچھ وارد نہیں ہوا۔ اور آپ نے اپنے پیروکاروں کو نصیحت فرمائی کہ آئین بالجمہر پر اصحاب رسول کا تعامل ثابت ہے (یعنی اصحاب رسول آئین ہاواز بلند پکار کر ہی کہتے تھے) اس لئے آئین بالجمہر کہنے والوں پر سب و صم (گالی گلوچ) در پردہ صحابہ پر معترض ہونا ہے ۲۔

اب رہی قسمت کی بات تو یہ ایک الگ امر ہے اور دیکھ لیجئے کہ حضرت مولانا نے آئین بالجمہر کو اصحاب رسول کا معمول بھی بتلایا ہے مگر ان کے اس معمول کو خود نہیں اپنا سکے،

کہ خضر از آب حیاں تشنہ می آرد سکندر را

آئین کا ایک قدسی الاصل رُخ

خدا خود میر مجلس بود شب جائیکہ من بودم

سورہ فاتحہ کے ساتھ آئین کا تعلق محض آئین کا یہ پانچ حرفی کلمہ

پکارنے پر ہی تمام نہیں ہو جاتا کیونکہ یہ حرف تو ان دونوں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرنے میں محض ہیولت کی حیثیت ہی رکھتے ہیں ورنہ آئین کے اس طائر لاہوت کو الفاظ و حروف کے

۱۔ بحر العلوم صفحہ ۷۲ ۲۔ بحر العلوم صفحہ ۷۴

داروں میں قید رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

آمین اور سورہ فاتحہ کے ربط باہمی سے دراصل حسن و عشق کی ایک ایسی محبوب، ایک دلنواز، ایک ایمان افروز اور ایک ایسی نور بدوش داستان تخلیق پائی ہے جس کا تخلیقی رقبہ آمین کہنے والے کے لبوں سے چل کر ہفت افلاک کے اُس پار عرش رب العالمین کی پہنائیوں تک دراز ہے، جس کے کرداروں میں آمین پکارنے والے سے لے کر ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں فرشتے اور خود اللہ رب السموات والارض کی ذات گرامی تک سب شریک ہیں۔

آمین کو سورہ فاتحہ سے کچھ ایسا ہی عشق ہے جیسے بلبل کو پھول سے اور پروانے کو چراغ سے جس طرح بلبل کو پھول کی طلب میں موسم خزاں میں بھی بہاروں کی تلاش ہوتی ہے اور جس طرح پروانے سرشام سے ہی دیوانہ وار شمع کی طرف کھینچے لگتے ہیں، ٹھیک ایسے ہی آمین بھی سورہ فاتحہ کی تلاش میں اور سورہ فاتحہ کا کلمہ آخر والا صلا لیں سن پانے کی طلب و تمنا میں فرشتوں کے دوش پر سوار قریہ و دیار کی ٹھٹھن بھری مٹیوں، زمین کی وسعتوں، فضاؤں اور خلاؤں کی پہنائیوں، افلاک کی اونچائیوں اور رفعتوں میں دیوانہ وار بھاگتی پھرتی ہے۔ پھر جہاں کہیں بھی وہ اپنے محبوب کو دیکھ سن پاتی ہے، دوڑ کر اس کے قدموں میں بچھ جاتی ہے، بچھ بچھ کراٹھتی ہے اور اٹھ اٹھ کر اس سے لپٹ جاتی ہے کہ۔

لہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست

آخر آمد زہں پردہ تقدیر پدیر

سورہ فاتحہ اور آمین کے جذباتی اور عقل فریب تعلق کو سمجھنے کے لئے آپ کی فکر و

مدیر کے مروجہ پیمانے کام نہیں دے سکتے کہ۔

بقدر شوق نہیں عطرِ غزل

کچھ اور چاہیے وسعت مرے پیالے کے

اس غرض سے آپ کو اپنے شعور کے اس پار تحت الشعور کی وادی میں اتر کر سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ جہاں پہنچ کر لوح روح پر ملاء اعلیٰ میں اچھلنے والے حقائق کی تصویریں چھپتی ہیں اور جہاں دل ایمان و ایقان کی نورانی تجلیات سے منور ہو جاتا ہے۔ احساس کے سینے میں اچھلنے والی موجیں جہاں پر پرواز جبرئیل کی ہمسفر ہوتی ہیں۔ جہاں حیرت کدوں کے ہجوم میں خامہ انگشت بدنداں اور ناطقہ سر بگریباں رہ جاتا ہے جس وادی کا منظر کچھ ایسا ہے کہ۔۔۔

لطف خرام ساقی و ذوق صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ وہ فردوشِ گوش ہے

اور جہاں۔۔

ساقی جلوہ دشمن ایمان و آگہی
مطرب ز نغمہ رہزن حکمین و ہوش ہے

اور جہاں قدم قدم پر۔۔

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کی می مگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا استخاست

آئیے ذرا آپ بھی آمین کے اس مافوق العقل اور مافوق الشعور مقام کا شعور حاصل کرنے کی سعی کر دیکھئے۔ اگر آپ نے بہ نیت صالح اس سفر میں ہمارا ساتھ دیا تو ماحول کی کیف باریوں اور لذت آفرینیوں میں کھو کر اور غلبہ کیف و لذت سے ہٹ کر آپ بھی ہمارے ساتھ مل کر آمین آمین نہ پکارنے لگ جائیں تو ہمیں الزام دیجئے گا۔

حیرت کدوں کے اس ماحول سے پار اترنے کے لئے آئیے ہم آپ کو اس سالک راہ لاہوت سے ملاتے ہیں جس کی شان راہرہ دی کو پا کر غلاؤ کے حیرت کدے بھی بحر حیرت میں ڈوب ڈوب جاتے رہے۔

یہ مسافر راہ سلوک محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ آئیے ہم چند لمحوں کے لئے آپ کو ان کے دربار میں لئے چلتے ہیں جہاں دلوں کی بستی میں جبرئیل نزول پاتے ہیں، دل شک کے کانٹوں سے پاک ہوتے ہیں، فکر کی گرہیں کھلتی ہیں اور مقدر کے عقدے واہوتے ہیں۔ وہ سنو! محمد ﷺ کی نوائے عرش آسائینی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ کیا ایک حسین اور دگداز نغمہ میں ڈھل کر اچھل۔

ارشاد ہے۔ میرے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ میں نے سورہ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے میں نصف نصف تقسیم کر رکھا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ (میرے حضور تصویر عجز بنا کھڑا ہو کر) کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ تو اللہ (خوش ہو کر) فرماتا ہے حَمْدُنِیْ عَبْدِیْ کہ اے میرے فرشتوں! تم بھی سنو اور گواہ رہو! میرے بندے نے میری حمد بیان کی اور میری تعریف کی (اور اس نے ارض و سماء کی پوری کائنات میں صرف مجھے ہی قابل تعریف اور لائق حمد پایا ہے) پھر جب بندہ کہتا ہے الرَّحْمٰن الرَّحِیْمُ تو اللہ فرماتا ہے اَثْنٰی عَلٰی عَبْدِیْ کہ میرے بندے نے میری ثناء کی (کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ثناء کے لائق صرف میری ہی ذات ہے) پھر جب بندہ کہتا ہے مَا لَکَ یَوْمَ الدِّیْنِ تو اللہ فرماتا ہے (سننے والے سب کان سن لیں کہ) مَجْدُنِیْ عَبْدِیْ میرے بندے نے میری عظمت بیان کی (میرے شرف مجد اور میری بزرگی کا اقرار کیا)۔

پھر جب بندہ کہتا ہے کہ اِنِّیْ اَتُوبُ اِلَیْکَ نَسْتَغْفِرُکَ تو اللہ فرماتا ہے کہ هٰذَا بَیْنِیْ وَبَیْنِ عَبْدِیْ کہ یہ بات میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے۔ وَلِعَبْدِیْ مَا سَالَ اور اب جو چاہے مجھ سے مانگے۔

یہاں پہنچ کر ماحول کچھ نپٹا ہونے لگتا ہے، خدا کی رحمت لہرا نے لگتی ہے اور اس کی نگاہ بندے کے لبوں پر جم جاتی ہے کہ وہ کیا طلب کرتا ہے۔ اب ماحول میں مستی ٹھلنے لگی۔

بندہ اپنے رب میں ڈوبا ہے اور رب اپنے بندے کے لبوں سے کان لگائے اس کی طلب کے لئے وقت انتظار ہے کہ اچانک بندے نے درخواست کر دی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ - ۱۔ اور بندے کی اس طلب پر اس کا رب جھوم جاتا ہے کہ میرے بندے نے مجھ سے مال و زر طلب نہیں کیا بلکہ خود مجھے ہی طلب کیا ہے اور میری سیدھی راہ کو پانے کی توفیق مانگی ہے۔ میرے منعم عظیم بندوں کے راہ پر چلانے کی مجھ سے درخواست کی اور مغضوب اور ضالین کی راہ سے حفاظت کی تمنا کی ہے۔

بندے نے اپنے رب کے حضور ایک بھرپور طلب اور ایک حسین تمنا پیش کر دی جو بندے کے لبوں سے چلتی ہے اور مزاحمت کی دیواروں کو توڑتی پھاندتی ایمان والقان کے ان رفیع ایوانوں تک جا پہنچتی ہے جہاں بندے کا مقدر ان لوگوں کی مصاحبت کا حقدار بنتا ہے جن کے حق میں خود اللہ تعالیٰ ہی یہ خبر دے چکے ہیں۔

الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا۔

یہ وہ بندے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے انعامات کی بارش برسا دی۔ جن کو نبوت کے شرف سے نوازا، جن کو صدیقیوں کے مراتب بخشے، جنہیں شہادت کی دولت سے سرفراز فرمایا، جن کو صالحین میں دخل فرمایا اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی رفاقت نہایت ہی محبوب اور اعلیٰ رفاقت ہے۔ اس مرحلہ پر پہنچ کر بندے کی طلب اپنی انتہاؤں کو چھوئے گی، تمنا اپنی حدود سے بہت آگے نکل گئی اور بندے نے اپنے رب سے دنیا و آخرت کی ساری بھلائیاں مانگ لیں اور اللہ کے ہاں کس بات کی کمی ہے۔ اس کی رحمت لبرائی اور فرمایا هَذَا لِعِبَادِيَ مَا سَأَلُوا کہ ہاں یہ سب میرے بندے کا حق ہے، میرا بندہ جو سوال کرے میں پورا کروں گا۔

اب جب طلب اپنی تمام بے چینییوں کے ساتھ اور اجابت اپنی بے مقدار رحیموں کے ساتھ نقطہ انتہا کو چھوئے لگیں۔

اور آمین جو الحمد کے ضالین تک پہنچنے کا بے تابی سے انتظار کر رہی ہے اُچھل کر بڑھی لپک کر پہنچی، سورہ فاتحہ کا حُسن اپنی زونمائی کے لئے جیتا ہو گیا اور اس نے ولا الہا آئین کے ساتھ ہی اپنے چہرہ انور سے نقاب اُلٹ دی۔ امام نے آمین پکاری تو ساتھ ہی آمین آمین کی پکاروں نے آمین کو آسمان کا ہمسر بنا دیا۔ زمین اور آسمان آمین کی پکار سے گونج اٹھے اور اجابت آگے بڑھی اور اس نے اپنے بندے کی تمنا اپنی جھولی میں لی اور یوں۔

موتی سمجھ کے شانِ کریبی نے جن لئے

قطرے جو تھے جہیں پہ غرق انفعال کے

لہمائے رسالت پر یہ نغمہ بدستور ہی جاری تھا کہ إِذَا آمَنَ الْاِمَامُ فَاَمْنُوا کہ لوگو! امام کے منہ سے آمین سنو تو تم بھی آمین بھی پکارنے لگ جاؤ کیونکہ خدا کے فرشتے زمین سے آسمان تک تمہاری آمین پر کان لگائے منتظر ہوتے ہیں، پھر جو نئی تم آمین پکارتے ہو تو فرشتوں کی آمین سے ساتوں آسمان گونجتے ہیں اور پھر تم سے جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مطابق ہو گئی اس کا بیڑہ پار ہے، وہ نجات پا گیا۔ اس نے مغفرت کی دولت لوٹ لی۔ اس کے سارے ہی گزشتہ گناہ معاف کر دیئے گئے۔

اور اس مرحلہ پر خود رسول اللہ ﷺ کی اپنی مسجد کا یہ حال ہوتا تھا کہ جو نئی امام کے منہ سے آمین کا کلمہ بلند ہوتا تو آمین کی پکاروں سے مسجد نبویؐ لرزنے لگتی، ہلنے لگتی اور گونجنے لگتی (کلمہ فیر تَج بھا المسجد کے یہ تینوں معنی مترجمین حدیث نے ہی کئے ہیں)۔

آمین اب سورہ فاتحہ کے گلے مل گئی، اس سے لپٹ گئی، اس کی جدائی کے لمحات ختم ہو گئے، بلبل نے پھول کو پالیا، پروانے کو اپنی منزل مل گئی، محبت نے اپنے محبوب کو پالیا اور

بقول مولانا رومؒ

عشق جان طور آمد عاشقا

طور مست و خرم موسیٰ صفا

حقی بھائیوں! اگر اس پر بھی آپ آمین سے زوٹھے ہی رہیں تو آپ کا مقدر اگر آپ کے بخت کی گرہیں محمد ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے بھی نہ کھل پائیں تو ان سے بڑا کوئی عقدہ کشا ہم پیش نہیں کر سکتے۔۔

حوالت با خدا کر دیم و رستم

آمین اور یہودی

ایک عبرت انگیز موعظت

امام ابن ماجہؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا حَسَدْتُكُمْ الْيَهُودَ عَلَى شَيْءٍ مَّا حَسَدْتُكُمْ عَلَى آمِينَ ۱۔

یہودی تمہاری کسی بات سے اتنا نہیں جلتے جتنا وہ (تمہاری مسجدوں میں گونجنے والی) آمین کی (زلزلہ انگن) پکار سے جلتے ہیں۔

یعنی تمہاری باجماعت نمازوں میں گونجنے والی آمین ان کے سینوں میں زخم ڈال دیتی ہے اور وہ غمرہ تکبیر کی طرح گھن گرج رکھنے والی اس دبدبہ اثر آواز کی دہشت سے بار بار سہم جاتے ہیں۔ انہیں تمہاری اجتماعیت کا یہ بار بار مظاہرہ کسی کروٹ چھین نہیں لینے دیتا۔ تمہارے ان غفلتوں میں اچھلنے اور پھلانگنے والی شوکت ان کی روح کے لئے دوزخ کی آگ

۱۔ ابن ماجہ ج

سے بھی زیادہ تیز اور زیادہ جلائے والی ہے۔

یہاں ہم اپنے حنفی بھائیوں سے یہ ایک بات پوچھنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ یہودی جو صادق و مصدوق پیغمبر خدا محمد ﷺ کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کی آئین سن کر جل بھن کر کوئلہ ہو جاتے تھے۔ تو کیا یہ وہی آئین تھی جو بقول آپ کے منہ سے باہر نہیں نکلتی تھی اور جو سینے سے اٹھتی بھی تھی تو خلق خدا تک پہنچنے پہنچنے ہو امیں تحلیل ہو جاتی تھی یا کوئی ایسی آئین تھی جو مسجد بلند ہو کر یہودیوں کے کانوں تک پہنچ جاتی تھی؟ جو مومن کے لبوں پر اچھلتی تھی اور آسمان کی رفعتوں پر کند ڈالتی تھی؟

اور اس پر پھر رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد بھی پیش نظر رہے جس میں آپ نے یہودیوں کے آئین سے جلنے کا علم پا کر انہیں مزید جلاتے رہنے کی غرض سے مسلمانوں کی ہدایت فرمائی کہ: **فَاكْثِرُوا مِنْ قَوْلِ آمِينَ**

کہ تم اپنی زمین کی اس آتشناک تاثیر سے یہودنا مسعود کے جان و جگر کو ہمیشہ جلاتے رہو۔

اور کیا ہمارے حنفی بھائی بھی رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے کوئی نصیحت اور موعظت قبول کریں گے! ہماری ان سے نہایت اخلاص کے ساتھ درخواست ہے کہ وہ اپنی ضد اور غیر مسنون سوچ میں ترمیم کریں اور اس بات کا یقین کر لیں کہ آئین کے ایمان افروز اور پر شوکت غلغلوں سے بدکنا جن سے بہر حال اسلام کی وجاہت اور مسلمانوں کی اجتماعیت کا مظاہرہ ہوتا ہے، سچے مومنوں کا شیوہ نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک سے ظاہر ہے کہ مومن آئین کی طرف بڑھتا ہے اس سے بدکنا بھاگتا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کریں، آپ کن لوگوں سے کتنے ہیں اور کن سے جڑ کر رہنا پسند کرتے ہیں آہ

۱۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چہ چاہیں ہوتا

حنفی موقف

تحقیق کی ترازو میں

حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک متبع سنت اور عاشق رسولؐ بزرگ تھے اور تحقیق یہ ہے کہ وہ خود کسی کے مقلد تھے نہ کسی کو اپنی تقلید کرنے کے لئے کہتے تھے۔ سلفی المسلک تھے۔ کتاب و سنت اور اجماع صحابہؓ پر اپنے فتاویٰ کی بنیاد رکھتے تھے ان سے باہر کبھی نہیں جاتے تھے۔

اگر انہیں کبھی قیاس کی نوبت آتی تو تاہی کے قیاس پر قیاس کر لیتے تھے۔ مگر صحابی کے قیاس پر قیاس بھی نہیں چلاتے تھے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد کچھ لوگوں نے اپنے دنیوی مفاد میں ان کے نام سے بہت سے خلاف سنت طریقے اور خلاف شرع مسائل جمع کر کے بزور و جبر ان کی نام لگا دیئے ہیں اور چونکہ ان کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی بھی تحریر دنیا میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے جس کا جی چاہے ان کے نام لگا دے وہ اب تردید کے لئے نہیں آئیں گے۔ چنانچہ اب جو کچھ بھی ان کے نام لگا دیا گیا وہ انہی کا سمجھا جاتا ہے اور انہی کے نام سے شائع ہے۔

آئین ہائے ختم کے خلاف اور آہستہ کنے کے حق میں حنفی بھائیوں نے جو دلائل حضرت ابو حنیفہؒ کے نام سے جمع کر رکھے ہیں ذیل میں ہم ان میں سے چند سرفہرست دلائل کا جائزہ پیش کرتے ہیں :

احناف کی پہلی دلیل

احناف نے اپنے مقدمہ کی بنیاد جس سب سے بڑی دلیل پر استوار کی ہے وہ اس طرح ہے:

رَوَى شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَةَ بْنِ مُكَيْلٍ عَنْ جُرَابِی الْعَنْسِ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَاثِلٍ
عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا
الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ ۖ
شعبہ نے سلمہ بن مکھیل سے اور اس نے عنس کے باپ حجر سے اس
نے علقمہ بن وائل سے اور علقمہ نے اپنے باپ (وائل) سے بیان کیا
ہے کہ نبی ﷺ نے غیر المغضوب علیہم ولا
الضالین پڑھ کر آمین کی اور (آمین کہتے ہوئے) اپنی آواز کو
پست کر لیا۔

یہ روایت حنفی بھائیوں کا سرمایہ ناز ہے اور وہ جاوبے جا اس سے استدلال کرتے
رہتے ہیں۔ یہ روایت بیشک ترمذی میں درج ہے لیکن اگر ہمارے حنفی اہل علم بزرگ اس
روایت کے بارے میں خود حضرت امام ترمذی کی اپنی رائے بھی اپنے پیروکاروں تک پہنچا
دیتے تو بات کی گرہ وہیں کھل جاتی اور ان کے سر سے بھی وہ بوجھ اتر جاتا جو اپنے ساتھیوں کو
دھوکہ میں رکھنے کی وجہ سے ان پر محشر کے روز پڑنے والا ہے۔

امام ترمذی نے اس روایت کو بدلائل بیہ ضعیف قرار دیا ہے اور اس کو اپنے ہاں اس
لئے درج کیا ہے کہ وہ اپنے قارئین کو یہ بتا سکیں کہ بعض لوگ اس روایت کو پیش کر کے
آمین کے بارے میں وارد ہونے والی صحیح روایات پر اپنی غرض کا پردہ ڈال رہے ہیں اس لئے

ان سے احتیاط کی جائے۔ مگر حنفی اہل علم نے اس کو اپنے موقف کے حق میں بطور دلیل اختیار کر لیا ہے۔ سبحان اللہ۔

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہئے غیر سے تھی
نُں کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں؟
اس روایت کو درج کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں کہ:

میں نے اپنے استاد (امام بخاریؒ) سے اپنے کانوں سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ شعبہ کی اس روایت کے بجائے صحیح روایت وہ ہے جو سفیانؒ کے حوالہ سے وارد ہوئی ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ کا آمین کا پکار کر اور اپنی آواز کو آمین کہتے وقت لمبا کرنے کا ذکر ہوا ہے۔

اور یہ روایت ترمذی کی اُن روایات میں داخل ہے جو نہ صرف صحیح نہیں بلکہ حسن کے درجہ کو بھی نہیں پہنچیں۔ امام ترمذی نے اس کے مقابلہ میں جس روایت کو حسن کہہ کر نقل کیا ہے وہ یہ ہے:

إِذَا قَرَأَ غَيْرًا لَمَغْضُوبٍ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ مَدْبِهَا
صَوْتُهُ کہ نبی اللہ علیہ وسلم جب پڑھتے غیر المَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ
تو آمین پکارتے اور آمین پکارتے وقت آپ کی آواز دراز (بلند) ہو جاتی تھی۔

اس روایت کی ایک قرأت رفع صوتہ بھی آئی ہے کہ آمین پکارتے وقت آپ کی آواز زیادہ بلند ہو جاتی تھی۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ:
یہ روایت حسن ہے اور اصحاب رسولؐ تابعین اور اتباع تابعین سب کا مذہب یہی

ہے۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو یوسفؒ بھی یہی مذہب رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں

شعبہ کی اس روایت کے اختراعی ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ شعبہ سے آئین ہلمہر کے اثبات میں یہ روایت آچکی ہے۔ ۱۔ اور وہ ان راویوں میں شامل ہیں جن کے نزدیک آئین کا صرف آواز بلند پکارنا ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ پھر جو شخص آئین ہلمہر کی روایت کرتا ہے وہ دوسرے ہی لمحے شخص اور اخفاء (یعنی آئین کو صرف منہ میں کہنے) کی بات کیونکر کر سکتا ہے۔

حنفی بزرگ بھی

ہمارے قارئین یہ سن کر حیران ہوں گے کہ شعبہ کی اس روایت کے غلط اور غیر صحیح ہونے پر صرف اہلحدیث، علمائے حدیث کا ہی اتفاق نہیں بلکہ وہ حنفی اہل علم محققین بھی جو اگرچہ تقلید کی مجبوری سے آئین ہلمہر کے عامل تو نہیں ہیں مگر شعبہ کی اس روایت کی تغلیط وہ بھی بالکل اہلحدیث کی طرح ہی کرتے ہیں اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس روایت میں لفظ خفض کا داخل ہونا اس روایت کے تمام سلسلہ ہائے اسناد کے منافی ہے۔ چنانچہ حنفی محقق عالم حضرت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں :

حفاظ حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ اس روایت میں خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ کے الفاظ سہ صحیح ثابت نہیں ہیں۔ یعنی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ آئین پکارتے وقت اپنی آواز پست کر لیتے تھے۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ اس روایت کے صحیح سلسلہ اسناد کے بموجب شعبہ کی اس روایت میں خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ کے الفاظ غلط ہیں اور صحیح مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ اور رفع بها صوتہ ہے یعنی آئین پکارتے وقت رسول اللہ ﷺ کی آواز دراز اور بلند ہو جاتی تھی۔

حضرت ملا علی قاریؒ مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

مَذَّ بِهَا صَوْتُهُ کے الفاظ کہ آپ اس موقع پر اپنی آواز لمبی کر لیتے تھے۔

ترمذی احمد اور ابن شیبہ کی روایت میں وارد ہوئے ہیں۔

جبکہ رَفَعَ بِهَا صَوْتُهُ کہ آپ آمین پکارتے وقت اپنی آواز بلند کرتے تھے۔

ابوداؤد، بیہقی اور ابن جہان میں نقل ہوئے ہیں۔ ۱۔

حضرت ابن الہمام کی گواہی

شعبہ کی اس روایت کی اصلیت کا سراغ لگاتے ہوئے اعلیٰ بزرگ اور محقق عالم

حضرت ابن الہمام تحریر کرتے ہیں:

قَدْ رَجَحَ الدَّارُ قُطْنِيُّ وَغَيْرُهُ رَوَايَةَ مُسْفِيَانَ بِأَنَّهُ أَحْفَظُ وَقَدْ رَوَا لِبَيْهَقِيِّ
عَنْ شُعْبَةَ فِي الْحَدِيثِ رَافِعاً صَوْتَهُ ۲۔

کہ امام دارقطنی نے اس باب میں مسفیان کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ جس میں نبی ﷺ آمین کو بلند آواز سے پکارتے ہوئے لکھ کر ہوا ہے اور یہ روایت نہایت محفوظ بھی ہے۔ علاوہ ازیں امام بیہقی نے خود شعبہ سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ آمین کا کلمہ بلند آواز سے ہی پکارتے تھے۔

بات کا دوسرا رخ

امام ترمذی نے شعبہ کی روایت کے ضعف پر بحث کرتے ہوئے اس کے اندر چند

فنی کمپوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

پہلا گھپلا شعبہ نے اس روایت میں ایک راوی جرجانی عنہم کا ذکر کیا ہے جبکہ اس نام کا

کوئی راوی پورے سلسلہ روایت میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ البتہ ایک راوی جرجانی

۱۔ مرقاة شرح مشکوٰۃ از ملا علی قاری ۲۔ فتح القدیر جلد اول صفحہ ۲۵۷ از حضرت ابن الہمام

عنہں کا نام ضرور ذکر ہوا ہے مگر وہ سلسلہ رواۃ میں اس کنیت سے پہچانا ہی نہیں جاتا اس کی کنیت حُجْر اباسکن ہے اباعنہں یا ابن عنہں نہیں ہے۔

دوسرا اگھلا واکل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس رلوی کے بارے میں روایت کے الفاظ یہ ہیں عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ ۱۔ کہ علقمہ بن واکل اپنے باپ واکل سے سُن کر بیان کرتے ہیں۔ جبکہ علقمہ اس روایت کے سلسلہ اسناد میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے اور اس کا اپنے باپ واکل سے سنا بھی ثابت نہیں ہے۔

ابن حجر کہتے ہیں اَنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ کہ علقمہ نے اپنے باپ سے نہیں

سنا۔

ایک سوال

یہاں البتہ ایک سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ علقمہ اور واکل باپ بیٹا ہیں اور علقمہ کا اپنے باپ سے سنا بالکل ممکن ہے مگر علقمہ اپنے باپ سے کیوں نہیں سُن کا؟ بلاشبہ یہ ایک معقول سوال ہے اور ہم اس سوال کے جواب کے لئے امین الہمامؒ کو تکلیف دیتے ہیں۔ حضرت امین الہمامؒ حنفی حضرت امام ترمذیؒ کی کتاب ”معلّٰی کبیر“ کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں :

امام ترمذیؒ نے اپنے استاد حضرت امام بخاریؒ سے دریافت کیا کہ کیا

علقمہ نے اپنے باپ واکل سے یہ حدیث سُنی ہے؟ امام بخاریؒ نے

جواب دیا اَنَّهُ وَلَدٌ بَعْدَ مَوْتِ أَبِيهِ بِسِتْرٍ أَشْهُرٍ ۲۔

کہ علقمہ تو اپنے باپ واکل کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا تھا (وہ اُن

سے کیونکر سُن سکتا تھا)!

۱۔ تقریب التہذیب علامہ ابن حجر ۲۔ فتح التقدیر جلد اول صفحہ ۲۵۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

سبحان اللہ

بنے کیونکر کہ ہے سب کار اُلٹا
ہم اُلٹے بات اُلٹی یار اُلٹا
اس طرح علقمہ بن وائل کے ساقط ہو جانے سے یہ روایت منقطع بھی ہوئی اور
کامل حجت نہ رہی۔

ایک اور خرابی

شعبہ کی اس روایت میں ایک نمایاں خرابی یہ بھی ہے جو اس روایت کو مشتبہ بنا دیتی
ہے کہ اس روایت میں وارد ہونے والے الفاظ خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ صرف اس ایک
روایت کے علاوہ دوسرے کسی بھی سلسلہ اسناد سے وارد ہونے والی کسی روایت میں بطور تائید
موجود نہیں ہیں۔ اس طرح کوئی ایک قرینہ بھی موجود نہیں رہ گیا ہے کہ اس روایت کو قبول
کیا جاسکے۔

احناف کی دوسری دلیل

شیخ عبدالحق حنفی مصنف شرح سفر السعادة نے اپنے ہاں حضرت فاروق اعظم کا
ایک اثر نقل کیا ہے کہ :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اہم نماز کے اندر چار چیزیں ہمیشہ اخفا یعنی
آہستہ سے منہ میں ہی پڑھے۔ اَعِزَّ بِاللّٰهِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ۔ آمین اور سبحانک اللہم اور بعض روایات میں
سبحانک اللہم کے بجائے رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ آیا ہے۔ (نور بی بات در اصل صحیح بھی ہے
اور قرین قیاس بھی)

۱۔ شرح سفر السعادة

حضرت ابن مسعودؓ سے بھی بحوالہ ابن شیبہ انہی معنوں میں ایک روایت نقل ہوئی ہے۔ ایسے ہی ابن جریرؒ، طحاویؒ اور ابن شاہین نے بھی یہی خبر دی ہے۔ حضرت امام ابن الہمام حنفی نے بھی اپنی یہی تحقیق پیش کی ہے۔ ۱۔
علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ابی وائل سے نقل کیا ہے کہ عمرؓ اور علیؓ اعوذ باللہ۔ بسم اللہ اور آمین ہاواز بلند نہیں کہتے تھے ۲۔

یہ روایت اپنی سند کی حیثیت سے بھی تو نہایت درجہ ضعیف اور موضوع روایات کی صف کا مال ہے مگر اپنے مندرجات کے اعتبار سے بھی صاف طور پر جعلی اور لغو ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ دونوں سے آمین بالجہر کی روایات وارد ہو چکی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بڑا واضح ہے جب فرمایا:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ
وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ ۳

کہ میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ ﷺ کو لا الضالین پر ہاواز بلند آمین پکارتے سنا ہے۔

پھر مزید وضاحت فرمائی کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ وَلَا
الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ ۴

کہ رسول اللہ ﷺ جب لا الضالین کہہ کر آمین پکارتے تو ان کی آواز (معمول سے زیادہ) بلند ہو جاتی تھی۔

تو پھر ایک ضعیف تر اور موضوع قسم کی روایت اور کسی پیشہ ور راوی کے اس کے

خلاف کہنے سے یہ کیونکر مان لیا جائے کہ علیؓ نے بعد ازاں اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا۔

۱۔ فتح القدیر ۲۔ جمع الجوامع علامہ سیوطی ۳۔ ابن مہاجر طبع اول دہلی صفحہ ۱۲ تحفۃ الاحوزی جلد اول صفحہ ۸ ۴۔ بحوالہ مستدرک حاکم ۵۔ کنز العمال

مدینہ کہ حضرت علیؓ بسم اللہ پکار کر نہیں پڑھتے تھے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ آپ کا بسم اللہ پکار کر پڑھنا ثابت ہے۔

ویسے بھی بسم اللہ کو پکارنے یا آہستہ پڑھنے کا کوئی بھگڑا نہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی کبھی بسم اللہ کو اخفا سے پڑھا ہے کبھی پکار کر بھی پڑھا ہے۔ آپ کے اصحابؓ اور پھر تابعین میں اس کے بعد تیج تابعین سب کا ہی یہی معمول تھا۔ بہت سے لوگ بسم اللہ کو پکار کر پڑھتے تھے ۲۔ اور بہت سے لوگ اخفا سے پڑھتے تھے ۳۔

حاصل یہ ہے کہ بسم اللہ کے پکار کر پڑھنے یا نہ پڑھنے میں وسعت ہے اور یہ کوئی بحث والی بات نہیں ہے۔

اب رہی سبحانک اللہ کو منہ میں پڑھنے کی بات تو واضح ہو یہ نماز کی دعائے استفتاح ہے۔ اس کو پکار کر پڑھنے والی کوئی بات نہیں تھی نہ رسول اللہ ﷺ نے دعائے استفتاح کبھی پکار کر پڑھی نہ اس کا حکم دیا۔ پھر اس کو اخفا سے پڑھنے کی ہدایت کرنے میں کیا تکلفی جو حضرت عمرؓ اس کے بارے میں خصوصی ہدایت جاری فرماتے۔

تو وہ کو بھی پکار کر پڑھنے کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا، پھر حضرت عمرؓ نے اس کے اخفا کا حکم کیوں دیا! حضرت عمرؓ کے ربنا لک الحمد نہ پکارنے کے باب میں بھی کوئی شبہ نہیں، نہ وہ خود یہ کلمہ پکارتے تھے اور نہ رسول اللہ ﷺ کو پکارتے سنتے تھے پھر وہ اس سے منع کیوں فرماتے! تعجب ہے کہ احناف بزرگوں نے اس جھلی اور بے بنیاد اثر کو صحیح اور حسن احادیث کے مقابلہ میں قبول کر لیا ہے، آہ۔

ہوا تھا کبھی سر قلم قاصدوں کا

یہ تیرے زمانہ میں دستور نکلا

۱۔ بخاری۔ مسلم۔ ہدیٰ ابن تیم۔ سفر السعادة ۲۔ نرمذی، نسائی، ابن خزیمہ، مسند الختام

مسند السلام ۲۔ بخاری۔ مسلم۔ احمد۔ نسائی۔ ابن خزیمہ

اس روایت پر محدثین کی رائے

محدثین کے نزدیک یہ اثر چوتھے طبقہ کی روایات میں داخل ہے اور ان روایات کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا رشاویوں ہے :

چوتھے طبقہ کی بہتر سے بہتر روایات ضعیف ہیں یا ایسا احتمال ہے اور جو بدتر ہیں وہ موضوع یا مقلوب یا سخت درجہ کی منکر ہیں ۱۔

واضح ہو کہ چوتھے طبقہ کی روایات کو روایات کے بجائے تخلیق کتنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ محدثین کے بقول ان روایات کا وجود نہ دور رسالت میں تھا نہ دور اصحاب میں نہ تابعین کے دور میں اور نہ یہ تیج تابعین کے دور میں پائی جاتی تھیں بلکہ ان کی تخلیق ان سارے ہی اچھے ادوار کے بعد کی صنعت کاری ہے جو بعد کے اہل غرض نے اپنی ضرورت سے کی ہے اور حنفی بزرگوں پر تعجب ہے کہ وہ ان اختراعی روایات کو جن کی نہ ماں ہے نہ باپ، صحیح اور حسن روایات کے مقابلے میں لاتے ہوئے خدا کا خوف تو خیر نہ کسی جگہ ہنسائی سے بھی نہیں ڈرتے۔ اگر اس پر بھی حنفی بزرگوں کو اپنے موقف کے بارے میں کوئی خشن طعن باقی ہے تو یہ ان کی شہزادگی ہے یا دلیری۔ حقیقت حال کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اور حنفی بزرگوں کی اس دلیری کا المیہ اس وقت مزید دردناکی حاصل کر لیتا ہے۔ جب ایک حنفی بزرگ حضرت ابن ابیہائم کے بقول ہی یہ روایت اثر کی حد تک بھی ایک موقوف روایت ہے۔ کیونکہ اس کی سند زیادہ سے زیادہ ابراہیم مہمّی تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ یعنی صنعت کار لوگ اس اثر کی سند بھی کسی ٹھکانے تک نہیں پہنچا سکتے۔ اور وہ مقلوع اور موقوف ہو کر رہ گیا ہے۔ محدثین کے نزدیک ایسی روایات منقطع کلمات ہیں اصحاب حدیث نے ان کو مردود شمار کیا ہے۔ ۲۔

۱۔ حجتہ اللہ البالغہ نور محمد اصبح المطابع جلد اول صفحہ ۳۰۱ طبع کردہ شیعہ غلام علی لہذا
سنن جلد اول صفحہ ۲۱۸ ۲۔ فتح الکبیر حضرت ابن الہمام حنفی

اور پھر جب یہ اثری موضوع اور مغلوط ہے تو اس پر زیادہ بحث کی بھی کیا حاجت ہے! بقول۔

عاقِل کو بس اک حرف ہے تحقیق کا کافی
نادان کو کافی نہیں دفتر کا اٹالہ

احناف کی مزید دلیل

حضرت عطاءؒ نے کہا ہے کہ آمین دُعا ہے (بخاری)

اس پر احناف بزرگ بات اٹھاتے ہیں کہ دُعا کے بارے میں قرآن کریم کی ہدایت یہ ہے کہ اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً کہ اپنے رب کو عاجزی اور انخاس سے پکارو۔

گزارش ہے کہ کلمہ آمین کو دُعا کے ساتھ منسلک ہونے کی وجہ سے اسے دعا کہہ دیا گیا ہے ورنہ آمین فی فہمادعا نہیں ہے اور خود حنفی بھائی بھی اگر ایک لمحہ کے لئے اپنی ضد سے الگ نہ کر اپنے آپ میں بھی غور کر لیں گے تو آمین کو دعا نہیں پائیں گے۔
دیکھئے آمین کا معنی ہے (الہی) ایسا ہی ہو۔

اور جب تک آپ نے خدا تعالیٰ سے کچھ چاہا نہیں ہوگا تو آپ ہی فرمائیے کہ محض ایسا ہی ہو، ایسا ہی ہو کیا معنی رکھتا ہے۔
عزیز و ادعا میں طلب شرط ہے۔ بے طلب کوئی بڑی سے بڑی عبادت بھی دعا نہیں بن سکتی۔

مثلاً آپ جب اپنے رب سے درخواست کریں گے کہ الہی! میری مشکل کو دور فرمائیے تو یہ مرحلہ آمین کے استعمال کا ہے اور اب یہ کلمہ بھی ہامقصد بن گیا کہ الہی! جو میں نے آپ سے طلب کیا ہے آپ کی مہربانی سے

ایسا ہی عمل میں آئے۔ لیکن اگر آپ نے کچھ مانگا نہیں تو آمین آمین پکارنے سے کیا حاصل ہوگا؟

بغیر کسی طلب کے آمین کہنا بالکل معمول بات ہے، اس لئے آپ کو یہ بات سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیے کہ آپ کی دلیل بے بنیاد ہے اور آمین کا کلمہ بطور خود کوئی دعا نہیں ہے بلکہ اس کو کسی دعا کے بعد ہی پکارا جاتا ہے۔ اور اس کا مصرف یہی ایک مصرف ہے۔ آمین کو جب دعا کے بعد پکارا جائے گا تو یہ ایک درخواست ہوگی جو اپنی دعا میں زیادہ زور پیدا کرنے اُسے موثر بنانے اور اپنی دعا میں عاجزی کی مقدار کو بڑھانے کے لئے اللہ کے حضور پیش کی جاتی ہے۔ اور یہی اس کا موقع اور یہی اس کا مصرف ہے۔ پس حضرت عطاء کا یہ کلمہ آمین کے اخفا کی ہرگز دلیل نہیں ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عطاء کا یہ قول ان کی بیان کردہ اس روایت کا حصہ ہے جس میں انہوں نے آمین کو با واز بلند پکارنے کی خبر دی ہے۔

ایک نظر وہ روایت پھر ملاحظہ فرمائیے۔ پھر ہم فعلہ آپ پر ہی چھوڑ دیتے ہیں کہ آپ کا حضرت عطاء کے اس قول کو آمین کے اخفا کے ثبوت میں پیش کرنا کہاں تک صحیح ہے۔ عطاء فرماتے ہیں :

أَمِينَ دُعَاءُ ابْنِ الرَّبِيعِ وَمَنْ وَرَأَاهُ حَتَّى أَنْ
لِلْمَسْجِدِ لِلْجَنَّةِ ۝

آمین ایک دعا ہے اور میں نے حضرت ابن زبیرؓ کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔ جب انہوں نے (واللہ اعلم) کہہ کر آمین پکاری تو پوری مسجد نمازیوں کی آمین سے گونجنے لگی۔

روایت اپنے پورے پیش منظر، پس منظر سمیت آپ کے سامنے ہے آپ خود ہی

ابن بخاری شریف باب جہر الامام بالغامین

فیصلہ فرما دیجئے کہ حضرت عطاء کا آمین کو دعا کہنے سے کیا مطلب تھا!

اب رہا حقی بزرگوں کا دعا کو اخفا سے پکارنے کے لئے قرآن کریم کی آیہ مبارکہ سے استدلال و استشہاد تو گزارش ہے کہ جب آمین دعائی نہ ثابت ہو سکی تو یہ آیہ مبارکہ اس کو کیونکر موثر ہوگی۔ تاہم قرآن پاک نے جو دُعا کو تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً پکارنے کی ہدایت فرمائی ہے تو اس کا مطلب بھی یہ نہیں کہ تم دل ہی دل میں دُعا کیا کرو بلکہ اس کا مطلب بھی دعا کرتے وقت چلانے سے منع کرنا ہے اور خود قرآن پاک نے بھی اس اخفا کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں جب فرمایا:

وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَوَاتِكَ وَلَا تَخَافَتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝۱۰۰
دعا زیادہ جج کر مانگ نہ بالکل اندر ہی اندر بلکہ اس غرض سے اعتدال ملحوظ رہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اُنْزِلَ ذَٰلِكَ فِي الدُّعَاءِ (بخاری)
کہ یہ آیہ مبارکہ دعا کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ آیہ مبارکہ خود رسول اللہ ﷺ کے نزدیک بھی آمین پکارنے کو موثر نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو آپ کی موجودگی میں آپ کی اقتداء میں اور آپ کی مسجد میں آمین کو ہوازا بلند کیوں پکارا جاتا۔

یہ آیہ مبارکہ مکہ معظمہ میں اتر چکی تھی اور آمین پکارنے کی سنت مدینہ منورہ میں جاری ہوئی۔ اگر یہ آیت آمین کو موثر ہوتی تو آپ لوگوں کو ضرور بتا دیتے اور انہیں آمین پکارنے سے روکتے۔ جبکہ امر واقعہ اس کے خلاف ہے اور آپ نے آمین پکارنے سے روکنے کے بجائے اس کو پکارنے کا حکم دیا اور اس کی حکمت بھی ساتھ ہی بتادی کہ تمہاری آمین کے ساتھ خدا کے فرشتے بھی آمین پکارتے ہیں۔ اور پھر اگر کسی خوش نصیب کی آمین فرشتوں کی آمین سے ہموار ہو گئی تو دُعا کے قبول ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے اور بات موافق رہی تو آمین کہنے والے کے گزشتہ سارے ہی گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

تراویح

(۸) یا (۲۰)

آٹھ یا بیس!

نماز تراویح-----آٹھ یا بیس؟

وجہ تسمیہ

لفظ ترویجہ کی جمع ہے اور ترویجہ راحت سے مشتق ہے اور آپ جانتے ہی ہیں کہ راحت آرام کو یا آرام حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔

تراویح کی اصطلاح اس نماز کے لئے خاص ہے جو رمضان المبارک میں نماز عشاء کے ساتھ قیام اللیل کے بطور ادا کی جاتی ہے۔ لفظ تراویح حدیث میں وارد نہیں ہوا رسول اللہ ﷺ اس نماز کو ادا کرتے تھے مگر اس کو تراویح نہیں بلکہ صلوۃ اللیل یا قیام اللیل کہا جاتا تھا۔

اصحاب رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی اس نماز کے لئے کبھی تراویح کا کلمہ استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس نماز کے لئے یہ اصطلاح بعد کے دور کی پیداوار ہے۔ مگر چونکہ یہ اصطلاح اس نماز کے عین حسبِ حال تھی اس لئے پوری امت نے ہی یہ جانے بغیر کہ یہ اصطلاح کب وجود میں آئی اور یہ کس کی اختراع ہے اس کو نجوشی قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے دور میں تو یہ نماز اپنے اندر ایک قسم کا کیف سوئے تھی اور لوگ و فور لذت سے اس کے اندر ڈوب ہی جایا کرتے تھے اور محویت کے غلبہ سے بے خود ہو جاتے تھے امام اس نماز کو جس رغبت اور جس شوق سے ٹھہر ٹھہر کر ورتل القرآن کرتے تھے ارشاد میں ڈوب کر پڑھاتا تھا اس کے مقتدی بھی اسی ذوق و شوق اسی رغبت و محبت اسی کیف و محویت اور اسی جذب و کشش میں ڈوبے آخر تک اس کا ساتھ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات یہ خدشہ محسوس ہونے لگتا کہ مبادا سحری کا وقت ہی گزر جائے۔

راوی کہتا ہے کہ ہم جب نماز میں کھڑے کھڑے تھک جاتے تو بعض لوگ اپنی لائیوں کا سہارا اختیار کر لیتے تھے۔ ایسے میں جب امام سلام پھیرتا تو (تھکاوٹ کی وجہ سے)

سب کی یہ خواہش ہوتی کہ اگلی نماز کے لئے قیام سے قبل چند منٹ آرام حاصل کر لیا جائے اور پھر اس نماز میں آخر تک یہی صورت قائم رہتی کہ لوگ وقفہ وقفہ سے آرام کرتے۔ اسی وجہ سے بعد میں اس نماز کا نام ہی نماز تراویح مشہور ہو گیا یعنی وہ نماز جس میں بار بار آرام کیا جاتا ہے اور بار بار ہی راحت حاصل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

آج کیا صورت ہے!

اب تراویح کے مسئلہ پر جھگڑنے والے لوگوں سے پہلا سوال یہی بنتا ہے کہ وہ جس نماز تراویح کے لئے رکعتوں کی تعداد پر جھگڑ رہے ہیں کیا انہوں نے کبھی غور کیا کہ ان کی اپنی نماز تراویح نماز تراویح بھی ہے یا نہیں؟

اب تو تراویح کی نماز کو بطور نماز تراویح ادا کرنا بھلے زمانوں کی یاد ہی رہ گئی ہے ورنہ تراویح کے نام سے آج جو نماز ہماری مساجد میں ادا ہو رہی ہے اس کو نماز تراویح کے بجائے نماز عاجلہ ہی کہنا زیادہ مناسب ہے یعنی وہ نماز جو سب قسم کی نمازوں میں سب سے زیادہ تیز بھاگم بھاگ اور جلدی جلدی ادا کی جاتی ہے۔

اس میں طعن والی کوئی بات نہیں امر واقعہ یہی ہے کہ جن مساجد میں آٹھ تراویح ادا کی جاتی ہیں قرآن کی قرأت کا طریقہ اگرچہ وہاں بھی کچھ زیادہ قابل رشک نہیں ہوتا۔ تاہم قاری کے سانس لینے کا پتہ ضرور چل جاتا ہے، مگر جن مساجد میں بیس تراویح ادا کی جاتی ہیں وہاں قرآن پاک کا حال بہت پتلا ہوتا ہے۔ قرآن کا پارہ! نہیں بھی آٹھ تراویح والوں کے ساتھ ہی ختم کرنا ہوتا ہے اس لئے نماز کھڑی ہونے کے ساتھ ہی امام خیر میل کی رفتار سے دوڑنے لگتا ہے اسے پھر نہ کوئی وقف مطلق آڑے آتا ہے نہ کوئی وقف لازم ہی اس کی راہ روکتا ہے نہ اس کے سامنے کسی وقفے کی پیش چلتی ہے نہ معاملہ کی کو قاف آپس میں ختم کھا ہونے لگتے ہیں۔ آئیں آئیں میں گھس رہی ہوتی ہیں مگر وہ پوری رفتار سے اسٹیشن پر اسٹیشن

چھوڑے چلا جاتا ہے نمازیوں کے گھٹنے پورے زور سے زمین کے ساتھ ٹکرا رہے ہوتے ہیں مگر وہ اللہ اکبر پر اللہ اکبر گرائے چلا جاتا ہے۔ مقتدی ابھی ایک اللہ اکبر سے سنبھلنے نہیں پاتے سر اللہ اکبر اٹھاتا ہوا آگے نکل جاتا ہے۔

اس کے صرف پڑھنے کی آواز سنائی دیتی ہے مگر کوئی نہیں جان سکتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے کہاں سے پڑھ رہا ہے۔ مرزا غالب کی مشکل گوئی اور مشکل پسندی پر پھبتی کہی گئی تھی کہ۔

کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

یہی حال یہاں قرآن پاک کا ہو رہا ہوتا ہے اور یہ وہی نماز تراویح ادا کی جا رہی ہوتی ہے جسے تراویح ہی اس لئے کہا گیا تھا کہ اس کو ٹھہر ٹھہر کر اور آرام لے لے کر ادا کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود ضد یہی ہے کہ ہم بیس ہی پڑھیں گے یعنی۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

آٹھ اور بیس کا ایک لطفیہ

میں نے اپنے ایک عزیز تلمیذ مولوی عبدالرحمن صاحب سے جو ہمارے شہر کے حوالی میں رہتے ہیں کہا کہ آپ اپنے ہاں جمعہ جماعت کا بندوبست کریں ان کے اہل دیہہ کسی اہل علم کے محتاج ہی تھے۔ انہوں نے میری اس خواہش کا ان سے ذکر کیا تو وہ بڑے خوش ہوئے اور پھر اگلے روز سے ہی مولوی صاحب نے اپنا کام جاری کر دیا۔ چند ماہ بعد رمضان المبارک کے چاند نے مطلع کیا تو تراویح کا مسئلہ سامنے آگیا۔

وہ لوگ قدیم سے ہی بیس تراویح پڑھتے چلے آ رہے تھے۔ مولوی صاحب نے

فرمایا کہ ہم تو آٹھ تراویح پڑھائیں گے وہ کہنے لگے کہ ہم تو اپنے باپ دادا سے ہی بیس رکعت تراویح پڑھتے آئے ہیں، ہم اب بھی بیس ہی پڑھیں گے۔ مولوی صاحب نے انہیں بہت کہا کہ بیس تراویح کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور جو صحیح روایت وارد ہوئی ہے وہ صرف آٹھ تراویح کے حق میں ہی ہے، مگر وہ لوگ نہ مانے اور اپنی بات پر بھند رہے۔

مولوی صاحب کے دل میں کوئی بات آئی، ذرا سا سوچا اور پھر کہا چلے آپ کی مرضی ہم بیس ہی پڑھا دیتے ہیں، وہ بڑے خوش ہوئے کہ مراد بر آئی۔ مولوی صاحب نے اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لی اور پہلی دور رکعت میں ہی کم و بیش بیس منٹ صرف ہو گئے۔ وہ لوگ بیس منٹ میں بیس رکعت پڑھنے کے عادی تھے۔ جب بیس منٹ میں صرف دور رکعت کا سفر ہی طے ہوا تو پریشان ہوئے مگر برداشت کر گئے۔ مولوی صاحب نے اگلی دور رکعت کی نیت سے نماز شروع کی اور پھر بیس منٹ میں یہ دور رکعت بھی تمام ہو گئیں، اور اب تک بہت سے بیس رکعتی مقتدیوں کا حوصلہ جواب دے چکا تھا۔ سلام پھیرتے ہی ایک صاحب نے آواز دی، مولوی صاحب! آپ نے جو آٹھ رکعت کا کہا تھا تو کیا آٹھ رکعت صحیح حدیث سے ہی ثابت ہیں؟ مولوی صاحب نے کہا چھوڑیے صاحب ہم بیس رکعت ہی پڑھیں گے، آٹھ پڑھ کر آپ کے باپ دادا کی روح کو کیوں تکلیف دی جائے۔

اب تو دو، چار، پانچ آدمی اور بھی بھولنے لگ گئے۔ کہ نہیں صاحب اگر آٹھ تراویح صحیح حدیث سے ثابت ہیں تو ہمارے بزرگ بھی تو اللہ اور اس کے رسول کے عاشق تھے، انہیں بھلا حضور علیہ السلام کی حدیثوں پر عمل کرنے سے کیوں تکلیف ہو گی، آپ آٹھ ہی پڑھائیں اور پھر سارے لوگ آٹھ پڑھ ہی راضی ہو گئے۔ اور اب جو سولہ رکعت ابھی باقی تھیں، پھر اگلی چار میں ہی پوری ہو گئیں۔

انعامی چیلنج

ہمارے ہاں ایک دوسرے کے مقابلہ میں انعامی چیلنج بازی کا بڑا رواج ہے اگرچہ مجھے یہ انداز فکر کبھی پسند نہیں آیا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ حق ہمیشہ حق رہتا ہے خواہ کوئی اسے قبول کرے یا منہ بنائے بیٹھا ہے۔

مگر ایک مرحلہ پر مجھے بھی یہاں ایک جوابی انعامی چیلنج کی مجبوری پیدا ہو گئی۔ ہوا یوں کہ ہمارے شہر کے بریلوی مسلک لوگوں کی ایک مسجد کے خطیب نے اپنے حاضرین کے سامنے خطبہ جمعہ کے اندر یہ باگلی لگائی کہ تراویح صرف بیس ہی ہیں اس سے کم ثابت نہیں ہیں۔ اور اگر کوئی شخص آٹھ تراویح کا ثبوت پیش کر سکے تو میں اُسے پانچ صد روپے انعام دوں گا۔ شہر میں ان کی بات کا عام چرچا ہوا۔ پھر ان کے کچھ سرچڑھے اور منہ زور لوگ اہلحدیث کو راہ چلتے گھیرنے اور زنج کرنے لگے۔

پھر کچھ اپنے فریق کے نوجوان اور کچھ فریق ثانی سے تعلق رکھنے والے نوجوان حق کی طلب اور تجسس حال کی غرض سے میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ فلاں مولوی صاحب نے آٹھ تراویح کا ثبوت فراہم کرنے پر پانچ صد روپے کا انعامی چیلنج دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ تراویح صرف بیس ہی ہیں آٹھ نہیں ہیں آپ اس کے جواب میں کیا کہتے ہیں؟ اگر آپ صحیح حدیث سے آٹھ تراویح ثابت کر سکیں تو پھر ہم ان سے بات چلاتے ہیں۔

میں نے کہا اہلحدیث کا یہ بڑا صاف ستھرا اور نہایا نکھر مسلک ہے کہ تراویح آٹھ ہی ہیں۔ اس کے خلاف ہر گز کچھ ثابت نہیں ہے! کہنے لگے تو پھر بات ٹھل جانی چاہیے۔ ان کے انعامی چیلنج نے شہر میں بڑی شہرت حاصل کر لی ہے۔ میں نے کہا تو ٹھیک ہے کل جمعہ ہے اور میں خطبہ جمعہ کے اندر ہی سب لوگوں کے سامنے اُنہی مولوی صاحب کی زبان میں بات کروں گا۔ آپ بھی سب تشریف لے آئیں۔ پھر میں نے اگلے روز جمعہ کا خطبہ مسئلہ تراویح

کے لئے ہی خاص کر دیا اور ایک گھنٹہ تک مسلسل آٹھ تراویح والی روایات کی اصابت اور بیس والی روایات کے ضعف پر بھرپور دلائل پیش کئے۔

پھر مولوی صاحب کا قرضہ اتارتے ہوئے انہیں جوابی چیلنج دیا کہ مجھے مولوی صاحب کے انعام کی ضرورت نہیں، وہ یہ رقم اپنے کام میں لاویں، اور میرا انہیں چیلنج ہے کہ اگر وہ بیس تراویح کے حق میں کوئی ایک بھی صحیح مرفوع حدیث پیش کر سکیں تو میں انہیں بیس ہزار روپے انعام میں پیش کروں گا۔ اب وہ جب چاہیں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ میرے پاس تشریف لے آئیں یا مجھے وقت اور تاریخ سے مطلع فرمادیں، میں انکی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔

اس جوابی چیلنج کا اہل شہر پر وہی اثر ہوا جو پانچ صد روپے کے مقابلہ میں بیس ہزار کی خطیر رقم کا ہو سکتا تھا۔

ساتھ ہی پورے اہل شہر کے دلوں اور دماغوں سے اُن کے چیلنج کی سیاهی دھل گئی جس طرح تیز بارش میں برگ و بار سے گرد و غبار دھل جاتا ہے۔ اب مولوی صاحب کے اپنے ہی نوجوان اُن کے گرد ہوئے کہ چلئے صاحب بیس ہزار روپے کی رقم مل رہی ہے ایسے مواقع روز روز نہیں آتے۔ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا، چھوڑو یا! بحثوں میں کیا پڑا ہے آٹھ بھی ٹھیک ہیں اور بیس بھی ٹھیک ہیں۔

مسجد نبویؐ

بات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ہم وہاں چلتے ہیں جہاں سے بات چلی ہے۔ واضح رہے کہ اس بات میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں صرف ایک ہی برس تین رات تک اپنے اصحابؓ کو نماز تراویح پڑھائی ہے۔ ابو داؤد، ترمذی اور نسائی کی روایت کے بموجب جو حضرت ابوذر غفاریؓ سے وارد

ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رمضان المبارک کا مہینہ آخر تک پہنچ رہا تھا مگر نبی ﷺ نے ہماری ساتھ قیام نہیں فرمایا لیکن جب صرف سات روز باقی رہ گئے تو آپ نے مئیسویں شب ہم کو نماز تلوٹح باجماعت پڑھائی اور تہائی رات تک قیام فرمایا۔

پچیسویں رات کو آپ نے پھر ہمیں یہ سعادت بخشی اور نصف شب تک قیام کیا۔ ستائیسویں شب آپ نے اپنے تمام افراد خانہ کو خواتین سمیت ہمراہ لے کر ہمیں نماز پڑھائی اور یہ قیام آپ نے اتنا طویل فرمایا کہ ہمیں خطرہ ہوا مبادا سحری کا وقت گزر جائے۔

پھر اگلی شب آپ اس نماز کے لئے باہر نہیں نکلے، اصحاب انتظار کرتے رہے مگر آپ صبح سے قبل نہیں نکلے۔ صبح کو تشریف لائے تو فرمایا میں تمہاری بے چینی سے تو گاہ تھا مگر نماز کے لئے اس لئے نہیں نکلا کہ اس نماز کو باجماعت ادا کرنا کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے اور تم اس کو نبھانہ سکو۔ اس بات پر سارے ہی اہل سنت مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو تین شب یہ نماز پڑھا کر پھر ترک کر دی اور حکم دیا کہ تم اس نماز کو اپنی اپنی جگہ ادا کر لیا کرو۔

پھر اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ آپ کی زندگی کا اگلا سارا عرصہ اور حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت کا پورا دور یہ نماز یونہی الگ الگ ہی پڑھی جاتی رہی۔

اس نماز کو دوبارہ باجماعت ادا کرنے کا اہتمام پھر حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفہ دوم کے دور خلافت میں ہوا۔ جب یہ بات صاف ہو چکی کہ اب نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا وہ خدشہ وجود نہیں پاسکتا کہ یہ نماز مسلمانوں پر فرض ہو جائے گی۔

روایت کے بموجب ایک شب حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حسب معمول ہی الگ الگ نماز ادا کرتے دیکھ کر یہ بات پسند کی کہ بہت ہی اچھا ہو اگر ان سب کو ایک امام پر جمع کر دیا جائے۔

چنانچہ پھر آپ نے اپنی اس محبوب خواہش کو عملی جامہ پہناتے ہوئے فَجَمَعَهُمْ

عَلَىٰ أَبِي بِنِ كَعْبٍ ۖ اِنَّهُنَّ اَبْنَىٰ بِنِ كَعْبٍ كِي لَامَتِ مِيں جَمْع كَر دِيَا۔

نبی ﷺ كِي تِنِ شَب تِك يِه نَمَاز بَا جَمَاعَت پڑھَانِي، پھر تَرَك كَر دِيِنِي اور دُورِ صَدِيقِي مِيں اِسي حَالَت كِي قَائِم رَہِنِي اور بِالْآخِر عَمَد فَا رُوقِي مِيں اِس جَمَاعَت كِي دُوبَارِه جَارِي ہُونِي تِك كِي وَاقِعَات پَر اِلْجَمَدِیْث اور اِحْتَفَاف مِيں كُوئی اِخْتِلَاف مُوْجُود نِہِيں ہِي۔

اِخْتِلَاف كِي نُوْعِيَّت

اِخْتِلَاف كِي نُوْعِيَّت وَاقِعَات سِي ہِٹ كَر دُوسَرِي ہِي اور يِه اِخْتِلَاف اُس وَقْت پِيْدَا ہُوا جَب آگِي چَل كَر كِچھ لُوكُوں نِي رَسُول اللہ ﷺ كِي اِدَا كَر دِه رَكَعَات تَرَاوِج مِيں عِدْدِي رُخ سِي اِپْنِي ہَر ضِي دَاخِل كَرْنِي كِي اِخْتِلَاف كِي اِيك رَاہ پِيْدَا كَر دِي۔ كَمَا يِه گِيَا ہِي كہ :

رَسُول اللہ ﷺ نِي جَو تِنِ شَب تِك اِپْنِي اَصْحَاب كُو نَمَاز تَرَاوِج پڑھَانِي تَحِي تُو يِه بِيں رَكَعَت پَر مُشْتَمِل تَحِي اور آپ كَا اِپْنَا مَعْمُول بِيں رَكَعَت اِدَا كَر تَا يِي تَحَا۔ پھر آپ كِي بَعْد آپ كِي اَصْحَاب كَا بِيں بِيں مَعْمُول رَاہِي۔

كُسي اَمْر مِيں جھگڑِي كَا چَل جَانَا كُوئی غِيَر مَعْمُولِي بَات نِہِيں ہِي، جھگڑِي كِي بِنْيَاد كُوئی غَلَط فَنِي بِيں ہُو سَكْتِي ہِي اور غَلَط بِيں اور كِسِي اِس كِي وَجہ نِيَّت كِي خَرَابِي بِيں ہُو تِي ہِي۔

اَوَّل الذِّكْر دُونوں صُورَتوں مِيں جھگڑِي كَا حَل بِالْكُلِّ مُمَكِّن ہِي۔ لِيكِن اَكْر كُسي جھگڑِي اور اِخْتِلَاف كَا سَبَب آخِر الذِّكْر صُورَت ہُو، تُو ظَاہِر ہِي اِس سِي مَقْصُود كُسي اَصْلِيَّت كَا پَانَا نِہِيں ہُو تَا بَلْ كِه يِه اِخْتِلَاف كُسي ذَاتِي غَرَض اور اِپْنِي مُفَادِ سِي ہُو تَا ہِي اور اِس كَا كُوئی حَل نِہِيں ہِي۔

جَو لُوكُ آج بِيں نِي الْوَاقِعِ يِ اِس بَات پَر اِيْمَان رَكْتِي ہِيں كہ رَسُول اللہ ﷺ كَا مَعْمُول بِيں رَكَعَت تَرَاوِج بِيں تَحِيں، پھر اَكْر دِه اِپْنِي اِس عَقِيْدِي كِي حَق ہُونِي مِيں مُخْلِص

۱۔ بخاری باب فضل من قام رمضان

ہیں، ضدی اور مٹھب نہیں ہیں تو ہمیں ان کا بہ دل و جان احترام ہے۔ جبکہ اہل حدیث کا مسلک یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ آٹھ رکعت ہی پڑھائی تھیں۔ تو اگر یہ اختلاف نیک نیتی سے ہے اور اس کے پیچھے کوئی اپنی غرض، اپنا مفاد اور کوئی عصیت جاہلیہ نہیں ہے تو اس کا فیصلہ نہایت آسان ہے۔

آئیے دونوں قسم کی روایات سامنے رکھ لیتے ہیں اور پھر ان کی صحت اور ان کا ضعف و قوت معلوم کرتے ہیں۔ اگر صحیح روایات وہ ثابت ہوں جن میں رسول اللہ ﷺ کے آٹھ رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے تو ہم سب پر ہی حضور کے ارشاد کی تعمیل لازم ہے؟ کیونکہ بات تو نبی ﷺ کی ہی مانی جائے گی کیونکہ شارع وہی ہیں۔

اور اگر صحت ان روایات کی دامن کی دولت ہو جن میں بیس رکعت کا ذکر ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ بیس رکعت کو اختیار نہ کر لیا جائے۔

فیصلہ تو بڑا آسان ہے، مگر جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس غرض سے نیت کا نیک، صالح اور صاف ہونا ضروری ہے۔ آدمی بے جا ضد سے دور اور گروہی تعصب سے نفور ہو تو کوئی مرحلہ مشکل نہیں رہتا۔

مشکل نیست کہ آسان نشود

مرد باید کہ ہر اسان نشود

مسئلہ کی صحیح صورت

جھگڑے اور ضد کی بات الگ ہے، ورنہ اس میں جھگڑے والی کوئی بات نہیں ہے۔ حدیث پاک نے اس مسئلہ کو بڑی خوبی سے صاف کر رکھا ہے کوئی سننے پر آمادہ نہ ہو، تو اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے۔ بات چلانے سے پہلے یہاں ہم بخاری شریف کی ایک حدیث از اول تا آخر من و عن اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کئے دیتے ہیں جو تراویح کے مسئلہ میں

قول فیصل کا حکم رکھتی ہے :

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ
سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ
عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ
عَنْهَا كَيْفَ كَانَتْ صَلَوةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ ؟
فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يُذَيِّدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِدْلِ سِتْرَةٍ
رَكْعَةٍ - ۱ -

ترجمہ : امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے بتایا کہ
مالک نے انیس سعید بن ابی سعید کی زبان سے ابو سلمہ بن عبد الرحمن
کہ یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ
صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رمضان المبارک کی راتوں
میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کیسی ہو کرتی تھی ؟

اس کے جواب میں حضرت عائشہ نے فرمایا - رمضان ہو یا کوئی دوسرا
مہینہ آپؐ کی رات کی نماز ہمیشہ گیارہ رکعت ہی ہوتی تھی (اس سے زیادہ
کبھی نہیں ہوئی - ان گیارہ رکعت میں آٹھ رکعت تراویح اور تین وتر جیسا
کہ دوسری روایات میں اس کی تفصیل موجود ہے)

بات میں بحث کی گنجائش تو کوئی نہیں مگر تعجب ہے کہ احتاف بزرگوں نے
یہاں بھی بحث کا میدان پیدا کر دیا ہے - بڑی ہی سیدھی بات ہے کہ کسی مسلمان نے جب

۱ - بخاری شریف شائع کردہ سعید ابنہ سنن قرآن منزل کراچی جلد اول صفحہ ۴۵۰ حدیث نمبر ۱۰۷۶ باب
فہام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ

رمضان المبارک کے فضائل اور اس کی برکات و حسنات کا ذکر سنا تو اسے خیال گذر کہ رسول اللہ ﷺ اس مبارک مہینے میں ضرور ہی اپنے معمول (یعنی تہجد کی نماز) سے زیادہ عبادت کرتے ہوں گے اور اس نے اپنا شبہ نکالنے کے لئے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رابطہ پیدا کیا اور مسئلہ صاف کر لیا پھر بات اسی پر ختم ہو گئی۔

تراویح یا قیام اللیل کے سلسلے میں بعض روایات میں آٹھ سے کم رکعات بھی وارد ہوئی ہیں، مگر آٹھ سے زیادہ رکعت کی بات کہیں وارد نہیں ہوئی۔ بخاری شریف میں ہی حضرت عروہؓ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں:

كَانَ يُصَلِّي إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً ۱۔

کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز گیارہ رکعت ادا کرتے تھے۔

حضرت مسروقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوُتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ ۲۔

کہ نبی ﷺ رات کو تیرہ رکعت ادا کرتے تھے۔ ان میں آٹھ نفل تین وتر اور دو رکعت سنت فجر ہوتی تھیں۔

ایک توجہ طلب حقیقت

یہ تین روایات جو ہم نے بخاری شریف سے پیش کی ہیں ان سب کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز سے ہی ہے۔

۱۔ بخاری باب طول السجدة فی قیام اللیل ۲۔ بخاری باب کیف کان صلوة النبی وکم کان النبی ﷺ یصلی من اللیل۔

مطلب یہ ہے کہ آپ کا معمول تورات کو گیارہ رکعت (آٹھ نفل تین وتر) کا ہی تھا۔ اگرچہ کبھی بوجہ اس سے کم رکعت پر بھی کفایت کر لیتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف کے مطابق ہی کبھی آپ صبح کی نماز سات رکعت (چار نفل تین وتر) کبھی نو رکعت (یعنی چھ نفل اور تین وتر یا آٹھ رکعت اور ایک وتر) پر مشتمل ہوتی تھی اور ہو سکتا ہے کہ ایسی صورتیں آپ علالت کے باعث اختیار کرتے ہوں۔

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ آپ قیام اللیل یا تہجد کے بطور آٹھ رکعت و نوافل سے کم تو کر لیتے تھے مگر یہ نفل آٹھ سے زیادہ کبھی ادا نہیں کئے اور یہی مطلب ہے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس حدیث کا کہ مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَ رَكْعَةٍ کہ رمضان کا مہینہ ہو یا کوئی دوسرا رات کی نماز آپ نے گیارہ رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی۔

قیام اللیل کیا ہے؟

صورت یہ تھی کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو نبی ﷺ کی پچھلی رات کی نماز یعنی نماز تہجد کو جسے قیام اللیل بھی کہا گیا ہے عشاء کی نماز کے ساتھ ملا دیتے تھے۔ رمضان المبارک کے علاوہ آپ کا قیام اللیل تہجد کہلاتا ہے اور یہی قیام اللیل رمضان المبارک میں جب نماز عشاء سے ملا دیا گیا تو اس نے نماز تراویح کا نام پایا۔ آپ نے یہ صورت اس لئے اختیار فرمائی کہ امت پر بوجھ نہ ہو اور عام لوگ بھی ہآسانی قیام اللیل کا ثواب حاصل کر سکیں۔ اور ظاہر ہے کہ اگر قیام اللیل کو پچھلی رات سے ہی خاص رہنے دیا جاتا تو بے شمار لوگ قیام اللیل کے ثواب سے محروم رہ جاتے۔ رات کو اٹھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ جبکہ رات کو اٹھنے کی شدت کو خود قرآن پاک نے بھی اِنْ نَاشِئْتَ اللَّيْلَ وَهِيَ أَشَدُّ وَطْأً کے الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قیام التلیل اور نماز تراویح ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ یہی قیام التلیل جب رمضان المبارک میں واقع ہو تو اس کو تراویح کہتے ہیں اور یہی جب رمضان المبارک کے علاوہ دوسرے گیارہ مہینوں سے وابستہ ہو تو اس کا نام قیام التلیل یا نماز تہجد ہے۔

کچھ مزید روایات

اگرچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی سطح پر نہ سنی لیکن آٹھ تراویح کے حق ہونے کی روایات کا ایک انبار موجود ہے اور بطور مثال یہ تین روایات پیش خدمت ہیں :

☆ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اِنَّهُ قَامَ بِهِمْ فِي رَمَضَانَ فَصَلَّى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَ اَوْتَرَ ۱ کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں ان کے ساتھ قیام کیا اور آٹھ رکعت ادا کیں اور پھر وتر پڑھے۔

☆ حضرت جابرؓ ہی سے روایت ہے کہ : صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ ۲ کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ساتھ لے کر رمضان میں آٹھ رکعت ادا کیں اور پھر وتر پڑھے۔

☆ اَمْرَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَبِي كَعْبٍ وَ تَمِيمًا الدَّارِيَّ اَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِاِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً ۳ کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو (بطور تراویح) گیارہ رکعت پڑھائیں۔

۱۔ ابن حبان ۲۔ ابن خزيمة ۳۔ موطا امام مالك باب ما جاء في رمضان

حنفی اہل علم اکابر

اگر کوئی شخص انصاف اور دیانت داری سے تجسس کر سکے تو وہ اس بات کو آسانی اور بخوبی پاسکتا ہے کہ اہلحدیث سے رکعت تراویح کی تعداد کا قضیہ عموماً کاروباری لوگوں کا ہی شغل ہے جو عوام کو اپنی غرض سے گمراہ کر کے اپنے پیٹ کے دھندے کے بطور اس مہم کو چھپی کئے ہوئے ہیں ورنہ اکابر احناف بزرگ جن سے حنفیت دراصل عبارت ہے وہ اس باب میں نہ صرف اہلحدیث کے حریف نہیں بلکہ وہ اہلحدیث کے ساتھ ہموار ہیں۔ ہم یہاں ایسے ہی چند حنفی بزرگوں کا ذکر کریں گے۔

حضرت ابن ہمامؒ

عظیم حنفی بزرگ ہیں حنفی مسلک کی سب سے بڑھ کر بنیادی فقہ کی کتاب ہدایہ کے شارح ہیں۔ ان کی یہ شرح فتح القدیر کے نام سے بہت مشہور ہے اور احناف کے اندر بہت اہمیت کی حامل ہے۔ وہ اپنی اسی فتح القدیر میں رقمطراز ہیں :

أَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ سُنَّةٌ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً بِالْوُتْرِ فِي
جَمَاعَةٍ فَعَلَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَتَرَكَ بَعْدَهَا

رمضان المبارک میں تراویح کی نماز دراصل گیارہ رکعت (۸ تراویح
۳ وتر) پر ہی مشتمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح یہ نماز با
جماعت پڑھائی ہے۔ پھر اس عذر سے (یہ جماعت کے ساتھ فرض نہ
ہو جائے) ترک کر دی۔

امام حضرت ابن ہمامؒ نے بھی اپنی حنفیت کی رعایت سے رسول اللہ ﷺ کی سنت آٹھ رکعت تراویح کو تسلیم کرنے کے باوجود بیس تراویح کو سنت خلفاء قرار دیا ہے، جبکہ یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ سنت خلفاء تو تب ہوتی اگر حضرت عمرؓ نے بیس تراویح پڑھانے کا حکم دیا ہو تا یا کسی صحیح روایت سے کسی دوسرے خلیفہ سے بیس رکعت ادا کرنا ثابت ہوتا۔ لیکن جب ایسی کوئی بات نہیں ہے اور صحیح روایت سے حضرت عمرؓ کا آٹھ تراویح پڑھانے کا حکم ہی وارد ہوا ہے تو بیس تراویح کو سنت خلفاء قرار دینا ہرگز صحیح نہیں

ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بعض لوگوں کے اپنے آپ بیس رکعت پڑھنے کی تاویل علامہ طحاویؒ نے یہ کی ہے کہ ان میں تراویح کی آٹھ ہی رکعتیں ہیں باقی بارہ رکعت مستحب قرار دینا کر پڑھی جاتی تھیں۔ امام ابن ہمامؒ اس تاویل کو تسلیم نہیں کرتے۔ مگر ہمیں اس سے بحث نہیں کیونکہ یہ احناف کا اپنے گھر کا معاملہ ہے، دونوں بزرگ حنفی ہیں جو چاہیں رائے رکھیں۔ ہمارا مطلب ثابت ہے کہ تراویح کی رکعت آٹھ ہی ہوتی تھیں۔

علامہ بدر دین عینی حنفیؒ

حضرت علامہ بدر دین عینی حنفیؒ اہل علم میں بڑا بلند مقام رکھتے ہیں، وہ بڑے متشدد حنفی ہیں اور اپنے مذہب کے خلاف کوئی چلک نہیں رکھتے، مگر صحیح حدیث کو تسلیم کئے بغیر انہیں بھی چارہ نہیں رہا۔ وہ حدیث عائشہؓ کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں:

نماز تراویح بلاشبہ اصل میں آٹھ رکعت اور تین و تر پر ہی مشتمل ہے اور یہی صحیح ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے وارد ہونے والی حدیث سے ظاہر ہے ۱۔

۱۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری از علامہ بدر دین عینی

ردالمختار (شامی)

در مختار فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے اس کی شرح ردالمختار کے نام سے احناف میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ شارح در مختار تحریر کرتے ہیں:

وذكر في الفتح ان مقتضى الدليل كون المسنون

منها ثمانية والباقي مستحبا - (ردالمختار جلد ۲ صفحہ ۳۸)

یعنی فتح میں ذکر کیا گیا ہے کہ دلیل کے اعتبار سے تراویح آٹھ رکعت ہی مسنون ہے اور باقی مستحب۔

حضرت ملا علی قاریؒ

حضرت ملا علی قاری ماضی قریب کے آئمہ احناف میں سرخیل کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور جیسا کہ ہم کئی بار بتا چکے ہیں کہ انہوں نے مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقاۃ کے نام لے بڑی مبسوط کتاب لکھی ہے 'فرماتے ہیں:

ان التراویح فی الاصل احدى عشرة بالوتر فی
جماعة فعله صلى الله عليه وسلم ثم تركه

لعذر۔ ۱۔

یہ تقریباً وہی الفاظ ہیں جو ہم اوپر حضرت ابن ہمامؒ سے نقل کر آئے ہیں کہ تراویح کی نماز دراصل آٹھ رکعت اور تین وتر پر مشتمل ہے جو حضور علیہ السلام نے جماعت کے ساتھ اپنے اصحاب کو پڑھائی ہے۔ پھر (فرض ہو جانے کے خوف سے) جماعت سے پڑھانا ترک کر دی۔

حضرت مولانا عبدالحق دہلویؒ مرحوم

حضرت موصوف بھی احناف کے اندر علمی اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتے ہیں اور اپنے مسلک کے ہاں سند سمجھے جاتے ہیں ان کا ارشاد ہے :

وَالصَّحِيحُ مَا وَرَدَتْهُ عَائِشَةُ أَنَّهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلَّى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً كَمَا هُوَ عَادَتُهُ فِي قِيَامِ
الْكَئِيلِ ۱۔

کہ صحیح بات وہی ہے جو ائمہ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے
وارد ہو چکی ہے کہ نبی ﷺ (ماہ رمضان ہو یا کوئی دوسرا مہینہ) نماز
تراویح ہو یا تہجد ہمیشہ گیارہ رکعتیں ہی ادا کیا کرتے تھے۔ اور یہی قیام
الکئیل کے بطور رمضان اور غیر رمضان میں آپ کا معمول تھا۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا عبدالحق لکھنویؒ

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اپنی مشہور کتاب حق الصریح ۲۔ میں اور
حضرت مولانا عبدالحق لکھنویؒ اپنی مشہور اور مقبول کتاب تعلیق المجہ شرح موطا امام محمد ۳۔
میں تحریر کرتے ہیں کہ آٹھ رکعت تراویح پر مشتمل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وارد
ہونے والی حدیث نہایت صحیح ہے۔

۱۔ ماہیت بالسنتہ صفحہ ۲۱۷ ۲۔ حق الصریح صفحہ ۲۲ ۳۔ تعلیق المجد صفحہ ۸۴۲

دوسرے آئمہ دین

حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ

احناف اہل علم کے علاوہ دوسروں کے ہاں بھی صورتِ حال یہی ہے چنانچہ حضرت امام سیوطیؒ اپنے رسالہ ”التراتوج“ ۱- میں امام جوزیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم (شوافع) کے ہاں اور امام مالکؒ کے ہاں بھی تراویح کے سلسلہ میں جس قول پر اتفاق ہے وہ وہی ہے جس پر حضرت عمرؓ نے اپنے عہد حکومت میں لوگوں کو جمع کر دیا تھا اور یہ قول اور طریقہ ہمیں بہت محبوب ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی نماز تراویح بھی گیارہ رکعت (آٹھ تراویح تین وتر) پر ہی مشتمل ہوتی تھیں۔

ایک سوال پر انہوں نے فرمایا کہ جو تیرہ رکعت کا ذکر آتا ہے تو اس میں بھی تراویح آٹھ ہی ہوتی تھیں اور باقی پانچ رکعت وتر تھے۔ ۲-

وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ سے سوال کیا گیا کہ یہ بیس رکعت کس نے نکالی ہیں اور کہاں سے نکالی گئی ہیں انہوں نے جواب دیا اس کا مجھے بھی علم نہیں ہے۔

ایک بے بنیاد عذر

آٹھ رکعت نماز تراویح کے حق میں از اوّل تا آخر دلائل کا انہار موجود ہونے کے باوجود اور خود حنفی اہل علم بزرگوں کے اعتراف کے باوجود محض جھگڑا کرنے والے لوگ جو اس جھگڑے کو اپنے پیٹ کی مصلحت سے جاری رکھنا چاہتے ہیں اور جس بات کو ان کے بزرگوں نے بھی ختم کر دیا تھا وہ اسے ختم کرنے پر آمادہ نہیں کیونکہ یہ امر ان کی دنیوی حیات کی مصلحتوں کے خلاف ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ساری روایات نماز تہجد کے بارے میں

۱- التراویح للسيوطی ۲- حضرت عائشہؓ سے وارد ہوا ہے کہ ان تیرہ میں آٹھ نفل (تراویح) تین وتر اور دو رکعت نماز فجر کی پہلی دو سنتیں شامل ہیں (بخاری)

ہیں اور ہمارے بزرگ جو آٹھ رکعت پر عباد کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد بھی جہد کی آٹھ رکعت ہی ہوتی ہے۔

یہ ہذا اس لئے بھی مردود ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو آٹھ کو الگ رکھ کر باقی بارہ کو مستحب بنانے کی کیا ضرورت تھی اور پھر عائشہ صدیقہؓ کے قول کی تصدیق کی کیوں حاجت پڑی جبکہ عائشہؓ کی وہ حدیث سائل کے اس سوال کے جواب میں ہی ہے کہ حضورؐ کی رات کی نماز رمضان المبارک میں کیسی تھی۔ سوال سے ظاہر ہے کہ سائل کو اس بات کا علم تھا کہ حضورؐ رات کو معمول کے مطابق ہی نماز ادا کیا کرتے ہیں مگر سائل نے خیال کیا کہ رمضان المبارک کی برکات سے زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل کرنے کی لئے شاید حضورؐ اس مہینے کچھ زیادہ محنت کرتے ہوں گے اور معمول کے خلاف مزید بھی کچھ رکعتیں پڑھتے ہوں گی جس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے یہ فرما کر اس کی تسلی کر دی کہ رمضان کی برکات سے تو انکار نہیں مگر حضورؐ نے اپنی رات کی نماز رمضان میں بھی ویسی رکھی تھی جو وہ دوسرے مہینوں کی راتوں میں ادا کیا کرتے تھے۔ پھر یہ سوال حضرت امام بخاری بھی رمضان المبارک کے قیام اللیل کے زیر عنوان ہی لائے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ سوال حضورؐ کی عام عبادت کے علاوہ کسی دوسری عبادت کے تجسس میں ہی تھا جس کا جواب سائل کو مل گیا۔

اس کے باوجود جھگڑا الو قسم کے حنفی بزرگ یہی کہتے چلے جا رہے ہیں کہ نہیں صاحب حضورؐ رمضان کی راتوں میں ترلوٹ الگ پڑھتے تھے اور جہد الگ ہم اس پر بحث کرنے کے بجائے خود احناف کے گھر سے ہی اس کا جواب عرض کرتے ہیں۔

حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیری جو اپنے دور کے ائمہ احناف میں شمار ہوتے ہیں ارشاد فرماتے ہیں:

لَا مَنَاصَ فِي تَسْلِيْمِهِ اَنْ رَّوَيْعَةَ عَلَيْهِ السَّلَامُ
كَانَتْ ثَمَانِيَةَ رَكَعَاتٍ وَلَمْ يَثْبُتْ فِي زَوَايِهِ مِنْ

الرَّوَايَاتِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى التَّرَاوِيحُ
وَالْتَهَجَّدَ عَلَيْهِ جَدَّةٌ فِي رَمَضَانَ ۱۰

کہ اس بات کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ نبی ﷺ کی نماز تراویح
آٹھ ہی رکعت پر مشتمل تھی، کیونکہ یہ بات کسی بھی روایت سے
ثابت نہیں ہو سکی ہے کہ حضور علیہ السلام نے رمضان کی راتوں میں
تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھی ہوں۔

مخالف دلائل

میں تراویح کے حق میں احناف کے حلقوں کی طرف سے جو باتیں دلائل کے
نام سے کہی جاتی ہیں ان کی قیمت تو اس لئے بھی کوئی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے
اصحاب رضی اللہ عنہم اور بعد کے اہل علم آئمہ اور خود احناف کے وہ بزرگ بھی جو ان کے ہاں
سند کی حیثیت رکھتے ہیں سب کو تسلیم ہے کہ تراویح اصل میں آٹھ رکعت ہی ہیں باقی سب
کچھ زائد ہے۔ اور بعد کے لوگوں کی تخلیق ہے، مگر اس کے باوجود بھی چند روایات بار بار
سامنے لائی جاتی ہیں، آئیے ایک نگاہ ان پر بھی ڈالتے جائیں۔

پہلی روایت

ابن ابی شیبہ، بیہقی اور طبرانی کی ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباسؓ
فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے رمضان المبارک میں وتروں کے علاوہ بیس رکعت ادا کرتے تھے۔
اس کا جواب ہم اپنی طرف سے نہیں دیتے بلکہ ہم اس مقصد کے لئے ایک حنفی
بزرگ اور احناف کے امام حضرت ابن ہمامؒ کو ہی تکلیف دیتے ہیں۔

۱- حضرت ابنی ہمام کا ارشاد ہے کہ یہ روایت اپنے ایک راوی ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان کے دخل کی وجہ سے سخت ضعیف اور ناقابل حجت ہے اور یہ اس لئے بھی بنائے استدلالی نہیں بن سکتی کہ یہ عائدہ حدیث کی اس حدیث کے معارض ہے جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان ہوا کوئی دوسرا مہینہ رات کو نماز صرف گیارہ رکعت ہی ادا کرتے تھے۔ ۱

۲- امام شوکانی نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ۲

۳- حنفی بزرگ حضرت بدر دین عینی نے بھی اس راوی کو بغوی کے حوالہ سے کاذب قرار دیا ہے۔ ۳

۴- ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان سخت ضعیف راوی ہے (امام بخاری، امام نسائی، امام احمد اور ابن معین) ۴

۵- ابی شیبہ منکر الحدیث ہے (تذیب الکمال) ۵

۶- یہ راوی منکر الحدیث ہے (ابوداؤد، ابوحاتم، امام ترمذی، ابن عدی) ۶

۷- یہ راوی کاذب ہے (میزان الاعتدال علامہ ذہبی) ۷

۸- شعبہ نے اس راوی سے روایت قبول کرنے سے منع کیا ہے۔ ۸

دوسری روایت

یزید بن رومان کہتے ہیں کہ لوگ عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں بشمول تین و تریس رکعت لو کرتے تھے۔ (۱) مؤطا امام مالک مترجم جلد ۱ صفحہ ۱۳۹

۱- یہ روایت اس لئے قابل حجت نہیں ہے کہ اس کے راوی یزید بن رومان نے حضرت عمر بن الخطابؓ کا زمانہ ہی نہیں پایا، یہ ان کے عہد کے بعد کی پیداوار ہے۔ عمرؓ کے زمانہ

۱- فتح القدیر ابن الہمام مع کتایبہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۷۔ ۲- نیل الاوطار شوکانی ۲۔ عمدہ الغاری شرح صحیح بخاری عینی

کے بہت سے لوگ موجود تھے اور ظاہر ہے وہ میں رکعت ادا بھی کیا کرتے ہوں گے ان میں سے کوئی شخص ایسی کوئی روایت سامنے نہیں لایا۔

۲۔ مٹلی ۱۔ شرح موطا میں ہے کہ یہ روایت موقوف ہے بلکہ صاحب مٹلی لکھتے ہیں کہ اس باب میں کوئی ایک روایت بھی مرفوع نہیں ہے بلکہ یہ سب کی سب ہی موقوف ہیں جو لائق حجت نہیں۔

۳۔ یہ روایت موقوف ہے اور ناقابل حجت ہے (امام نووی شارح صحیح مسلم۔ امام ترمذی)

۴۔ اس روایت کو مسترد کر دینے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کے اس حکم کے معارض ہے جو آپ نے ابی بن کعب اور حمیم داری کو دیا تھا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت نماز پڑھاؤ۔

۵۔ یہ بات عقلاً بھی قابل فہم نہیں کہ عمرؓ ایک حکم جاری کریں اور ان کے حکم کے خلاف لوگ اپنی مرضی کرنے لگیں۔

۶۔ سائب بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تیرہ رکعت ہی نماز تراویح پڑھا کرتے تھے۔ ۲۔ دوسری روایت میں بزمانہ عمرؓ گیارہ رکعت ادا کرنے کا ذکر ہے۔ ۲۔ ایسی ہی کچھ اور بھی ضعیف، نالائق اور بے بنیاد روایات پیش کی گئی ہیں۔ قارئین ان کو بھی انہی دو پر قیاس فرمائیں۔

موطا امام مالک عمدة القاری شرح صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۲۵۷ ۲۔ قہام اللیل مروزی صفحہ ۹۱

جمعہ اور ظہر احتیاطی

جمعہ اور ظہر احتیاطی

جمعہ اور ظہر احتیاطی بظاہر دو مسئلے ہیں۔ مگر ہم ان دونوں کو ایک ہی عنوان سے اس لئے ذکر کر رہے ہیں کہ یہ دونوں بڑی حد تک ایک دوسرے سے گہری وابستگی کے حامل ہیں۔ ظہر احتیاطی کی حقیقت ہی چونکہ جمعہ کی ایک خاص حالت سے وابستہ ہے اس لئے غیر مناسب نہیں ہوگا اگر ان دونوں کا ذکر ایک ہی عنوان کے تحت آجائے۔

جمعہ ایک فرض امر ہے۔ قرآن پاک نے اس نماز کو اس درجہ عظیم اہمیت دی ہے کہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے اذان سنتے ہی سارے کام کاج وہیں چھوڑ کر اٹھ دوڑنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ہے: **فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ** (سورہ جمعہ) کہ اس نماز کے لئے بس اٹھ ہی دوڑو۔ اور فرمایا: **وَزُرُوا الْبَيْعَ** پھر سب قسم کا لین دین اور خرید و فروخت ختم کر دو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی اذان ہو چکے تو آپ پر ہر قسم کا کاروبار حرام ہو جاتا ہے جبکہ دوسری نمازوں کے لئے اتنی شدت اختیار نہیں کی گئی۔

حدیث رسول علیہ السلام کے بموجب بھی عورت، غلام، بچہ اور بیمار کو چھوڑ کر **الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ** (ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۱ صفحہ ۴۱۲) جمعہ کی باجماعت نماز ہر مسلمان (مرد) پر لازم اور واجب ہے۔

مگر عجیب بات ہے کہ ہمارے حنفی بھائیوں نے اس فرض واجب نماز میں بھی سخت گڑبڑ کر دی ہے اور اس کو ایسی ایسی سخت شرطوں سے مشروط کر دیا ہے کہ کوئی قسمت سے ہی جمعہ ادا کر سکے۔

قرآن پاک نے تمام اہل ایمان مردوں کے لئے بغیر کسی شرط کے

اور بلا قید شرعی دینے والی جمعہ کی نماز واجب قرار دی ہے اور حدیث پاک میں بھی ٹھیک ٹھیک
یہی کچھ وارد ہوا ہے۔

جمعہ کی فرضیت کا یہ حکم ایک مطلق حکم ہے۔ جس میں نہ کوئی شرط بیان کی گئی
ہے نہ کوئی قید رکھی گئی ہے بلکہ یہ حکم عام ہے اور سارے ہی بالغ مسلمان مردوں کو موثر ہے
مگر فقہ حنفی کا کہنا ہے کہ :

جمعہ دیہات کا مسئلہ نہیں ہے، یہ نماز کسی گاؤں میں نہیں پڑھی جاسکتی،
بلکہ جمعہ کی نماز صرف شہر میں ہی پڑھی جائے گی اور شہروں میں بھی
یہ نماز کسی ایسے شہر میں ہی ادا کی جاسکتی ہے جہاں عدالت لگتی ہو، حاکم
اور قاضی موجود ہو، احکام شرعی کا نفاذ اور حدود قائم کی جاتی ہوں۔
جس شہر میں یہ شرائط موجود نہیں ہوں گی وہاں کے لوگ جمعہ تو کیا
نماز عید الفطر اور نماز عید الاضحیٰ سے بھی محروم رہیں گے، کیونکہ یہ
دونوں نمازیں بھی ایسے ہی شہروں اور ان کے مضافات (عید گاہ
وغیرہ) میں ادا کی جاسکتی ہیں جن میں جمعہ ادا کیا جاسکے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس شہر میں حاکم اور قاضی موجود نہیں ہوگا، جہاں احکام
شرعی نافذ نہیں ہوتے ہوں گے، جہاں حدود قائم نہیں کی جاتی ہوں گی یعنی جہاں شرابی کو
کوڑے نہیں لگائے جاتے ہوں گے، جہاں چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جاتے ہوں گے۔ جہاں
غیر شادی شدہ لڑکیوں کے سو سو کوڑے نہیں مارے جاتے ہوں گے، جہاں شادی شدہ زنانی
سنگسار نہیں کئے جاتے ہوں گے، وہاں کے مسلمان جمعہ، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں سے
ہمیشہ محروم رہیں گے۔

ہدایہ شریف کے مصنف نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں حدیث کی ایک روایت پیش کی ہے کہ :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز، عید الفطر کی نماز اور عید النحر کی نماز سوائے شہر کے کسی دوسری جگہ جائز نہیں ہے۔ (باب الجمعہ)
اور حضرت مصنف ہدایہ نے اتنے بڑے دعوے کی بنیاد ایک ایسی روایت پر رکھی ہے جس کے بارے میں شارح صحیح مسلم حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اس روایت کے ضعف پر تمام محدثین کا اتفاق ہے (اور یہ لائق حجت نہیں ہے)

حضرت امام بیہقی تحریر کرتے ہیں کہ :

جمعہ کے باب میں اس قسم کی کوئی روایت بھی صحت کے درجہ کو نہیں پہنچتی۔
حضرت عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ زیلعی نے اس روایت کو ضعیف بیان کیا ہے۔

تخریجات ہدایہ میں ہے کہ اس روایت کے ضعف پر اتفاق واقع ہوا ہے۔

ثبوت پہلو

فقہ حنفیہ نے مسئلہ کو جس طرح بیان کیا ہے یہ ایک منفی کوشش ہے جبکہ اس مسئلہ کا عظیم ثبوت پہلو روایات میں بڑی باقاعدگی سے اور بکثرت موجود ہے۔
روایات کے بموجب حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطابؓ خلیفہ دوم اور حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفہ سوم کے بابرکت ادوار میں مصر اور اس کے مضافات کے وہ لوگ جو دریا کے کنارے پر بستے تھے احکام خلافت کے ماتحت جہاں جہاں وہ

مقیم تھے وہ جمعہ ادا کیا کرتے تھے۔ ۱۔

مکہ اور مدینہ کے درمیان دیہی بستیوں کے لوگ اپنے اپنے پانی کے جوہڑوں اور آبی ذخیروں پر جمعہ ادا کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو اس حال میں پایا مگر انہیں منع نہیں کیا۔ ۲۔

حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفہ رسولؐ نے بحرین کے لوگوں کو لکھا کہ تم جہاں کہیں بھی بستے ہو وہیں جمعہ ادا کر لیا کرو۔ ۳۔

الاحدیث کا عقیدہ

کتاب و سنت اور آثار صحابہؓ سے جمعہ کی ادائیگی کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا ہے الاحدیث کا عقیدہ ٹھیک اس کے مطابق ہے کہ جمع بھی دوسری نمازوں کی جماعت کے اصول پر ہی پڑھا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق دو آدمی جماعت کے حکم میں ہیں۔ پس جس طرح دو آدمی دوسری نمازوں میں باجماعت نماز ادا کر کے جماعت کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں ٹھیک ایسے ہی دو آدمی ہوں اور یادو سے اوپر انہیں جہاں موقع ملے جمعہ بھی ادا کر سکتے ہیں جس کا یہ واضح نتیجہ ہے کہ ملک کے اندر کوئی دو مسلمان جمعہ کے ثمرات اور اس کی ادائیگی سے محروم نہیں رہ سکتے جبکہ احناف اگر اپنی فقہ پر چلیں تو جمعہ سے محرومی کی بے نصیبی ان کے بخت کی تحریر بن کر ان پر مسلط رہتی ہے۔

حنفی فقہ کی ناکامی

جمعہ کی ادائیگی میں درپیش فقہی شرائط اتنی مہمل، بے جواز، غیر منطقی اور ناقابل عمل ہیں کہ خود حنفی لوگ بھی تقلید کے زنجیر بستہ ہونے کے باوجود ان کو ملحوظ نہیں رکھ سکتے اور انہوں نے ان تمام شرائط کو عملاً مسترد کر دیا ہے۔

۱۔ بیہقی ۲۔ عبدالرزاق ۳۔ ابن شیبہ

دیہات میں جمعہ کی ادائیگی کا عدم جواز شر میں بھی قاضی اور حاکم کی موجودگی احکام شرعی کے نفاذ اور حدود کے اجراء کی شرائط کا منصوبہ بس فقہ کی کتابوں میں عیاں رہ گیا ہے 'خارج میں وہاں موجود ختم کر چکا ہے۔

آج کوئی چھوٹے سے چھوٹا گاؤں بھی آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس میں حنفی موجود ہوں اور کوئی شخص جمعہ پڑھانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو تو وہاں جمعہ کا اجتماع منعقد نہ ہوتا ہو۔

قصبات کی سطح تک ایک ایک قصبہ میں متعدد حنفی مساجد موجود ہیں اور وہ سب کی سب جامع مساجد ہی ہیں ہم بڑے شہر کی بات نہیں کرتے جہاں ایک ایک شہر کے اندر اختلاف کی صد ہا مساجد ہیں اور ہر مسجد میں جمعہ ادا کیا جاتا ہے جبکہ وہاں بھی کسی ایک آدھ شرط کے سوا حنفی فقہ کی عائد کردہ شرائط میں سے اکثر ہی موجود نہیں ہوتیں۔

اس طرح یہ مسئلہ خود اختلاف کے ہاتھوں ہی خارج میں تو موت کی نیند سوچا ہے اور اب صرف کتابوں کے اندر ہی صاحب گھر کی کسی غلاب یادگار یا آثار قدیمہ کی کسی تلاش دریافت کے بطور محفوظ ہے۔

ظہر احتیاطی

حنفی عوام و خواص کی طرف سے جمعہ کی شرائط کو مسترد کر دینے سے ظہر احتیاطی خود ہی ختم ہو جاتی ہے مگر حنفی حضرات ہیں کہ اس مردہ کو بدستور ہی کندھوں پر اٹھائے ہیں۔

ظہر احتیاطی کی بنیاد یہ تھی کہ چونکہ ایک ہی شہر میں ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نماز کا ادا کرنا جائز نہیں ہے اس لئے جب کسی شہر میں ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نماز ادا کی جا رہی ہو تو خطرہ ہے کہ شاید کسی کا بھی جمعہ ادا نہ ہو سکا ہو۔ ایسی صورت میں شہر کے

لوگ جمعہ کے بعد احتیاطاً ظہر کی چار رکعت بھی ادا کر لیں، تاکہ اگر جمعہ شمار میں نہ آسکا ہو تو ظہر کی نماز شمار ہو جائے۔

نہ جمعہ نہ ظہر

امرو واقعہ یہ ہے کہ اسلام کا ہر حکم اور ہر فعل یقین کی ترازو میں ٹھکتا ہے۔ اسلام کے اندر ریب و شک کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ۔

کہ اس قرآن پاک میں شک والی کوئی بات بھی موجود نہیں ہے یعنی یہاں ہر بات یقینی اور یقین کے ترازو آتری ہے۔ اس کوچہ میں شک اور شبہ کا کوئی گزدر ہی نہیں ہے۔

ایک مسلمان کو اپنے حق ہونے پر اپنے دین کے حق ہونے پر اتنا بڑا یقین دیا گیا ہے کہ اس کی مثال دویان عالم میں کہیں بھی پائی نہیں جاتی۔ مسلمان نے اپنے عقیدہ اور ایمان کی بنیاد اتنے بڑے یقین پر استوار کر رکھی ہے کہ وہ اس کے لئے موت کی دعوت کو بھی آسان پاتا ہے اور قرآن پاک نے مومن کی زبان سے پورے عالم انسانی کو چیلنج دے رکھا ہے کہ:

تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْهُمْ فَنَجْعَلْ لِنَعْنَتِ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ۔

کہ اسلام کے منکر و اور کافرو! (اگر تمہیں اسلام کی غلطی اور اپنے سچا ہونے کا گمان ہے تو) آؤ (میدان میں آؤ) ہم اپنے ہال بچوں کو بھی بلاتے ہیں اور تمہارے ہال بچوں کو بھی دعوت دیتے ہیں۔ ہم اپنی

خواتین کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی بلا لیتے ہیں۔ ہم اپنے رفقاء کو بھی اور تمہارے ساتھیوں کو بھی بلاتے ہیں۔ پھر ہم سب مل کر اللہ سے عاجزانہ دعا کریں کہ الہی! جھوٹوں کا خانہ خراب کر دے اور ان پر (ایسی) لعنت فرما کہ وہ دوسروں کے لئے عبرت بن جائیں)

اور پھر تاریخ محکمہ کو اسی موجود ہے کہ یہ آیت کریمہ جن بخرانی عیسائیوں کے مقابلہ میں چیلنج بن کر اتری تھی۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور پھر بعد میں بھی تب سے اب تک کوئی شخص یہ جرأت نہ کر سکا کہ مرد مومن کے اس یقین کے منہ آئے اور اس سے آنکھیں ملا سکے۔ پس اگر خفی بزرگوں کو بھی اپنے جمعہ کے بارے میں شک ہے کہ وہ شاید ادا نہیں ہو سکا تو یہ ایمان و یقین سے بالکل دور کی بات ہے اور بے یقینی کا یہ جمعہ یقیناً نہیں ہو سکا ہے اور جب اس کے ادا ہونے کا یقین نہیں تو یقیناً اس نے وجود ہی نہیں پایا۔ بس یہ جمعہ یوں ختم ہوا اور ظہر کی نماز اس لئے شکر نہیں ہو گی کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابؓ سے جمعہ کے روز جمعہ کے علاوہ ظہر کی نماز ثابت نہیں ہے اور جو نماز نہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے ادا کی ہے اور نہ اس کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے بطور نماز قبول نہیں کیا جاسکتا۔ پس ظہر احتیاطی ادا کرنے والے لوگوں کا نہ جمعہ نہ ظہر دونوں نمازوں میں سے کوئی ایک نماز بھی اولانہ ہو سکی یعنی۔

نہ خدا اسی ملا نہ وصالِ صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

گئے دونوں جہاں سے خدا کی قسم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

بات کا ایک نازک رُخ

ہم اپنے ساتھ لوح حقی بھائیوں سے کیونکر کہیں کہ اگر انہوں نے تقلید کی بھیڑ
 جان سے الگ عقل اور سوچ کا بھی کوئی خانہ اپنے لئے محفوظ کر رکھا ہے تو بلائہ ہماری بات اس
 کے سپرد کریں آپ کی بھلائی اسی میں ہے۔ دیکھئے آپ کی ظہر احتیاطی کی بنیاد اس پر تھی کہ
 اگر شہر میں ایک سے زیادہ جگہ جمعہ کی نماز ادا کیا جاتی ہے تو یہ ناجائز ہے۔
 ایسی صورت میں احتیاطاً چار رکعت ظہر الگ بھی ادا کر لی جائے اور آپ اس ہدایت کے مطابق
 چلے جاتے رہے۔ لیکن اگر آپ کو یہ پتہ چل جائے تو کیا ہو کہ جن بزرگوں نے آپ کو اس راہ
 پر ڈالا تھا انہی میں سے کچھ اہل فکر و نظر نے جب اپنی کمزوری دیکھی تو انہوں نے یہ اعلان
 کر کے خود کو الگ کر لیا ہے کہ ایک شہر میں کئی جگہ جمعہ ہو سکتے ہیں۔ ۱۔

لیجئے ظہر احتیاطی کی بنیاد تک گر چکی اور آپ ہیں کہ کولہو کے بتلی کی طرح ظہر
 احتیاطی کا چکر بدستور چلائے ہی جا رہے ہیں۔ آہ۔
 اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو

نماز جنازہ

نماز جنازہ

احناف کے گروہ میں اپنے علم و خبر اور فکر و نظر کے اعتبار سے بڑے بلند پایہ لوگ موجود ہیں، نیک دل بھی ہیں، اہل دل بھی ہیں اور اصحابِ افتاء بھی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا شخصی مقام بہت اونچا ہے۔ وہ اپنے پیچھے ایثار اور قربانی کی ایک تاریخ بھی رکھتے ہیں مگر ان کی سوچ کا یہ رُخ شاید ان سے خدا تعالیٰ کی کسی ناراضگی کے سبب سے ہے کہ وہ اپنے دینی معمولات اور معتقدات کی بنیاد جیسا کہ ان سطور کے قارئین پر واضح ہے۔ اکثر عی صحیح مرفوع روایات سے ہٹ کر کمزور، مجروح، ضعیف اور بعض اوقات بالکل موضوع روایات پر استوار کرتے ہیں۔ جیسے یہ دستور ان کے مسلکی پلان کا کوئی حصہ ہے اور پھر اس کو انہوں نے بطور اپنے ایک مسلکی شعار کے ہی اختیار کر لیا ہے۔

نماز جنازہ اور اس کی ادائیگی کا طریقہ صحیح احادیث کے بموجب بالکل واضح ہے مگر وہ اس میں بھی ڈھری مار گئے ہیں اور اپنے معمول کے مطابق صحیح احادیث سے آنکھ پھا کر نکل گئے ہیں اور انہوں نے اس باب میں بھی کمزور روایات کی بنا پر جگہ جگہ اختلاف کی دیواریں تعمیر کر رکھی ہیں۔ سبیل میں ہم ان کے چند اختلافات کا جائزہ پیش کرتے ہیں :

سورہ فاتحہ

صحیح بخاری اور صحاح ستہ کی دوسری کتب کے بموجب یہ امر بڑی صراحت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس طرح دوسری نمازوں میں سورہ فاتحہ کی قرأت فرماتے تھے نماز جنازہ میں بھی پہلی تکبیر کے بعد دعائے استفتاح پڑھتے پھر سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھ کر دوسری تکبیر کہتے تھے۔

پھر آپؐ کے بعد آپؐ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی معمول رہا ہے مگر ہمارے حنفی بھائی سورہ فاتحہ سے کچھ ایسے الگ ہیں کہ جہاں اس کا ذکر آیا وہ مرے مارے

پر آمادہ ہو گئے، اور وہ اس سورہ مبارکہ سے کچھ ایسے ناراض ہیں کہ کسی کے منائے نہیں مانتے، سچ ہے۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے

جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

جبکہ یہ سورہ مبارکہ خود خدا تعالیٰ کو بھی اتنی محبوب ہے کہ اس نے اس کو قرآن میں نازل فرمانے کے ساتھ اس کو قرآن سے الگ بھی اپنا ایک احسان قرار دیا ہے، جب فرمایا:

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝۱

کہ ہم نے تجھے (اے محمدؐ) سورہ الحمد کی شکل میں) سات آیات عطا کی

ہیں جو (نماز کے اندر) بار بار دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن عطا

کیا ہے۔

اور اس سورہ مبارکہ کی عظمت کے سبب ہی رسول اللہ ﷺ نے اس کو نماز کی ہر رکعت میں نماز کا ایک رکن بنا کر داخل فرمایا۔ اس سے کچھ کچھ رہنے والوں کو ساتھ ہی یہ انتخاب بھی دیا کہ:

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ۝۲

کہ خبردار رہو جو شخص اپنی نماز میں (خواہ وہ کوئی بھی نماز ہو) اس سورہ

مبارکہ کو نہیں پڑھے گا اس کی نماز شمار نہیں ہوگی۔

نماز جنازہ میں رسول علیہ السلام کا طریقہ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ۝۳

کہ رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔

اس روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اپنا معمول بھی ساری عمر یہی رہا ہے جیسا کہ طلحہ بن عبداللہ بن عوف کی روایت سے ظاہر ہے حضرت طلحہؓ کہتے ہیں :

صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى جَنَازَةِ فَقَرَأَ فَاتِحَةَ
الْكِتَابِ وَقَالَ لِتَعْلَمُوا أَنَّهَا سُنَّةٌ ۱۔

میں نے عبداللہ بن عباسؓ کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی ہے آپ اس نماز میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے تھے (پھر انہوں نے نماز کے بعد فرمایا میں نے جو تمہارے سامنے جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ کو پڑھا ہے تو اس کی غرض یہ ہے) کہ تم جان سکو کہ جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ کی قرأت رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

انہی حضرت طلحہؓ سے اسی واقعہ کی کچھ مزید تفصیل بھی دوسری جگہ وارد ہوئی ہے فرماتے ہیں :

صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى جَنَازَةِ فَقَرَأَ فَاتِحَةَ
الْكِتَابِ وَسُورَةَ وَجْهَهُ حَتَّى أَسْمَعَنَّا فَلَمَّا فَرَغَ أَخَذَهُ
بِيَدِهِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ سُنَّةٌ وَحَقٌّ (نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۸۱)

کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پیچھے نماز جنازہ ادا کی۔ آپ نے نماز کے اندر سورہ فاتحہ کی قرأت فرمائی اور ساتھ ہی قرآن پاک کی ایک صورت پڑھی (جیسا کہ نماز میں دستور ہے) آپ نے پوری نماز بلند آواز سے پڑھائی یہاں تک کہ ہم ان کی قرأت بخوبی سکتے تھے۔ جب وہ نماز پڑھا چکے تو میں نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور مزید تسلی چاہی آپ نے جواب دیا۔ میں نے جس طرح نماز جنازہ پڑھائی ہے رسول اللہ ﷺ اسی طرح جنازہ پڑھاتے تھے اور یہی حق امر ہے۔

حضرت حسن بصریؒ

حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں بخاری شریف میں تعلیقاً وارد ہوا ہے :

قَالَ الْحَسَنُ يَقْدَأُ عَلَى الطِّفْلِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (بخاری شریف باب قرآنہ صلب علی الجنائزہ)

کہ حضرت حسن بصریؒ نے ایک بچے کا جنازہ پڑھایا آپ نے جنازہ کی دُعا سے قبل (پہلی تکبیر کے بعد) سورہ فاتحہ پڑھی۔

سورہ فاتحہ منہ میں ہی پڑھ لیجئے

ہم اپنے حنفی بھائیوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ محض الہمدیث کی ضد میں اپنا اور اپنی مہیت کا نقصان نہ کریں۔

آپ مرنے والے کے حق میں سفارش کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ سورہ فاتحہ کو اپنی نماز میں داخل کر کے اپنی سفارش کو زیادہ موثر بنا لیجئے الہمدیث جنازہ میں پڑھنا بلند قرأت کرتے ہیں۔ آپ اگر اس سنت پر الہمدیث کا معمول بہا ہونے کی وجہ سے عمل نہیں کر سکتے تو ہم آپ کی خدمت میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس میں اخفا کا ذکر ہوا ہے آپ اُسی کو اپنا لیں تاکہ آپ کی سفارش لنگڑی نہ رہ جائے۔ اس طرح سورہ فاتحہ بھی پڑھ لی جائے گی اور الہمدیث سے مشابہت بھی نہیں ہوگی۔

حضرت ابی امامہؓ فرماتے ہیں :

الْمُسْتَأْنَفِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَائِزِ أَنْ يَقْرَأَ فِي التَّكْوِينَةِ الْأُولَى بِأَمِّ الْقُرْآنِ مُخَافَةً ۝

کہ جنازہ (اس طرح) پڑھنا (بھی) سنت ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد

سورہ فاتحہ آہستہ سے پڑھ لی جائے۔

لیجئے صاحب! سانپ بھی مر گیا اور لاش بھی خف گئی، آپ کی اُٹا بھی قائم رہی اور سورہ فاتحہ کی قرأت بھی ہو گئی اب کیا عذر رہ گیا ہے آپ کا! ویسے خفی بزرگ مولانا عبدالحی ککھوی نے حضرت ابن عباسؓ کے نماز جنازہ میں فاتحہ ہاواز بلند پڑھنے کے معمول کو صحیح جان کر اپنے ہاں قبول کیا ہے۔ ۱۔

مانعین فاتحہ کی دلیل

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ سے بچنے کے لئے خفی بھائیوں نے موطا امام مالکؒ سے ایک مجہول المعنی روایت سے کام نکالا ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ۔ کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نماز جنازہ میں نہیں پڑھتے تھے۔ (موطا امام مالک مترجم جلد ۱ صفحہ ۲۶۴)

بس یہی ایک روایت احناف کا ہتھیار ہے جس کی امداد سے وہ سورہ فاتحہ کی راہ روکتے ہیں۔ مگر کیا ہمارے بھائی یہ بتا سکتے ہیں کہ اس روایت میں سورہ فاتحہ کا کمال ذکر ہوا ہے۔

روایت کہتی ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ جنازہ میں نہیں پڑھتے تھے۔ مگر وہ کیا نہیں پڑھتے تھے روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر کسی کو اصرار ہو کہ وہ سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے تو یہ اس کا اپنا قیاس ہے روایت کے الفاظ یہ نہیں ہیں۔

اور اگر قیاس ہی کرنا ہے تو روایت کے الفاظ سے یہ بھی قیاس ہو سکتا ہے کہ

عبداللہ بن عمرؓ جنازہ میں سرے سے کچھ پڑھتے ہی نہیں تھے۔

احناف نے یہ فرض کر لیا ہے کہ نہیں پڑھتے تھے سے مراد یہ ہے کہ سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے، یہ محض مفروضہ ہے حقیقت نہیں ہے۔

تاہم اس باب میں ہمیں کسی بحث کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ کیونکہ یہ روایت ہی موقوف ہے اور لائق حجت ہی نہیں ہے۔

نافع جو ایک تابعی ہیں عبداللہ بن عمرؓ صحابی تک بات پہنچا کر آگے نہیں چلاتے یعنی یہ روایت رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچتی بلکہ عبداللہ بن عمرؓ تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے، ایسی روایت سے دلیل نہیں لی جاسکتی۔

ایک ایمان افروز واقعہ

چند برس کی بات ہے ہمارے ہاں بریلوی حضرات کی ایک مسجد میں مولوی فضل الہی نام کے ایک بزرگ خطابت کے فریضہ پر مامور تھے، 'صلح کمرات کے رہنے والے تھے' اب فوت ہو چکے ہیں، اللہ ان کی خطائیں معاف کرے، اور نیکیاں قبول فرمائے۔ مسائل کے بیان میں وہ کبھی تشدد روا نہیں رکھتے تھے ایک دفعہ انہیں کسی وجہ سے میری اقتداء میں نماز جنازہ ادا کرنے کا اتفاق ہو گیا۔ میں نے سنت کے مطابق نماز کے اندر سورہ فاتحہ کی قرأت کی، انہیں شاید یہ صورت حال پہلی بار ہی پیش آئی تھی۔ اگلے ہی روز تشریف لائے اور کہنے لگے آپ نے کل جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھی تھی، کیا اس کا کوئی ثبوت موجود ہے؟ میں نے خود کوئی بات چلانے کے بجائے بخاری شریف ہی ان کو پیش کر دی۔ انہوں نے جب آنکھوں سے حدیث کو پڑھا تو فرط حیرت سے دم بخود رہ گئے کہنے لگے حدیث نے تو بڑی صراحت سے مسئلہ کی وضاحت کر رکھی ہے پھر ہمارے بزرگ جو اس حدیث پر عمل نہیں کرتے کیا انہوں نے یہ حدیث نہیں پڑھ رکھی؟

میں نے عرض کیا حدیث تو انہوں نے بھی پڑھ رکھی ہے مگر تھلید کی بندھن انہیں حدیث پاک پر عمل کرنے سے مانع ہے وہ کہتے ہیں حدیث تو صحیح ہے مگر ہمارے امام صاحب سے فیہ وارد نہیں ہوا چونکہ وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ہم ایسا نہیں کرتے۔

بڑی ہی سادگی سے کہنے لگے یہ تو بڑا ظلم ہے۔ کیا امام صاحب کا درجہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ ہے۔ امام صاحب کو اگر کسی وجہ سے اس حدیث پاک کا علم نہیں ہو سکا تھا تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو امام صاحب کی بے خبری پر قربان نہیں کیا جاسکتا۔

انہوں نے وعدہ کیا کہ آج کے بعد وہ اس سنت کو کبھی نظر انداز نہیں ہونے دیں گے اور وہ اس کو ہمیشہ اپنا معمول بنائے رکھیں گے۔ پھر انہوں نے یہ وعدہ پورا بھی کیا چند ماہ بعد ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ اس روز کے بعد سے میں نے متعدد جنازے پڑھائے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اس عرصہ میں اس سنت پر برابر عمل کیا ہے پھر وہ اپنی پوری زندگی اس پر کار بند رہے۔ غفرہ اللہ

جنازہ میں جہری قرأت

جنازہ میں ہاؤز بلند قرأت کا اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے لفظاً حکم تو نہیں دیا مگر یہ آپ کی فعلی سنت ہے اور آپ کا یہی معمول بھی تھا۔ اور ظاہر ہے کہ سنت خواہ قولی ہو یا فعلی یا تقریری ہو۔ بہر حال سنت ہے اور لائق اتباع ہے۔

الحدیث کے ہاں جنازہ کی نماز جہری قرأت سے ہی ادا کی جاتی ہے۔ جبکہ احناف اس باب میں بھی بلاوجہ اختلاف کی راہ پر رواں ہیں۔ حالانکہ یہ فعل رسول اللہ ﷺ کی فعلی سنت ہونے کے علاوہ ہر اعتبار سے زیادہ مناسب اور مفید بھی ہے۔

جنازہ کی جہری قرأت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح ہر شخص یہ بات جان سکتا ہے کہ نماز جنازہ میں کیا کچھ پڑھا جاتا ہے اور کہاں کہاں پڑھا جاتا ہے اس طرح یہ جہری

قرآن ایک طرح تعلیم و تعلم کا کام بھی دیتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب جنازہ کی دعاؤں کو حضور کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھتے ہوئے یاد کر لیا کرتے تھے۔ آپ اپنے گلی محلہ اپنے علاقہ اپنی بستی اور اپنے شہر میں چل پھر کر دیکھتے، آپ کو دو فیصد مسلمان بھی ایسے نہیں ملیں گے جو جنازہ کی دعاؤں سے واقف ہوں۔ اس حال میں نماز جنازہ کی جبری قرآن ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ احناف بھائیوں کو کوئی اچھا اور نیک مشورہ محض اس لئے مسترد نہیں کر دینا چاہیے کہ یہ مشورہ اہلحدیث کی طرف سے دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا معمول

صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالک سے روایت ہے :

يَقُولُ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى جَنَازِهِ فَعَنَيْتُ مِنْ دُعَائِهِ وَهُوَ يَقُولُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَآكِرْهُ تَزْلُهُ وَوَسِّعْ مَذْخَلَهُ وَاعْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالطَّلْحِ وَالْعَرِدِ وَقَبِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا تَقَبَّلُ الثُّوبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الذَّنَسِ وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ وَأَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهِ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ۔ (مسلم مع شرح

نوروی مترجم جلد ۲ صفحہ ۴۵۲)

یعنی عوف بن مالک کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کی نماز جنازہ لوائی اور میں نے حضور کو دعا پڑھتے سن کر (وہیں بحالت نمازی) یہ دعا یاد کر لی آپ فرما رہے تھے۔

اللہی! اس میت کے گناہ معاف کر دے اس پر رحم فرما! اس کو عافیت عطا فرما اور اس

کی تقصیریں معاف کر دے، الہی! اسکو جنت میں بہترین مہیا فرما اور اس کی قبر کو فراخ کر دے، اس کے گناہوں سے تخلیق پانے والی آگ کو اپنی رحمت کے ٹھنڈے پانی سے دھو کر اس کے نامہ اعمال کو یوں پاک صاف کر دے جیسے گندہ کپڑا میل کچیل سے صاف اور پاک کیا جاتا ہے، اس کے اس دنیاوی گھر کو جنت کے بہترین گھر کے ساتھ بدل دے، اس کو اس دنیا کے اہل کے مقابلہ میں اس دنیا کے بہترین اہل مہیا فرما، اس کو جنت کے اندر بہترین شریک زندگی عطا فرما، اس کو جنت میں داخل کر دے، اس کو قبر کے عزاب اور آگ کے عزاب سے بچالے۔

اس روایت کے راوی حضرت عوف کہتے ہیں کہ میں نے جب حضورؐ کے منہ مبارک سے اپنے ایک صحابی کے لئے اس درجہ رقت بھری اور جذبات میں ہيجان پیدا کرنے والی محبت میں ڈوبی دعا سنی تو میں رقت قلب اور سوز دروں سے مغلوب ہو گیا، یہاں تک کہ میں تمنا کرنے لگا اَنَّا ذَالِکَ الْمَوْتِ کہ الہی! کاش یہ میت میری ہوتی اور یہ دعا میرے حق میں کی گئی ہوتی۔ ایسے ہی نبی ﷺ سے اور بہت سی دعائیں حدیث میں وارد ہوئی ہیں جن کو آپ کے اصحاب آپ کی زبان سے سن کر یاد کر لیتے تھے۔ اور جب آپ کے اصحاب بحالت نماز ہی آپ سے وارد ہونے والی دعائیں یاد کر لیتے تھے تو ظاہر ہے کہ آپ یہ دعائیں باواز بلند ہی پڑھتے تھے۔ پھر آپ کے بعد آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول رہا ہے۔ بنا بریں نماز جنازہ کو اخفا کے مقابلہ میں جہر کے ساتھ ادا کرنا حضورؐ کی بہترین سنت بھی ہے اور زیادہ مفید مطلب بھی ہے۔

نماز جنازہ مسجد میں

ابوداؤد میں ایک روایت وارد ہوئی ہے جس میں مذکور ہے کہ ”جس نے مسجد میں جنازہ پڑھا اس نے کچھ حاصل نہ کیا“

اس روایت کو بہانہ بنا کر حنفی حضرات مسجد میں جنازہ پڑھنے سے انکار کرتے ہیں جبکہ یہ روایت اصلاً اور نقلاً دونوں اعتبار سے ہی ناقابلِ حجت ہے اور لائقِ استزاد ہے۔
اس کاراوی صالح مولیٰ تومہ سخت ضعیف بھی ہے اور وہ اس کاراوی بھی اکیلا ہی ہے۔ حضرت امام نوویؒ شارح صحیح مسلم نے اس کی تضعیف کی ہے، امام احمدؒ نے بھی اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔

اب ایک طرف یہ نالائق اور کمزور روایت ہے جس کے پاؤں تلے زمین موجود نہیں اور دوسری طرف بخاری شریف اور مسلم شریف کی صحیح اور قوی روایات ہیں جن کے بموجب نبی ﷺ نے خود بھی مسجد میں جنازے پڑھائے ہیں اور آپ کے بعد آپ کے اصحابؓ بھی اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔ بروایت مسلم شریف ابی سلمہ بن عبد الرحمنؓ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ عَائِشَةَ لَمَّا تَوَقَّي سَعْدَ ابْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَتْ
ادْخُلُوا بِهِ الْمَسْجِدَ حَتَّى أَوْصِلَنِي عَلَيْهِ فَأَنْكَرَ.
ذَلِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ وَاللَّهِ لَقَدْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَلَى ابْنِي بَيْضَاءَ فِي الْمَسْجِدِ سُهَيْلٍ
وَأَخِيهِ ۚ

کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص کی وفات ہوئی تو ام المومنین عائشہؓ نے اصحاب رسولؐ سے کہا بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد میں بھیج دیں تاکہ میں ان پر نماز جنازہ ادا کر سکوں۔ اس پر کچھ لوگوں نے (اس کو ایک نئی بات سمجھ کر) بُرا منایا۔ جب اصحابؓ کے اس رویہ کی خبر حضرت عائشہؓ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا (ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ اتنی

۱۔ مسلم مع شرح نووی مترجم جلد ۲ صفحہ ۴۵۸ ۲۔ مسلم مع شرح نووی مترجم جلد ۲

صفحہ ۴۵۹۔ موطا امام مالک مترجم جلد ۱ صفحہ ۲۶۵

جلدی فراموش کر گئے) اللہ کی قسم نبی ﷺ نے حضرت یسّٰء کی دو بیٹیوں سسیل اور اس کے بھائی کا جنازہ مسجد میں ہی پڑھایا تھا۔

صدیقہ طاہرہؓ کے اس ارشاد پر اصحاب رسول رضی اللہ عنہ کو بھی یہ واقعہ یاد آگیا اور سب کے سب حضرت اُمّ المؤمنین سے ہموار ہو گئے اور میت مسجد میں داخل کر دی جہاں اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور دوسری امہات المؤمنینؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی نماز جنازہ ادا کی۔

تعجب ہے کہ اُمّ المؤمنینؓ کے یاد دلانے پر اصحاب رسولؐ کی تو تسلی ہو گئی اور انہوں نے پھر بات نہ چلائی، مگر ہمارے حنفی بھائیوں کی تسلی نہیں ہو سکی یہ بدستور ہی ایک غلط، غیر صحیح، ضعیف اور بے اصل روایت کو بنیاد بنا کر میت کو مسجد میں داخل کرنے پر عارض ہیں۔ پھر بات صرف یہی نہیں بلکہ بعد ازاں اصحاب رسولؐ کے یہاں بھی مسجد میں جنازے پڑھے جاتے رہے۔ چنانچہ موطا امام مالک میں ہے کہ فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطابؓ کی نماز جنازہ مسجد میں ہی ادا کی گئی تھی اور سب کے سب اصحاب رسول رضی اللہ عنہم جو اس وقت موجود تھے اس جنازہ میں حاضر تھے مگر کسی کو بھی اعتراض پیدا نہیں ہوا تھا۔

قبر پر جنازہ کی ادائیگی

رسول اللہ ﷺ اگر کبھی سفر کی وجہ سے یا مدینہ منورہ میں موجودگی کے باوجود کسی وجہ سے اپنے کسی صحابی یا صحابیہ کی نماز جنازہ ادا نہ کر سکے ہوتے تو معلوم ہونے پر اس کی قبر پر تشریف لے جا کر اس کی نماز جنازہ ادا فرمایا کرتے تھے اور اس موقع پر آپؐ کے اصحاب بھی دوبارہ آپ کے ساتھ صفیں باندھ کر جنازہ پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ رلوی ہیں کہ ایک روز آپ قبرستان میں تشریف لے گئے تو ایک تازہ قبر دیکھ کر دریافت کیا یہ کس کی قبر ہے اور اس کو کب دفن کیا گیا؟ آپ کے اصحاب

نے جواب دیا کہ اس کو آج رات ہی دفن کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھے کیوں نہ خبر دی؟ اصحابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ذَفَنَّاہُ فِی ظُلْمَةِ اللَّیْلِ فَکَرِھْنَا اَنْ نُقَوِّطَکَ کہ ہم نے اس کو رات کی تاریکی میں دفن کیا تھا اور ہم نے اس وقت آپ کو بے آرام کرنا پسند نہ کیا۔

رہوی کہتا ہے فَقَامَ فَصَفَّھُمْ سَنًا خَلْفَہُ فَصَلَّی ۱۔ کہ پھر آپ کھڑے ہوئے اور ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھ لی اور مرنے والے کی نماز جنازہ ادا کی۔ ایسے ہی حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مسجد کی ایک خادمہ یا کسی خادم کی وفات ہوئی اور اُسے بھی حضور ﷺ کی بے خبری میں دفن کر دیا گیا۔ آپ کو علم ہوا تو آپؐ نے اس کی قبر پر جا کر اس کی نماز جنازہ ادا کی۔ ۲۔

احناف کی نزدیک قبر پر نماز جنازہ صرف اس کی ادا کی جائے گی جس کی نماز جنازہ پہلے نہ پڑھی گئی ہو۔ اگر اس کی نماز ہو چکی ہے تو پھر دوبارہ اس کی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ جبکہ یہ بات بخاری اور مسلم کی روایات کی روشنی میں بالکل باطل ہے کیونکہ ان روایات میں یہ صراحت موجود ہے کہ دفن ہونے والے کی نماز جنازہ اصحاب رسولؐ کو اگر چھپے ہوتے تھے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ خبر پیا کہ اس کی قبر پر جاتے اور نماز ادا کرتے تو وہی اصحاب جو پہلے اس کی نماز ادا کر چکے ہوتے وہ دوبارہ آپؐ کے پیچھے صف باندھ کر نماز ادا کرتے تھے۔ ایسے میں احناف کی بات بالکل بے وزن اور بے بنیاد ہے۔

نماز جنازہ غائبانہ

جب کسی ایسے شخص کی نماز جنازہ ادا کی جائے جس کی میت سامنے موجود نہ ہو تو اس نماز کو نماز جنازہ غائبانہ کہتے ہیں۔

نماز جنازہ عاتکہ صبح اور صریح احادیث سے ثابت ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے حنفی بھائی اس نماز کے ثواب سے بھی محروم رہنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور وہ محض خود پیدا کردہ احتمالات اور مفروضوں کا سہارا لے کر اس نماز کو ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں بڑی واضح حدیث ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں :

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى
التَّجَاشِيَّ فِي يَوْمِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ وَخَرَجَ بِهِمْ إِلَى
الْمُصَلَّى فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعًا ۝

کہ (جشہ کے بادشاہ) نجاشی نے جس روز انتقال کیا رسول اللہ ﷺ نے اُسی روز ہمیں اس کے مرنے کی خبر دی اور اپنے اصحاب کے ساتھ عید گاہ کی طرف نکلے پھر آپ نے صحابہ کی صفیں درست کیں اور چار تکبیروں کے ساتھ اس کی نماز جنازہ ادا کی۔
دوسری روایت میں مزید تفصیل ذکر ہوئی ہے کہ : نَعَى رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّجَاشِيَّ صَاحِبَ
الْحُبَشَةِ يَوْمَ الَّذِي مَاتَ فِيهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيهِ۔
کہ حضور علیہ السلام نے جشہ کے بادشاہ نجاشی کی موت کی خبر ہمیں
ٹھیک اُسی روز دی جس روز اُس نے وفات پائی تھی۔ آپ نے اپنے
اصحاب سے فرمایا کہ چلو اپنے بھائی کے لئے بخشش کی دعا مانگو۔

اس کے بعد راوی نے اگلی تفصیل بیان کی ہے کہ پھر سب لوگ عید گاہ میں پہنچے
صفیں بنائیں اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ ادا کی۔

یادداشت : واضح رہے کہ جشہ کا یہ بادشاہ جس کا لقب نجاشی اور نام اصمہ تھا عیسائی بادشاہ
تھا۔ پہلی ہجرت کے دنوں حضرت جعفر طیار کے ذریعہ حضور کے بارے میں تحقیق کر کے

مسلمان ہو گیا تھا۔ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس کے ذریعہ ہوا اور اسی نے آپ کا ہر چار سو دینار حضورؐ کی طرف سے ام المؤمنینؓ کو ادا کیا تھا۔ اس کی وفات کی خبر سے حضورؐ نے بہت صدمہ محسوس کیا اور اس کی نماز جنازہ کا خصوصی اہتمام فرمایا۔

بات بڑی واضح ہے، اصحاب رسولؐ نے اس سنت پر ہمیشہ عمل کیا امام شافعیؒ امام احمدؒ اور جمہور سلف سب کے سب نماز جنازہ عابانہ کے قائل ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے رہے ہیں۔ حضرت ابن حزم کا ارشاد ہے کہ نماز جنازہ عابانہ کے سلسلہ میں کسی ایک صحابی سے بھی انکار نقل نہیں ہوا ہے۔ مگر احناف نے انکار کیا ہے کہ ولا تصح علی الغائب کہ جنازہ عابانہ کی ادائیگی صحیح نہیں ہے ۲۔ اور حضرت ابو حنیفہؒ کے نام سے نقل کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے حضورؐ کی نگاہ سے مسافت کے پردے اٹھا کر میت حضورؐ کے سامنے کر دی گئی ہو۔

اور ۳۔ اس ہو سکتا ہے کہ احتمال کا نام دیا ہے حالانکہ یہ احتمال نہیں سراسر اختراع ہے جو حق سے فرار کی ایک ناروا کوشش کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اتفاق سے احناف کو روایات کے ذخیرہ سے ایک ذرا سا سہارا بھی مل گیا ہے۔ اگرچہ یہ سہارا بھی ڈوہتے کو تنکے کے سہارے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ روایت کسی واحدی کے نام سے زر قانی شرح موطا امام مالکؒ میں درج ہوئی ہے جس میں مذکور ہے کہ:

”ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس جنازے کے لئے نبی ﷺ کے لئے نجاشی کے سر سے پردہ اٹھا دیا گیا تھا۔ ۳۔“

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ واحدی کوئی محدث نہیں ہے اور یہ روایت بھی بلا سند نقل

۱۔ قسطلانی شرح صحیح بخاری ۲۔ در مختار جلد اول باب صلوة الجنائز ۱۴۳۔ مجمع البحار از ابن طاہر حنفی ص ۹۰۹ شرح سفر السعادت از شیخ عبدالحق ۵۱۶ فوائد المجموعہ امام شوکانی صفحہ ۱۶۸

ہوئی ہے اور کچھ نہیں بتایا گیا کہ ابن عباسؓ کو یہ بات کس نے بتائی اور پھر ابن عباسؓ سے جناب واحدی تک کس ذریعہ سے پہنچی۔ یعنی یہ ایک ہوائی کپ ہے جسے کسی واحدی نے تحقیق بخشی اور زرقانی نے اپنے ہاں نقل کر لی ہو گیا۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

یہ ایک لطیفہ ہی ہے

نماز جنازہ غائبانہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور امت کے اندر گزشتہ تقریباً ڈیڑھ ہزار برس سے نبی ﷺ کے اپنے حکم اور اپنے فعل کی روشنی میں اور آپ کے اصحاب اور بعد کے مسلمانوں کے تعامل سے جاری چلی آرہی ہے مگر اس کے باوجود بھی ہمارے حلقے بھائی اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو سکے۔

اگرچہ اس دور میں حنیفہ کے ساتھ مہکیہ بھی شریک ہیں مگر وہ لوگ یہاں نہ ہونے کے برابر ہیں سو یہ بھی مہکیہ کے لئے تو اس سنت سے انحراف کی یہی سزا کافی ہے کہ وہ جب نماز کے لئے قیام کرتے ہیں تو لوگ انہیں شیعہ سمجھتے ہیں کیونکہ یہ لوگ بھی شیعہ کی طرح ہاتھ چھوڑ کر ہی نماز ادا کرتے ہیں۔

تاہم شیعہ کی اس حرکت کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے کہ وہ خیر و خوبی سے ہاتھ جھاڑ کر یوں کھڑے ہوتے ہیں مگر مہکیہ کے اس شوق کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ ہمیں مہکیہ سے یہاں معاملہ نہیں پڑتا اس لئے ہم یہاں احناف کی ہی بات کریں گے۔

احناف کا لطیفہ یہ ہے کہ یہ لوگ نبی ﷺ کے ارشاد اور آپ کے عمل پر تو ڈیڑھ ہزار برس کے عرصہ میں بھی ایمان لانے پر آمادہ نہ ہو سکے مگر جب خدا کو منظور ہوا تو اس نے انہیں اس کی سیاسی ضرورتوں کے حوالہ سے گردن سے پکڑ کر نماز جنازہ غائبانہ کی صفوں

میں لاکڑا کیا۔

اب حال یہ ہے کہ ملک کے اندر جب بھی اور جہاں بھی کسی بڑے آدمی یا کسی حادثہ کے شکار لوگوں کی نماز جنازہ غائبانہ ادا ہو رہی ہوتی ہے تو آپ کو اگلی صف سے لے کر پچھلی صف تک ایسے سیکڑوں اور ہزاروں آدمی کھڑے نظر آئیں گے جن کے ہاتھ ناف سے بھی چار انچ نیچے لٹکا کر بندھے ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

پا سہاں مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے

اپنی سیاسی ضرورت سے اب نہ انہیں کوئی مسئلہ یاد آتا ہے نہ امام اور امام کا مسلک، بس ایک سیاست سامنے ہے اور وہ سیاست کئے ہی جا رہے ہیں۔
کاش وہ اپنی ضرورت کو سنت کے تابع کر سکتے اور یہ جنازہ تو انہیں پڑھنا ہی ہوتا ہے اسے سنت سمجھ کر پڑھتے تو ثواب بھی پاتے۔

جنازہ کی دُعا

ہمارے ہاں حنفی بزرگوں کا دستور یہ ہے کہ جنازہ کی نماز میں وہ کوئی ایسی دعا نہیں پڑھتے جس کا میت سے بلا واسطہ تعلق ہو اور اس میت کے لئے بخشش چاہی گئی ہو جس پر نماز پڑھنے کے لئے وہ جمع ہوئے ہیں۔ احناف کا معمول وہ مشہور دعا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اَعِزِّ لِحَبِيَّتِنَا وَ مَمِيَّتِنَا وَ شَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَ كَبِيْرِنَا وَ ذَكْرِنَا وَ اُنْثَانَا (ال آخرہ)

یہ دعا مسلم شریف سے منقول ہے اور بلاشبہ حضور ﷺ سے ہی وارد ہوئی ہے ہم بھی اس دعا کو ہر جنازہ میں پڑھتے ہیں مگر یہ اُن دعاؤں میں سے نہیں ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے مرنے والوں سے خاص کیا ہے، حاضر میت پر پڑھی جانے والی دعاؤں میں سے ایک نہایت مشہور اور موثر دعا ہم گذشتہ صفحات میں درج کر آئے ہیں۔ حنفی حضرات نے جس دعا

کو کافی سمجھ رکھا ہے وہ خود جنازہ پڑھنے والوں کے لئے تو کفایت کرتی ہے، مرنے والوں کے لئے اس میں بلا واسطہ کچھ نہیں ہے۔

اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ الہی! ہمارے زندوں کو بخش دے، ہمارے مردوں کو بخش دے، ہم جو یہاں موجود ہیں ہم کو بخش دے اور جو یہاں موجود نہیں (یعنی اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے یا اپنے کام کاج میں لگے ہیں ان کو بخش دے، ہمارے چھوٹوں کو بخش دے، ہمارے بڑوں کو بخش دے، ہمارے مردوں کو بخش دے، ہماری عورتوں کو بخش دے) (آخر تک)

کوئی بتائے کہ اس دعا میں حاضریت کے لئے کیا ہے۔ ابتداء میں ایک کلمہ آیا ہے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا کہ الہی! ہمارے زندوں اور مردوں کو بخش دے۔ بس یہی ایک کلمہ میقتنا کا ہے جس میں سارے جہاں کے مسلمان مردوں کے ساتھ یہ حاضریت بھی شامل ہے، فوراً آپ مندرجہ صدر دُعا کو از اول تا آخر پھر پڑھئے اور غور کیجئے، تو آپ یقیناً آسانی اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ جنازہ پڑھنے والے مولوی صاحب اور ان کے مقتدیوں نے حاضریت کے بجائے اپنا جنازہ پڑھا ہے، اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کا پڑھا ہے، اپنے گھر والوں کا پڑھا ہے، اپنے بیوی بچوں کا پڑھا ہے، اپنے سے تعلق رکھنے والے سب مردوں اور عورتوں کا پڑھا ہے، دوست احباب کا پڑھا ہے، حاضریت کے پلے میں کچھ نہیں ڈالا، یعنی یہ سب لوگ صرف اپنا ہی جنازہ پڑھ کر میت کو قبر میں ڈال آئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے مرنے والے کی قبر تک اس کی رفاقت کا حق ادا کر دیا ہے۔ ہائے!

کئے اس پیلہ میں بھی آپ نے لاکھوں ستم ہم پر

خدا نا خواستہ گر خشکیں ہوتے تو کیا کرتے

مزید ستم یہ ہے کہ جنازہ کے اندر تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا کرنے کا وقت تھا، اس وقت تو ان بزرگوں نے مرنے والے کے حق میں کوئی دعا نہیں کی بلکہ میت کو

سو کھے ہی ٹر خادیا اور جب جنازہ سے سلام پھیر لیا تو ہاتھ اٹھا کر لمبی لمبی دعائیں کرنے لگتے ہیں۔ یعنی جہاں دعا کرنا سنت تھا وہاں سے بچ کر نکل گئے اور جہاں ہاتھ اٹھانا صریحاً بدعت ہے وہاں ہاتھ اٹھالئے۔ نماز جنازہ سے سلام پھیرنے کے بعد کی دعا جو نہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھی نہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم نے پڑھی نہ آئمہ دین نے یہ کام کیا اسے اس سختی سے پکڑتے ہیں کہ چھوڑنے میں نہیں آتے اور جو کام انہوں نے کیا اس کے قریب نہیں پھٹکتے۔ سبحان اللہ کہتے جری ہیں یہ لوگ۔

پھرے زمانہ پھرے آسمان ہوا پھر جائے
بتوں سے ہم نہ پھریں ہم سے گو خدا پھر جائے

دُعا بعد سلام

نماز جنازہ سے سلام پھیر کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا بدعت بھی ہے اور غیر منطقی امر بھی ہے کیونکہ نماز جنازہ تو خود ہی ایک دُعا ہے نماز نہیں ہے۔ نماز اس کو محض اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں بھی نماز جیسا ہی اہتمام کیا جاتا ہے۔ وضو ہے، نیت ہے، قیام ہے، امام کی اتباع ہے، کعبہ کی جانب منہ کیا جاتا ہے، تکبیریں کہی جاتی ہیں اور سلام پھیرا جاتا ہے۔ جبکہ نماز میں اس سب کچھ کے ساتھ رکوع ہے، قنوت ہے، سجدہ ہے، تشہد ہے جو جنازہ میں موجود نہیں ہیں۔ یہ دراصل تو دعائے جنازہ ہی ہے۔ مگر اس کے کچھ حصہ کو نماز کا ہم شکل ہونے کی وجہ سے اس کو نماز ہی کہہ دیا گیا ہے۔

اور پھر جب نماز جنازہ بجائے خود بھی ایک دعا ہی ہے تو دعا کے بعد ایک اور بے محل کی دُعا میں کیا ٹنگ ہے۔ مزید یہ کہ اس دعا کا حضور ﷺ سے چل کر تینوں بہترین زمانوں (اصحاب، تابعین، تبع تابعین) میں کہیں وجود نہیں پایا جاتا، یہ اہل بدعت کی اختراع ہے۔ اور انہی کو اس پر اصرار بھی ہے۔

اس دعا کو صرف اہل حدیث ہی بدعت نہیں کہتے خود احناف کے بڑے بھی اس کو سنت نہیں سمجھتے اور اپنے قبیحین کو اس سے منع کرتے ہیں مگر اس کا کیا کیا جائے کہ احناف کا وہ غیر علمی گروہ جس کا کام صرف اہلحدیث کے خلاف لڑائی جاری رکھنا ہی ہے وہ اہلحدیث کی ضد میں اپنے بڑوں کی بات بھی ماننے کو تیار نہیں ہے۔ ہم اپنے بھائیوں سے عرض کریں گے کہ وہ اس باب میں اپنے بزرگوں سے دریافت کریں۔ آپ حیران ہوں گے کہ اس دعا کو بدعت قرار دینے میں آپ کے بڑے بھی اہلحدیث کے ساتھ ہیں۔

بحر الرائق حنفی فقہ کی ایک مشہور اور مستند کتاب ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ إِنَّ الصَّلَاةَ الْجَنَازَةَ لَيْسَتْ بِصَلَاةٍ حَقِيقَةٍ بَلْ هُوَ دُعَاءٌ کہ نماز جنازہ ہرگز حقیقی نماز نہیں ہے بلکہ یہ ایک دعا ہے۔

مزید ارشاد ہے: لَا يَدْعُوا بَعْدَ التَّسْلِيمِ کہ نماز جنازہ سے سلام پھیر کر ہرگز دعائے کی جائے (کہ یہ بات صحیح نہیں ہے)

مرقاۃ کے حضرت ملا علی قاری مشہور حنفی بزرگ ہیں۔ وہ تحریر کرتے ہیں: لَا يَدْعُوا لِلْمَيِّتِ بَعْدَ الصَّلَاةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ يَشْبَهُ الزِّيَادَةَ فِي الصَّلَاةِ الْجَنَازَةِ کہ نماز جنازہ سے سلام پھیر کر میت کے لئے مزید دعائے کی جائے کیونکہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی ادا کردہ نماز جنازہ میں اضافہ کرنے کا شبہ دخل پاتا ہے۔

ایک مجلس کی تین طلاق

ایک مجلس کی تین طلاق

دوسرے بہت سے مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی اختلاف احناف بزرگوں نے ہی کیا ہے، ورنہ اس میں اختلاف والی کوئی بات نہیں تھی۔ حدیث رسول ﷺ کے بموجب مسئلہ بالکل واضح اور صاف ہے مگر نہ جانے احناف بزرگ کیوں ہمیشہ حقائق سے روگردانی ہی پسند کرتے ہیں اور سیدھی بات کو بھی بے جواز ہی ٹیڑھا بنا ڈالتے ہیں کہ بار بار یہی کہتا پڑے۔

رہا ٹیڑھا مثال نیش کشی
کبھی کج فہم کو سیدھا نہ پایا

مسئلہ کی صورت

بات یوں ہے کہ احناف بزرگوں کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں ایک ہی بار میں ایک ہی موقع پر یوں طلاق دے کہ میری طرف سے تمہیں تین طلاق ہیں یا اس طرح کہہ دے کہ میری طرف سے تجھے طلاق طلاق طلاق تو اس طرح طلاق واقع ہو کر اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ اور تین یا تین طلاق کے الفاظ کہہ دینے کے بعد اسے رجوع کا حق نہیں رہتا اور اس کی بیوی اب حلالہ کے بغیر اس کی طرف واپس نہیں لوٹ سکتی۔

جبکہ اہلحدیث کا مسلک یہ ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دیتے وقت ایک ہی مجلس میں خواہ کوئی شخص ایک بار کہہ دے کہ میری طرف سے تجھے طلاق ہے یا تین بار کہے یا جتنی بار بھی کہتا جائے یہ ایک ہی رجوع طلاق ہوگی۔ اور اگر اس کا خاوند اسے دوبارہ واپس لینا چاہے تو عدت کے اندر اسے جب چاہے پہلے نکاح پر ہی واپس لے سکتا ہے، اور واپس لینے میں اس کی بیوی کو کسی جدید نکاح یا حلالہ وغیرہ کے کسی مرحلہ سے نہیں گزرنا پڑے گا۔

یہ حلالہ کیا ہے؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حلالہ کیا ہے؟ جس کو اختیار کئے بغیر خفی شخص کی بیوی تو اس کی طرف واپس نہیں لوٹ سکتی۔ مگر یہ حلالہ کسی اہلحدیث مرد کی بیوی کی راہ میں نہیں پڑتا اور وہ اس کو اختیار کئے بغیر ہی اپنے خاوند کی طرف لوٹ سکتی ہے۔

تو واضح رہے کہ حلالہ اس طریقے کا نام ہے جس کے ذریعہ حرام ہو چکنے والی عورت کو اس کے خاوند کے لئے دوبارہ حلال بنایا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ اختیار کی گئی ہے کہ وہ شخص جس نے اپنی بیوی کو بیک بار تین طلاق دے کر اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اب وہ کسی ایسے مرد کو تلاش کرے جو اس شرط پر اس کی بیوی سے نکاح کرے کہ وہ ایک دورات (یا طے شدہ مدت) تک اس سے صحبت کرے گا اور پھر اس کو طلاق دے دے گا۔ جبکہ اہلحدیث کے نزدیک یہ فعل حلالہ نہیں بلکہ صریحاً حرام کاری اور خالص زنا ہے اور جو لوگ اس شنیع فعل میں شریک ہیں وہ زنا کی سزائیں سنگسار کئے جانے کے لائق ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی یعنی اب مصالحت کا مرحلہ بھی نہ رہ سکا تھا کہ اس کے بھائی نے اپنے بھائی کو پوچھے بغیر اس کی مطلقہ عورت سے نکاح کر لیا تاکہ وہ اس عورت کو دوبارہ اپنے بھائی کے لئے حلال بنا سکے۔ کیا یہ نکاح صحیح ہے؟

حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ صورت اختیار کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے اور ہم اس طرح کے نکاح کو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی زنا ہی شمار کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفہ دوم سے نقل ہوا ہے کہ اگر یہ حلالہ کرنے والے میرے سامنے لائے جائیں تو میں ان کو زنا کی سزائیں سنگسار کر دوں گا۔ اس حلالہ کے ناپاک کاروبار میں ملوث شخص سے رسول اللہ ﷺ اس درجہ نفور

تھے کہ ایک روز اصحابؓ سے فرمانے لگے کیا میں تمہیں اُدھار لئے گئے سائڈ کا پتہ نہ دوں؟
اصحابؓ نے عرض کیا ضرور پتہ دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جو حلالہ کرتا ہے اور کسی
کی مطلقہ عورت سے اس لئے نکاح کرتا ہے کہ صحبت کے ساتھ اُسے اس کے اصل خاوند
کے لئے دوبارہ حلال بنا دے۔ ۱۔

اس شخص کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی نفرت کا اندازہ کرنے کے لئے آپؐ
کا وہ ارشاد بہت معاون ہے جو آپؐ سے یوں وارد ہوا ہے:
لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحْلِلَ وَالْمُحْلَلَّ لَهُ ۲۔
کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے (یعنی زانی) پر اور اس شخص پر جس کے لئے اس
عورت کو زنا کے ذریعہ حلال بنایا جا رہا ہوتا ہے لعنت فرمائی ہے۔

ایک دریافت طلب بات

آپؐ پوچھ سکتے ہیں کہ اس حلالہ کو آخر حرام قرار دینے کی کیا وجہ ہے جبکہ اس کی
بنیاد باقاعدہ نکاح پر رکھی گئی ہے۔

حرام تو اس صورت میں ہوتا کہ عورت کو بغیر نکاح کے کسی دوسرے مرد کے
سپرد کر دیا جاتا۔ مگر جب اسے نکاح کے ساتھ دوسرے مرد کی زوجیت میں دیا گیا ہے تو یہ
حرام کیونکر ہوا۔ آخر حرام کو حلال بنانے کا ذریعہ نکاح ہی تو ہے۔ اس سوال کا تفصیلی جواب تو
آپؐ کو آگے چل کر مل سکے گا، جہاں حاس مسئلہ کے اسی پہلو سے بحث درج ہے۔ یہاں مختصراً
عرض ہے کہ قرآن کریم کے ارشاد الطَّلَاقِ مَرَّتَيْنِ کے بموجب کہ طلاق دوبارہ ہے اور
رسول اللہ ﷺ کی سنت کی روشنی میں ایک وقت میں خواہ کوئی اپنی بیوی کو تین بار طلاق کہہ
دے یا تین سو بار وہ ایک ہی رجعی طلاق پڑتی ہے یعنی وہ طلاق جس کے بعد اگر خاوند چاہے تو

۱۔ ابن ماجہ ۲۔ نسائی - احمد - ترمذی

اسی پہلے نکاح پر رجوع کر سکتا ہے۔ بات بڑی واضح ہے کہ خواہ طلاق کہہ دی گئی مگر نکاح موجود ہی رہتا ہے اور وہ طلاق کی عدت گزر چکنے کے بعد ہی ختم ہوتا ہے۔

اور اب جب حلالہ کی غرض سے نکاح کیا گیا ہے تو یہ نکاح پر نکاح ہے جو حرام بھی ہے اور ایسا نکاح وجود بھی نہیں پاتا۔ پھر جب نکاح ہوا ہی نہیں تو عورت بے نکاح ہی دوسرے مرد کے پردہ ہوئی۔ اس لئے یہ زوجیت سے اہل کوئی بات نہیں بلکہ بالکل زمانہ ہی ہے۔

تدبیر کن بندہ تقدیر کند خندہ

چند برس پہلے کی بات ہے کہ کراچی کا ایک عبرت بھرنا واقعہ اخبارات کے ذریعے ہفتوں تک پورے ملک کی دلچسپی، مان بٹا رہا۔

ایک شخص نے جو ایک بڑا آدمی بھی تھا اور حکومت کے کسی محکمے میں اعلیٰ افسر کے بطور متعین تھا۔ اپنی بیوی کو تین طلاق کہہ دیں اور اس طرح اس نے آنکھ جھپکنے میں ہی اپنی بیوی کو اپنے لو پر جرام کر لیا۔ اب پشیمانی ہوئی مولوی صاحب سے مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے حلالہ کا راستہ بتایا۔

عورت نے بات سنی تو کانپ گئی وہ غیرت مند بھی تھی اور معاشرہ میں بھی اونچے مقام پر فائز تھی بات سن کر دم بخود رہ گئی کہ کیا اب اسے چند گھنٹوں کے لئے اپنے آپ کو کسی دوسرے مرد کی خلوت کے سپرد کرنے کی مجبوری قبول کرنا ہوگی۔ اس کے ماں باپ اور بہن بھائی بھی یہی کہتے تھے کہ مسئلہ کی بات ہے اب یہ تلخ گھونٹ پینے کے سوا چارہ نہیں۔ ناچار اس نے بھی مسئلہ کے سامنے سر جھکا دیا تاہم وہ اپنے دل کو اس صورت حال سے ہموار نہ کر سکی۔

صلاح یہ ٹھہری کہ اس کا نکاح اپنے کسی گھریلو ملازم سے کر دیا جائے جس سے اگلی صبح ہی طلاق حاصل کر کے اسے اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال بنا لیا جائے۔ پھر اس قرار داد

کے مطابق عمل ہو گیا۔ خادم خاوند بن گیا اور مالک نے بیوی بنا قبول کر لیا۔
عورت پیش آنے والے لمحات کے تصور سے بے حال بھی تھی، غم بھنے بڑھال
بھی تھی اور غصہ سے جھٹکنا اضطراب بھی تھی۔ پھر اچانک ہی کسی غیر شعوری رہنمائی سے
اس نے ایک فیصلہ کر لیا اور آنے والی وحشت اثر ساعت کے لئے تیار ہو بیٹھی۔

رات ہوئی تو اس نے اپنے ہونے والے شوہر کو اپنی خلوت میں طلب کیا۔ وہ حکم
سن کر اندر تو آگیا مگر اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی مالکہ آج اس کی بیوی ہے اور وہ اس کا
شوہر ہے۔ وہ ڈر اڈر 'سہاسہ' سنا سنا اور گھبرایا گھبرا گیا۔ آگے بڑھنے کی ہمت نہیں تھی
مگر حکم کی تعمیل کی۔ عورت نے جب اس کی حالت دیکھی تو آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا
اور بڑے پیار سے کہنے لگی گھبراؤ نہیں، پریشانی والی کوئی بات نہیں تم سچ ہی آج سے میرے
شوہر ہو اور میں تمہاری بیوی ہوں اور سنو! مجھے اگرچہ ایک بے غیرت شخص نے چند گھنٹوں
کے لئے تمہارے سپرد کیا ہے مگر میں نے اب تمہیں مستقل طور پر ہی قبول کر لیا ہے۔ اب وہ
بے غیرت اس گھر میں کبھی قدم نہیں رکھ سکے گا، آج سے اس کو ٹھکی کے مالک تم ہو۔

ایک بات اور سنو! وہ صبح کو تمہارے پاس لکھا لکھایا طلاق نامہ لے کر آئے گا تاکہ
اس پر تم سے دستخط لے، مگر تم اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دینا اور کہنا کہ مجھے اپنی بیوی
سے کوئی شکایت نہیں ہے اس لئے میں اُسے ہرگز طلاق نہیں دوں گا باقی معاملہ میں سنبھال
لوں گی۔

بات یہ تھی کہ یہ کوٹھی اُس صاحب بہادر کو اُن کے سرال سے ملی تھی مگر وہ
اس کی عورت کے نام پر ہی تھی اور یہ صاحب صرف اس عورت کا شوہر ہونے کے رشتہ سے
ہی اس کی کوٹھی کے مالک تھے۔ کوٹھی کی حقیقی مالکہ اس کی بیوی ہی تھی۔

پھر ایسا ہی ہوا صبح ہی صبح وہ صاحب ایک کاغذ لے آئے اور اُسے اپنے اسی انفرانہ
لجے میں مخاطب کیا اور کہا اے! اس کاغذ پر دستخط کر دو۔ مگر اب وہ لوئے کی بجائے جناب بن

منہ لٹا کئے باہر نکل گئے یعنی۔

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوائے کام کیا
اب یہ تو معلوم نہیں کہ اس باغیرت خاتون نے طلاق کی عدت گزر چکنے کے بعد
اپنے اس غلط نکاح کی تجدید کر کے اپنے معاملے کو سیدھا کر لیا تھا یا نہیں مگر اس نے ایک
دلچسپ عبرت کی ضرورت تاریخ کے حوالے کر دی۔

اور حلالہ ٹل گیا

کم و بیش تین برس کی بات ہے کہ ہمارے ہاں کے ایک بریلوی المسک حنفی شخص
کی بیٹی کو اس کے خاوند نے ذرا سے گھریلو جھگڑے پر تڑاق سے کہہ دیا تجھے میری طرف سے
تین طلاق ہیں۔

اور پھر گھر میں قیامت کا سماں تھا کوئی اس دیوار کے ساتھ لگ کر رہا تھا کوئی
دوسری دیوار سے چشم غم چٹا کھڑا تھا۔ لڑکی الگ بین کر رہی تھی، لڑکی کا باپ اپنی جگہ تصویر
غم بنا بیٹھا تھا۔

سب کہتے تھے ہائے اب کیا ہو گا، تین طلاق تو تین طلاق ہی ہوتی ہیں گھر والوں کا
کھانا پینا چھوٹ گیا اور مولوی صاحبان کے پیچھے بھاگنے دوڑنے لگے کہ کوئی صورت نجات
پیدا ہو، مگر وہ اپنے جس مولوی کے پاس بھی جاتے وہ حلالہ کا راستہ ہی بتاتا۔

انہوں نے ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ حلالہ کیا ہوتا ہے؟ اور جب
مولوی صاحب نے حلالہ کی تفصیل بتائی تو لڑکی کے باپ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہ
یہ کیونکر ممکن ہے۔ میں اپنی لڑکی چند گھنٹوں کے لئے کس دوسرے مرد کے سپرد کر دوں
لاچول دلا قوت۔

پھر وہ مایوس ہو کر گھر واپس لوٹا اور غم کی شدت سے بے سکت ہو کر گر گیا۔ کسی

نے اسے مشورہ دیا کہ رونے کے بجائے کسی اچھے بیٹے سے رابطہ پیدا کرو امید ہے کہ تمہارے درد کا درماں ہمیں وہاں سے ضرور مل جائے گا۔

وہ بڑا متعصب شخص تھا مگر مرتا کیانہ کرتا دو اور آدمی ساتھ لے کر میرے پاس آیا اور مجھ پر غم اپنی داستانِ درد و غم سنائی۔

میں نے کہا آپ حنفی مسلک ہیں اور حنفی فقہ نے اس مسئلہ کا بڑا صاف اور آسان حل بتا رکھا ہے اس کو کیوں اختیار نہیں کرتے!

کہنے لگا کیا حل ہے؟ میں نے کہا حلالہ! اس کی آنکھیں جھک گئیں اور کہنے لگا کہ یہ تو بڑی ہی بے غیرتی کی بات ہے! عرض کیا بے غیرتی ہے یا بے حیائی! آپ کے بزرگ اس صورتِ حال کا یہی علاج بتاتے ہیں۔

بڑے غمناک انداز میں بے حال سا ہو کر کہنے لگا اللہ کی قسم یہ کام تو ہم سے نہیں ہو گا خدا کے لئے ہماری آبرو بچانے کی آپ کوئی سبیل نکالیں۔

میں نے کہا سبیل تو موجود ہے لیکن ہمارے مسلک کے تجویز کردہ حل پر عمل کر کے آپ حنفی نہیں رہ سکیں گے۔ کہنے لگا مگر عزت تو رہ جائے گی! عرض کیا پھر آپ جسے کھڑپانی بند کرنا کہتے ہیں خیال ہے کہ آپ کی حنفی برادری آپ کا کھڑپانی بند کر دے گی۔

کہنے لگا ہم اپنی برادری کو جانتے ہیں آپ میری بیٹی کی آبرو کو رسوا ہونے سے بچانے کی راہ نکالیں یہ برادری ہم سے کھڑپانی بیٹی پلاتی ہی رہے گی۔ میں نے کہا پھر سوچ لو! کہنے لگا بس سب کچھ سوچ لیا ہے!

اب میں نے پوچھا کہ تمہیں طلاق کو کتنا عرصہ گزرا ہے؟ کہنے لگا کہ پورے آٹھ روز کی بات ہے!

عرض کیا تو کوئی بات نہیں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے بموجب یہ ایک ہی رجعی طلاق ہے۔ عدت کے اندر اگر فریقین آپس میں صلح کر لیں تو کسی حلالہ وغیرہ کی

ضرورت نہیں پڑتی، مگر جا کر ان کی صلح کرادو۔ پھر آپ لوگ خفی رہتے ہیں یا نہیں یہ آپ جانیں اور آپ کی فہم، مگر وہ دونوں ضرور راضی خوشی زندگی بسر کر سکیں گے۔ تاہم انہیں یہ سختی سے صحت کرو کہ معمولی معمولی باتوں پر طلاق پر اتر آنا مناسب ہے۔ نبی ﷺ نے بغیر گنی ناگزیر صورت کے طلاق کو پسند نہیں کیا، بچی کو کہو کہ وہ اپنی زبان کی حفاظت کرے اور اس کے خاوند کو تاکید کر دو کہ وہ بھی اپنے مزاج پر قابو رکھے۔

پھر ان دونوں کی صلح کرادی گئی اور ان کی برادری فی الواقع ہی ان کے خیال کے مطابق ان کی برادری ہی بنی رہی۔

خفی حلالہ کا تصور بھی سخت کر بناک ہے

قلبی سنوڈیو ز اور نیلی ویرین اسٹیجوں پر اداکاری سے وابستہ خواتین بھی جن کو مظلوم مجالس میں غیر نسوانی آداب حیات کے ساتھ فن کے نام پر غیر مردوں سے آزادانہ خلاطاف پر کبھی اعتراض نہیں ہوا۔ اگر انہیں بھی زندگی کے کسی موڑ پر کبھی حلالہ کا حادثہ درپیش ہو تو اس ظالم کے خونیں پنجہ میں جکڑے جانے کے خوف سے ان کا بھی رنگ رخ اڑ گیا اور وہ آنے والی لذت ناک اور شرمناک ساعتوں کے تصور سے ہی جچ اٹھیں۔

ایک ٹیلیویشن اداکارہ کا المیہ

پچھلے دنوں ٹیلیویشن انڈیا کی ایک اداکارہ روبینہ کو جو اپنے مداموں اور قلبی زبان میں اپنے پرستاروں میں ”ہندیا“ کے نام سے شہرت رکھتی ہیں حلالہ کا مرحلہ آپڑا اور وہ تو ان کی شہرت کوئی نیکی کام اچھی کہ بروقت امداد پہنچ جانے سے وہ اپنی عصمت کو بچالینے میں کامیاب ہو گئیں مگر حلالہ کا سن کر ان کی جو حالت ہوئی وہ انہی کی زبان سے سننے کے لائق ہے۔ وہ اپنے ایک اخباری بیان میں کہتی ہیں:

”جب میں حلالہ کا سوچتی تو میری جان ہی نکل جاتی کہ گیارہ برس تک

اپنے شوہر کے انتظار میں بیٹھے رہنے کے بعد بھی کیا اب مجھے اس کی طرف واپس لوٹنے کے لئے اپنے آپ کو کسی دوسرے مرد کے سپرد کرنا ہوگا؟“

(روزنامہ پاکستان لاہور ۱۵ فروری ۱۹۹۱ء)

بندیا کی یہ وحشت اور کرہنایا بالکل طبعی بات تھی، مگر اس کرہنایا کا دوسرا رخ ان کے لئے مزید بھی سخت کرہنایا کا موجب بنا کہ جو نہی کرہیہ کے سائڈ صوں کو پتہ چلا کہ بندیا کو حلالہ کے لئے کسی موزوں مرد کی تلاش ہے تو خود بندیا کے مطابق ہی:

”رات دن انہیں ہزاروں ٹیلی فون کا لڑا اور خط موصول ہونے لگے۔“

ان ٹیلی فونی کالوں اور خطوط کی ذریعہ لوگ بندیا سے جو کچھ کہہ رہے تھے، یہ کہانی بھی بندیا کی زبان سے ہی سن لیجئے وہ بیان کرتی ہیں:

☆ ایک صاحب نے لکھا:

شکر ہے آپ نے حلالہ کا فیصلہ کر لیا ہے اور میں آپ سے اپنی رغبت کی وجہ سے بجا طور پر سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر آپ مجھے فراموش نہیں کریں گی۔

☆ ایک شخص کا کہنا ہے کہ:

میں برسوں سے آپ کا مداح ہوں اور اب حلالہ کے موقع پر میں آپ سے اس حلالہ کا زیادہ حقدار ہوں۔

☆ ایک صاحب کی پیشکش ہے کہ:

اگر آپ مجھے اپنے ساتھ حلالہ کا شرف عطا فرمادیں تو میں آپ کے قلمی کاروبار میں روپیہ لگانے پر آمادہ ہوں۔

☆ ایک صاحب نے مجھے نکاح حلالہ کے بعد چاند میں جا کر ہنی مون منانے کی پیش کش کی ہے۔

☆ وہ بتاتی ہیں کہ میرے لئے بے چین دل رکھنے والے ایک شخص نے مجھے تسلی دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ :

یہ مولوی لوگ اس حلالہ میں رکاوٹ ڈالنے کی بہت کوشش کریں گے لیکن آپ گھر نہ کریں ہم کوئی نہ کوئی صورت ضرور نکال لیں گے! آہ۔
شرم تم کو مگر نہیں آتی ۔

یہاں یہ امر بھی بالکل واضح ہے کہ بندیا کے یہ سارے شائقین یہ بھی جانتے ہیں کہ بندیا سے ان کا یہ جنسی تعلق ایک آدھ یا چند ملاقاتوں سے آگے نہیں بڑھے گا کیونکہ یہ حنفی حلالہ ہمیشہ مشروط ہوتا ہے مگر یہ امر موجب عبرت ہے کہ اس کے باوجود انہیں ان کی جنسی آوارگی نے نفس کے ہاتھوں کن درجہ بے قابو بنا رکھا ہے۔۔۔
حیف گرد رہیں امر و زود فرمائے

ایک حلالہ جس نے حرام کو دوام بخشا

جناب عثمان پیر زادہ اور ان کی بیگم شیمہ پیر زادہ دونوں ہی اداکار ہیں خبر کے مطابق کچھ عرصہ پہلے نیلیو یٹن اسٹیج پر یہ دونوں میاں بیوی ”دریا“ نام کے ایک ڈرامہ میں اکٹھے ہی اپنے کمال فن کا مظاہرہ کر رہے تھے اور اتفاق سے ان کو ڈرامہ میں بھی میاں بیوی کا کردار ہی سپرد ہوا تھا۔ ڈرامہ کی کہانی کے مطابق ایک مرحلہ پر شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ ڈرامہ بہت کامیاب تھا اور بہت پسند کیا گیا اور پھر بات آئی گئی ہو گئی۔
اب یہ دونوں میاں بیوی تو اپنی فن کا معاوضہ وصول کر کے اپنے گھر جا بیٹھے، مگر اگلے ہی روز بعض حنفی مفتی صاحبان لنگر لنگوٹا کس کر میدان میں اتر آئے کہ پیر زادہ نے جس عورت کو ڈرامہ میں طلاق دی ہے چونکہ وہ اس کی حقیقی بیوی بھی تھی اس لئے یہ طلاق ان دونوں کے نکاح کو بھی موثر ہوئی ہے اور اس کے بعد وہ میاں بیوی کے رشتہ سے منسلک

نہیں رہ سکے۔ مفتی حضرات نے اپنے فتویٰ میں انکار استہ بھی متعین کر دیا کہ اب اگر پھر زلہ شینہ سے ازدواجی رشتہ قائم رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ شینہ کسی دوسرے مرد سے حلالہ کرانے۔ پھر اس نئے خاوند سے طلاق مل چکنے کے بعد حسب قاعدہ پھر زلہ اس سے دوبارہ نکاح کریں تب وہ اس سے ازدواجی تعلق کا حق حاصل کر سکیں گے۔ ان کا پہلا رشتہ ٹوٹ چکا ہے اب حلالہ کے بغیر ان کا آپس میں ملنا حرام ہے۔

حنفی مفتی کا یہ فتویٰ اداکار جوڑے پر بجلی بن کر گرالور وہ دونوں ہی ازدیاد وحشت سے بے دم ہو کر رہ گئے۔ تاہم انہوں نے اس فتویٰ کو اس عذر سے مسترد کر دیا کہ وہ تو ایک کھیل تھا اور کھیل کے ایک کردار نے جسے خاوند فرض کر لیا گیا تھا، کھیل کے ایک کردار کو جسے اس کی بیوی فرض کیا گیا تھا طلاق دے دی اس طلاق کا ہمارے نکاح پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اور ایسی صورت میں حلالے کا کیا سوال ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اداکار جوڑے نے اپنی ازدواجی زندگی کو بدستور ہی صحیح قرار دیا اور وہ بدستور ہی میاں بیوی بنے رہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگرچہ میاں نے کھیل میں اپنی بیوی کو طلاق دی تھی مگر چونکہ وہ اصلاً بھی میاں بیوی ہی تھے اس لئے یہ کھیل کی طلاق بھی ان کے نکاح کو موثر تھی اور ان کا نکاح باقی نہیں رہ گیا تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق نکاح طلاق اور رجعت تین امور ایسے ہیں کہ ان کے احکام کھیل تماشا اور ہنسی مذاق میں بھی موثر ہو جاتے ہیں۔

ویسے بھی یہ بات ناقابل فہم نہیں ہے کیونکہ اگر غصے کے عالم میں دی گئی طلاق موثر ہو جاتی ہے اور یہ سوال نہیں اٹھتا کہ وہ تو غصے کی بات تھی ٹھیک ایسے ہی ہنسی مذاق کی طلاق بھی طلاق کی حیثیت ہی رکھتی ہے۔

لیکن فتویٰ میں خرابی یہ تھی کہ مفتی صاحب نے جو چھوٹے ہی پھر زلہ کی بیوی

کئے لئے دوسرے مرد کی خلوت کو آباد کرنے کا حکم صادر کر دیا تھا تو یہ بالکل غلط تھا۔ اس طلاق میں حنفی حلالہ والی کوئی بات نہیں تھی۔ اداکارہ عورت نے یہ تو اچھا کیا کہ مفتی صاحب کے کہے جھٹ سے اپنے آپ کو کسی دوسرے مرد کی خلوت کی رونق نہیں بٹایا مگر حلالہ کے ذہیت ناک تصور سے انہوں نے ازدواجی تعلقات کو سیدھا رکھنے کی کوئی جائز صورت بھی اختیار نہیں کی۔

حنفی مفتی کا یہ حکم بلاشبہ غلط تھا کہ شینہ اب حلالہ کرائے اس کے بغیر وہ پھر زادہ کی بیوی کے بطور نہیں رہ سکتی۔ مگر یہ بات ضرور صحیح تھی کہ شینہ کو رجسی طلاق ہو چکی ہے۔ پس اداکارہ جوڑے کو خود مفتی نہیں بننا چاہئے تھا اور اس طلاق کو جو بہر حال موثر ہو چکی تھی اپنی صوابدید سے غیر موثر قرار دے کر گناہ کی زندگی بسر کرنے پر اصرار مناسب نہیں تھا۔

قصور وار کون ہے؟

بلاشبہ پھر زادہ اور ان کی بیگم کی گنہگار زندگی کا محرک حنفی مفتی صاحبان کا بے عمل حلالہ کا فتویٰ ہی ہے۔ مگر اس سے دونوں بیوی خاوند کے گناہ کا بوجھ کم نہیں ہو جاتا۔ اگر کوئی شخص قتل کا ارتکاب کرے تو وہ اس عذر پر قتل کی سزا سے نہیں بچ جائیگا کہ اس کو قتل کی ترغیب کسی دوسرے نے دی تھی یا اسے آلہ قتل کسی دوسرے شخص نے سپرد کیا تھا۔ وہ دوسرا شخص بھی یقیناً قتل میں شریک ہے مگر قاتل کو قتل کی سزا ضرور ملے گی۔ اس لئے اس اداکارہ جوڑے کی بھلائی اسی میں تھی کہ وہ اپنی باگ تمام لیتے اور اپنے سفر حیات کو صحیح سمت جاری رکھنے کا اہتمام کرتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر حنفی مفتی پھر زادہ اور ان کی بیگم کو حلالہ کا مشورہ دینے کے بجائے حدیث پاک کے بموجب حسب موقع رجوع یا تجدید نکاح کا مشورہ دیتے تو شاید اداکارہ جوڑے کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ مگر حلالہ کے خوف سے وہ اپنا حالی مستقبل بھی تاریک کر بیٹھے۔

مقام عبرت

ہمیں بعض حنفی مفتی حضرات کے اس شوق کی وجہ سمجھ میں نہیں آسکی جو وہ گزشتہ کچھ عرصہ سے فلمی سنوڈیو اور ٹیلی ویژن اسٹیجوں کے اداکاروں اور اداکارائوں، رقصوں، رقاصوں، مغنیوں اور مغنیات کے پھدے میں بیٹھے بٹھائے کیوں ٹانگ اڑانے لگ گئے ہیں۔ کچھ عرصہ سے ان بزرگوں کا یہ معمول بن گیا ہے کہ جو نئی کسی اداکار بالخصوص پیمائش کرنے لگتے ہیں۔ جب کچھ پیش نہیں چلتی تو بات کو انجام تک پہنچانے اور معاملہ کو شرعی عدالتوں میں لے جانے کے بجائے بے بسی سے منہ لٹکائے بیٹھ جاتے ہیں اس طرح وہ آئے دن اپنی ذلت اور اسلام کی بے وقری کا موجب بنتے ہیں۔

ہم پوچھتے ہیں کہ جن مغنیات یا اداکارہ خواتین کو وہ ان کے کسی ناروا فعل پر ایمان کے حوالے سے لٹکانے لگ جاتے ہیں ان کا تو پورا سر لپا ہی اسلام کے خلاف ہے، پھر وہ اَفْتُوْ مِنْوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضِ کی راہ کیوں اختیار فرما رہے ہیں۔

کیا ان اداکارہ خواتین اور مغنیات کا غیر مردوں کی محفل میں ناچنا گانا، غیر محرموں سے آزادانہ میل ملاپ اور کیا ان کی تھرکٹی، چھلتی، پھلانگتی اور جسم کے متنوع زاویے بناتی اور کھلے عام اپنے جسم اور حسن کی نمائش کرتی زندگی اسلام کے مطابق ہے؟ جب انہوں نے ان کے ان لیل و نہار کا کبھی نوٹس نہیں لیا تو پھر اگر ان سے کوئی مزید گناہ بھی شہرت پا جاتا ہے تو وہ ان کی زندگی کو اسلام کی ترازو میں اتارنے کے لئے کیوں بے چین ہو جاتے ہیں۔

جب ان لوگوں نے اپنی زندگی کے پورے سر لپا پر اسلام کے دروازے بند کر رکھے ہیں تو وہ ان کو خدا کے حوالے کیوں نہیں کر دیتے، وہ ان کی بے باک زندگیوں پر اسلام کا دباؤ ڈال کر انہیں مزید بے باک بناتے ہیں اور اسلام کی بے آبروئی کا موجب بنتے ہیں۔

جب ان لوگوں کو قرآن پاک نے چھٹی دے رکھی ہے کہ جو چاہو کرو ہم ایک مقررہ دن ہی تمہارا محاسبہ کریں گے۔ تو وہ بھی صبر سے کام لیں یا پھر ملک کے اندر ایسی حکومت قائم کریں جو ایسے لوگوں کے محاسبہ کی مکلف بھی ہو اور اس پر آمادہ بھی ہو۔

کچھ عرصہ گذر الملکہ ترنم نور جہاں کے بعض اقوال کو بحث کا مضمون بنایا گیا اور ان پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ توبہ کرو اور معافی مانگو۔ انہوں نے بڑے اعتماد سے کما معافی نہیں مانگوں گی۔ اور ان کا یہ بیان ہمارے اسلامی پریس نے ان کی تصویر کے ساتھ پہلے صفحات پر شائع کیا۔ اور پھر اگر مفتی حضرات کے نزدیک نور جہاں اسلام کی توہین کی گنگناہ تھیں تو وہ ان کے معاملہ کو آگے لے جاتے، شرعی عدالت میں استغاثہ کرتے مگر یہ حضرات اپنے ایک فتویٰ کو ہی اسلام کی خدمت قرار دے کر چپ ہو گئے۔

ایک بار پھر

انہی ملکہ ترنم نے اپنے شوہر سید شوکت حسین سے طلاق حاصل کی۔ اور عدت گزارے بغیر جناب اعجاز سے نکاح کر لیا۔ اس مرحلہ پر پھر ہمارے یہ مفتی حرام حرام پکارتے سڑکوں پر نکل آئے۔ مگر ملکہ ترنم نے ان کے فتویٰ پر نفرت بھری نگاہ ڈالی اور اپنے نئے شوہر کو ہمراہ لئے ہنی مون منانے ملک سے باہر چلی گئیں۔ ظاہر ہے کہ یہ حدود کا کیس ہی تھا۔ مگر مفتی صاحبان بس اسلام کو زسوا کر کے ہی چپکے ہو رہے، اور دوبارہ بات تک نہ اٹھائی۔

اگر مآلِ کاری ہی ہے تو آپ نے اتنی دھوکہ کی ہی کیوں لی تھی۔ شرعی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے اور بات کسی ٹھکانے تک پہنچاتے، مگر نہیں انہوں نے اسلام کو بے آبرو کرنا تھا کر دیا، مفتی صاحبان کو بس اتنا ہی فائدہ ملا کہ ان کا اسم گرامی کچھ روز اخبارات کو سرخیوں میں کر تارہا۔ باقی رہا اسلام، تو یہ ایک ثانوی امر تھا۔

یہ حلالہ الہمدیث کا درِ دِسر نہیں ہے

حلالہ کا یہ شرمناک مرحلہ صرف حنفی گھرانوں کا ہی روگ ہے۔ الہمدیث گھرانوں کی خواتین طلاق پانے کے باوجود اس گندگی سے ہمیشہ محفوظ رہتی ہیں۔ یہ کارنامہ صرف حنفی بزرگوں کا ہی شرف ہے کہ وہ چھوٹے ہی اپنی بیوی کو طلاق مغلطہ کے ساتھ اپنے لئے حرام بنا لیتے ہیں اور غیر مسنون طریقے سے طلاق دینے کی وجہ سے انہیں پہلے قدم پر ہی حلالہ کی شرمناکی کو اختیار کرنے کی مجبوری پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر اگر وہ اپنی اس طلاق کو بھی اپنے بے قابو غصے کے عذر کے ساتھ حدیث پاک کے تابع بنا کر اس تین طلاق کو ایک رجوع طلاق سمجھ لیتے تو بھی خیر تھی مگر وہ تو اکڑ ہی گئے کہ نہیں صاحب یہ تین طلاق ٹھیک تین طلاق ہی ہیں اور محض اپنی حماقت اور ضد سے ہی اپنی بیویوں کو حلالہ کے نام پر کسی سودے بازی سے اجنبی غیر محرم مردوں یا اپنے قابلِ اعتماد عزیزوں اور دوستوں کے سپرد کر دیتے ہیں کیونکہ ایسی طلاق کی صورت میں حلالہ کے سوا چارہ ہی نہیں رہتا اور اب بیوی اپنے خاوند کی طرف لوٹ کر آئی نہیں سکتی۔ **حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ** جب تک وہ کسی دوسرے مرد کا منہ نہ دیکھ لے۔

جبکہ الہمدیث خاتون کو طے والی طلاق ٹھیک سنت کے مطابق اپنی منزل کی طرف بڑھتی ہے۔ اور شوہر اگر طلاق کے بعد اپنی بیوی کو واپس لینا چاہے تو عدت کے اندر وہ جب بھی چاہے اسی پہلے نکاح پر ہی اسے واپس لے سکتا ہے کیونکہ عدت کے عرصہ میں نکاح بدستور ہی قائم رہتا ہے۔

لیکن اگر عدت کے اندر فریقین باہمی صلح نہ کر سکے ہوں اور عدت گزر جائے تو اب وہ اس پہلے نکاح پر ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے کیونکہ عدت کے گزرنے کے ساتھ ہی پہلا نکاح ختم ہو چکا ہے۔ اب انہیں دوبارہ باہمی ازدواجی تعلقات کو بحال کرنے کے لئے

از سر نو نکاح کر دیا ہو گا جو پہلے کی طرح ہی گواہوں کی موجودگی میں ہو گا۔ یہ طلاق چونکہ بائنہ ہے اس لئے اس واپسی میں بیوی کو کسی حلالہ کی دردیابی کے سپرد نہیں ہونا پڑے گا۔ کیونکہ طلاق بائن میں حلالے کی ضرورت نہیں پڑتی صرف جدید نکاح کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔ ۲۔ بخاری شریف کی روایت کے بموجب معتل بن یسار کہتے ہیں کہ۔

میں نے اپنی بہن کا نکاح ایک شخص سے کیا پھر اس نے اسے طلاق دے دی۔ طلاق کی عدت گزر چکی تھی کہ اس نے پھر میری بہن سے نکاح کی درخواست کی۔ میں نے جواب دیا کہ میں نے اپنی بہن کو تمہارے نکاح میں دے کر تمہاری حکمریم اور تعظیم کی تھی مگر تو نے اسے طلاق دے دی خدا کی قسم اب وہ دوبارہ تجھے نہیں مل سکتی۔ تاہم وہ ایک نیک شخص تھا اور اس کی نیکی کی وجہ سے میری بہن بھی اس سے رجوع پر راضی تھی (یہ معاملہ نبی ﷺ تک پہنچا تو) اس بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

فَلَا تَعْضِلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۝۳
کہ اگر عورتیں اپنے (پہلے) شوہروں سے رجوع پر راضی ہوں تو تم ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بنو۔

میں نے جب آیت کریمہ سنی تو میں نے کہا اَلَا اَفْعَلُ يَا رَسُولُ اللّٰہِ !
قَالَ فَزَوِّجْهَا اَيَّاهُ۔ یا رسول اللہ! اب میں اس شخص کے ساتھ اپنی بہن کا نکاح ضرور کروں گا۔ آپ نے فرمایا ہاں ضرور کر دو ۴۔

۱۔ فتاویٰ ثنائیہ (مولانا فناء اللہ امرتسری) جلد ۲ ص ۲۳۹-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۹-۲۵۹

۲۔ فتاویٰ ثنائیہ (مولانا سید ظہیر حسین دہلوی) جلد ۲ صفحہ ۱۸۲

۳۔ ۲ رکوع ۱۴

۴۔ بخاری کتاب النکاح

قرآنی حلالہ

قرآن پاک نے جس حلالہ کا ذکر کیا ہے وہ ایک بالکل الگ امر ہے اور وہ کسی خاص مرد کے لئے کسی خاص عورت کو حلال بنانے کا حیلہ نہیں ہے جیسے حنفی بھائیوں کے ہاں حلالہ کے ذریعہ مطلقہ عورت کو پھر اس کے خاوند کے لئے حلال بناتے ہیں۔ بلکہ اس قرآنی حلالہ کی صورت یہ ہے کہ اگر عورت کو طلاق ہو چکے اور وہ دوسرا گھر بسائے تو وہ اپنے نئے شوہر کی مستقل بیوی بن کر رہے، اس کا شوہر بھی اس سے نکاح کسی دوسرے کے لئے نہ کرے بلکہ اس کو اپنی مستقل بیوی بنا کر رکھے، وہ خواہ عمر بھر بیوی خاوند بنے رہیں، اولاد پیدا کریں، بیسیں رسیں لیکن اگر بد قسمتی سے کسی مرحلہ پر ان میں نزاع چل جائے اور بالآخر نوبت طلاق تک ہی پہنچے تو اب اگر یہ عورت چاہے تو اپنے پرانے خاوند سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ محض جواز کی ہی ایک صورت ہے کوئی حکم نہیں ہے اگر وہ عورت ایسا نہ چاہے تو اسے کوئی مجبوری نہیں ہے۔

ایک وقت میں تین طلاق خلاف سنت بھی ہیں

اور یہ نافذ بھی نہیں ہوتیں

حدیث رسول پاکؐ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کا اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں اور بیک بار یہ کہنا کہ تجھے تین طلاق ہیں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہے اور اس طرح کہنے سے تین طلاق موثر بھی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ خواہ اسے تین چھوڑ، تین ہزار بار بھی طلاق طلاق کہتا رہے وہ ایک ہی رجعی طلاق شمار ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے یوں تین طلاق دینے کو نہ صرف ناپسند کیا ہے بلکہ اس کے خلاف اظہار رنج و غضب بھی فرمایا ہے۔

حدیث میں ہے کہ آپ کو کسی شخص کے بارے میں یہ اطلاع پہنچی کہ اُس نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دے دی ہیں۔ آپ کو یہ خبر پا کر اتنا شدید دکھ ہوا کہ بقول راوی فَقَامَ عَصَبَانَا ثُمَّ قَالَ اَيُّعَبُّ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاَنَا اُظْهَرُ كُفْرًا کہ آپ و فوراً رنج و غضب سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا اب اللہ کے دین کا یوں مذاق اڑایا جائے گا۔ جبکہ میں ابھی تمہارے اندر موجود ہوں! (اور میں نے تمہیں ایسی حرکتوں سے منع بھی کر رکھا ہے) آپ نے اس مرحلہ پر اتنا زیادہ صدمہ اور رنج محسوس کیا کہ آپ کی حالت کو دیکھ کر آپ کی پوری مجلس رنج و غم میں ڈوب گئی یہاں تک کہ مجلس میں سے ایک صحابی نے اُٹھ کر کہا یا رسول اللہ! اَلَا اُقْتُلُہُ؟ کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں (جس نے آپ کو اتنا عظیم دُکھ پہنچایا ہے)

ایک مجلس کی تین طلاق در اصل ایک ہی رجعی طلاق ہے

رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ایک ہی مجلس میں کسی اک اپنی بیوی کو یہ کہہ دینا کہ میں نے تجھے تین طلاق دیں یا کہے تجھے طلاق طلاق طلاق تو یہ تین بار منہ سے کہہ دینے کے باوجود ایک ہی رجعی طلاق واقع ہوئی ہے یعنی اس تین طلاق کے باوجود اس کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے جیسا کہ حدیث ذیل سے واضح ہوتا ہے:

عَنْ بِنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَلَّقَ رُكَانَةُ بْنُ عَبْدِ يَزِيدٍ أَخُو بَنِي الْمُطَّلِبِ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ فَحَزَنَ عَلَيْهَا حَزْنًا شَدِيدًا فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟ فَقَالَ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا قَالَ

احسنائی شریف مع حاشیہ سندھی جلد ۲ صفحہ ۹۱

فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ؟ قَالَ نَعَمْ ! قَالَ فَإِنَّمَا تِلْكَ
وَاحِدَةٌ فَأَرْجِعْهَا إِن شِئْتَ قَالَ فَرَجَعْتُهَا ۝

ابن عباس کہتے ہیں کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاق
دے دیں اور پھر وہ (اپنی اس حرکت پر سخت پشیمان ہوا اور) غم کی
شدت سے بے حال ہو گیا (بات نبی ﷺ تک پہنچی تو)

رسول اللہ ﷺ نے اُسے پوچھا کہ تم نے کیونکر طلاق دی تھی، کہنے لگا
میں نے اسے تین طلاق کہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کیا ایک ہی مجلس میں؟
کہنے لگا جی ہاں! آپؐ نے فرمایا پھر یہ تین نہیں ایک ہی (رجعی) طلاق
ہے۔ اگر تو چاہے تو اپنی بیوی کو واپس لوٹالے۔ راوی کا کہنا ہے کہ پھر
اس نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔

خرابی کا علاج

بشری کمزوری ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں سب لوگ حوصلہ
مند ہی نہیں ہوتے کہ پیش آمدہ حالات میں ازاول تا آخر بردباری سے کام لے سکیں بلکہ وہ
اکثر ہی غصہ کے وقت جوش غضب سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ پھر بہت سی ناکرونی کرتے
ہیں اور ناگفتنی کہتے ہیں۔ بشریت کے اس کمزور پہلو کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے رکانہ رضی اللہ عنہ کو بھی ہدایت کی کہ اگر تم چاہو تو اپنی بیوی کو واپس لوٹالو کیونکہ یہ
در اصل ایک ہی طلاق ہے۔ ایک وقت میں تین بار طلاق طلاق دہرانے سے وہ تین نہیں بن
جاتیں۔ چونکہ یہ واقع ایک ہی مجلس کا ایک ہی وقت کا ایک ہی بار کا اور ایک ہی عورت سے
تعلق رکھتا ہے اس لئے طلاق بھی ایک ہی ٹھہرے گی۔ مگر انسانی فطرت کے یہ غیر مستحسن

مظاہر بعد میں بھی وقفہ وقفہ سے ہمیشہ ہی سر اٹھاتے رہے۔ پھر جب یہ بے احتیاطیاں اور بے اعتدالیاں سرحد بغاوت کو چھوئے لگیں تو فاروق اعظم خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بن الخطاب نے اپنی صوابدید کے رہنمائی میں سرکشی کے اس سیلاب کے آگے بطور تادیب و تعذیر ایک بند تعمیر کر دیا۔ یہ پوری کہانی مسلم شریف میں اس طرح درج ہوئی ہے۔ حضرت امین عباسؓ جن کی زبان سے پچھلے عنوان کے تحت وہ حدیث رسول پاک نقل ہو چکی ہے جس میں حضور علیہ السلام نے تین طلاق کو ایک ہی رجعی طلاق قرار دیا ہے اس روایت کے رلوی بھی وہی ہیں فرماتے ہیں:

كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خَلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةٌ فَعَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) إِنَّ النَّاسَ قَدْ اسْتَفْصَلُوا فِي أَمْرِ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ آنَاءٌ فَلَوْ مَضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمَضَاهُ عَلَيْهِمْ ۝

کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ اول کے پورے ادوار حکومت اور حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفہ دوم کے دور خلافت کے ابتدائی دو برسوں تک تین طلاق دینے سے ایک ہی رجعی طلاق شمار ہوتی تھی (مگر لوگ جب تین طلاق تین طلاق کی گردان کرنے سے رکنے نہ پائے اور یہ فتنہ زیادہ ہی ترقی کر جانے لگا تو) حضرت عمرؓ نے فرمایا لوگ طلاق کے بارے میں بہت جلدی کرنے لگے ہیں اور وہ معاملہ جس میں انہیں (غور و فکر کے لئے) مہلت دی گئی تھی (انہوں نے اس کی مصلحت سمجھ بغیر تین طلاق دینے کی عادت نہیں بدلی تو کیوں نہ ہم) بطور تعذیر و تادیب (یہ طلاق نافذ ہی کر دیں۔ پھر آپ نے اُسے نافذ کر دیا۔

اب ظاہر ہے کہ یہ کوئی شرعی حکم نہیں تھا بلکہ ایک بڑی خرابی کی اصلاح کے لئے معاشرے کی بچائیں ذرا کس دی گئیں تھیں اور خلیفہ کو معاشرہ کی مفاسد پر قابو پانے کے لئے مناسب حال اصلاحی تعزیری، سیاسی، تادیبی، انتظامی احکام جاری کرنے کا ہر وقت اختیار ہے تاہم یہ صوابدیدی احکام وقتی مصلحت سے کسی خرابی کی اصلاح کے لئے ہی ہوتے ہیں مستقل حیثیت نہیں رکھتے۔ حضرت عمرؓ کا یہ حکم بھی دائمی نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی صوابدید سے اس طریق کار کو اصلاح احوال کے لئے مناسب سمجھا اور ایک حکم جاری کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرحلہ پر جب حضرت عمرؓ نے خود بھی محسوس کیا کہ ان کی یہ صوابدید مناسب حال نہیں تھی تو آپ نے پوری جرأت سے اظہارِ ندامت کے ساتھ اس حکم کو واپس بھی لے لیا تھا۔ حضرت ابنِ قیّم لکھتے ہیں۔ عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جن احکام کے اجراء پر سخت ندامت ہوئی ان میں سے ایک یہ ہے اَنْ لَا اَكُوْنَ حَرَمْتُ الطَّلَاقِ اے کہ جو میں نے تین طلاق کو نافذ کر دینے کا حکم جاری کر دیا تھا۔

اور یہ تعجب کی بات ہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تو اپنی صوابدید کو غلط سمجھ کر اسے واپس لے لیا۔ مگر یہ ہمارے حنفی بزرگ اسے چھوڑنے کا نام نہیں لیتے۔ احتیاف کے پاس بڑی سے بڑی بوجھل دلیل بھی تھی کہ یہ حضرت عمرؓ کا حکم ہے اور جب یہ ظاہر ہو چکا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اس حکم کو واپس لے لیا تھا تو حنفی حضرات کے پاس اس باب میں کوئی دلیل باقی رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ سنت رسولؐ کو ترک کئے رکھنے پر بضد ہیں! مگر امر واقعہ یہی ہے کہ وہ اب ڈٹ ہی گئے ہیں کہ۔

نے بیرونی قیمنے فرہاد کریں گے
ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

یہ عقلاً بھی غلط ہے

ایک ہی وقت میں دی گئی تین طلاق کو تین قرار دے لینا نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں ہی غلط اور منشاء رب اللعالمین کے خلاف ہے بلکہ اس منقوی رخ سے ہٹ کر مسئلہ کا یہ رخ معقولی اعتبار سے بھی غلط اور نامعقول ہے۔ ہم اپنے اس موقف کی وضاحت کے لئے ایک مثال اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

فرض کیجئے ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو قتل کر دیا مگر قتل کی وجہ اس درجہ اشتعال انگیز تھی کہ وہ مقتول کو صرف قتل کر کے پھینک دینے پر ہی مطمئن نہ ہو سکا وہ غصہ سے مغلوب ہو گیا تھا۔ ازدیاد وحشت سے اس پر جنون کی کیفیت طاری تھی اس کی درندگی بے قابو ہو گئی تھی اس نے ٹوکہ پکڑا اور اپنے مقتول کے پچیس تیس کلڑے کر دیئے۔ قاتل گرفتار ہوا اور اس پر زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات پاکستان قتل عمد کا مقدمہ قائم ہوا۔

اب ہم اپنے حنفی بھائیوں اور حنفی قانون پیشہ لوگوں سے ہی پوچھتے ہیں کہ اس قاتل پر زیر دفعہ ۳۰۲ صرف ایک ہی مقدمہ قتل قائم ہو گیا اس نے جولاش کے پچیس تیس کلڑے کر دیئے تھے ان کلڑوں کی کتنی کے اعتبار سے مقدمات بھی پچیس تیس ہی قائم ہوں گے اور اگر وہ اس کے ہزار کلڑے کر دیتا تو کیا مقدمات بھی ہزار ہی قائم کئے جاتے؟

ظاہر بات ہے کہ قاتل نے اپنے مقتول کے خواہ ہزار کلڑے بھی کر دیئے مگر اس نے قتل ایک ہی شخص کو کیا ہے۔ پس یہ قتل بھی ایک ہی شمار ہو گا اور اس پر مقدمہ قتل بھی ایک ہی قائم ہو گا۔

ٹھیک ایسے ہی اگر کوئی شوہر بھی ازدیاد رنج سے اپنی بیوی کو صرف ایک بار طلاق کہنے پر قناعت نہیں کر سکا اور وہ غصہ سے مغلوب ہو کر طلاق طلاق کہتا ہی چلا گیا ہے تو آپ کس منطق کی رُو سے اس کی طلاق طلاق کی گردان کو اتنی ہی طلاقیں شمار کر لیں گے جتنی بار

اس نے یہ الفاظ دہرائے اور وہ غصہ کی بہتات سے بے قابو رہا۔

جبکہ اصلیت یہی ہے کہ وہ لفظ طلاق کی تکرار غصہ سے مغلوب ہونے کی وجہ سے کر رہا ہے۔ ایسے میں وہ تین چھوڑ تین سو بار یا تین ہزار بار طلاق طلاق کہتا چلا جائے طلاق ایک ہی واقع ہوگی کیونکہ وہ ایک ہی بار میں ایک ہی موقع پر اور ایک ہی مجلس میں لفظ طلاق کی تکرار کر رہا ہے۔ وہ اپنے غصہ کی سطح کے اعتبار سے جتنی بار بھی طلاق طلاق کہے گا عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ طلاق ایک ہی سمجھی جائے گی۔

یہ بڑی معمولی سی بات ہے بڑی آسان بھی ہے مگر حیرت ہے کہ اتنی عام اتنی معمولی اور اتنی آسان بات ہمارے حنفی بھائیوں کی سمجھ میں نہیں آ رہی۔

تین ہلاکتیں

ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی طلاق قرار دینے کا خلاف منشاء ربانی اور خلاف سنت فعل اپنے نتیجہ کے اعتبار سے تین قسم کی خطرناک ہلاکتوں پر منتج ہوتا ہے اور افسوس ہے کہ ہمارے اہل تقلید محض اپنے گروہی تعصب کی وجہ سے ہی اس باب کی اذیتوں کو سننے اور ہلاکتوں کو قبول کر لینے پر بضد ہیں۔

وہ ازدیاد کرب اور ناقابل برداشت اذیت کی وجہ سے منہ سے چیخ نکال جانے کے خوف سے زبان کو دانتوں تلے تو دہاتے ہیں مگر سیدھی راہ اختیار کر کے اذیتوں اور ہلاکتوں سے خود کو بچا لینے پر تیار نہیں ہیں۔

پہلی ہلاکت

ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی قرار دے لینے کے نتیجہ میں جو پہلی ہلاکت درپیش ہے وہ یہ ہے کہ طلاق کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کی منشاء اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے

صریحاً خلاف ہے۔

طلاق خود بھی تو ایک المناکی ہی ہے، ایک حادثہ ہی ہے جو عائلی زندگی میں پیش آکر انسانی زندگی کی تسکین اور اطمینان خاطر کی چو لیس ہلا کر رکھ دیتا ہے اور ایک مسرور اور ہنستا ہتا خاندان بہت سی دردناکیوں میں گھر جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ابغض الحلال الى الله الطلاق - کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال باتوں میں نہایت درجہ قابل نفرت بات طلاق ہے۔

یعنی طلاق بعض اوقات ناگزیر ہو جانے کی وجہ سے جائز تو رکھی گئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتے۔

مگر چونکہ انسانی حیات کے نشیب و فراز کبھی اس دردناکی پر منتج ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کے اس کمزور پہلو کو نظر انداز نہیں کیا، اور جب دوسرا کوئی چارہ نہ رہے، بتے رہنے کی کوئی صورت نہ بن سکے، دودل کسی وجہ سے اکٹھے رہنے پر آمادہ نہ ہو سکیں تو زندگی کو مستقل اور دائمی دردناکیوں سے نکالنے کے لئے بلا آخر اللہ تعالیٰ نے اس ناگواری کو قبول کر لینے کی گنجائش موجود رکھی ہے ورنہ طلاق زندگی کا کوئی خوشگوار رخ نہیں ہے۔

ذرا عائلی زندگی کے اس خطرناک موڑ مڑنے تک پہنچنے، ان مراتب و مراحل اور مزاحمتوں کو دیکھئے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے ایک خاندان کو اجڑنے سے بچانے کے لئے تجویز کر رکھی ہیں۔

☆ عورت اگر بالفرض بد تمیزی پر اتر آئی ہے تو اس کا شوہر مشتعل ہو کر فوراً ہی توڑ پھوڑ نہ کرنے لگ جائے بلکہ مبر کرے کچھ عرصہ تک وعظ و نصیحت سے کام لے، اُسے سمجھائے بجھائے، عائلی زندگی کے مصالح تلقین کرے۔

۱۔ بلوغ الحرام باب الطلاق بحوالہ ابوداؤد - ابن ماجہ

☆ اگر اس طرح بات نہ بنے تو بطور مزید دباؤ اس سے بے تعلقی کا راستہ اختیار کرے اور بغیر کسی ایلا یا طلاق کے اس سے تخلیہ ترک کروے، ناراض ناراض رہنے لگے، بول چال میں کمی کر دے۔ عورت اگر عقل و خرد سے تھوڑا بھی بہرہ رکھتی ہوگی تو معاملہ کی نزاکت کو بھانپ کر اپنے اندر تبدیلی پیدا کر لے گی اور بات بنی رہے گی۔

☆ اور اگر وہ کچھ زیادہ ہی اکھڑا واقع ہوئی ہے تو ایک قدم اور آگے بڑھ کر اس کے ساتھ ذرا نرم گرم برتاؤ کر دیکھو بعض طبائع نرمی کو کمزوری قرار دے کر سمجھنے پر آمادہ نہیں ہوتیں اور سختی سے سنبھل جاتی ہیں۔ اگر وہ تیسرے درجہ کا ہی مزاج رکھتی ہوگی تو یہ تدبیر ٹھیک رہے گی۔

☆ اگر بات نہیں بنتی تو کوئی بات نہیں، مایوسی کی کوئی وجہ نہیں، زوجین کے عزیز آگے بڑھیں، دونوں کی باہمی کشیدگی کا سبب دریافت کریں ایک نیک دل آدمی عورت کے گھر والوں سے اور ایک سرو کے گھر والوں سے بیٹھ کر سوچیں اور معاملہ پر قابو حاصل کرنے کی سعی کریں۔ اگر وہ پورے اخلاص سے جاہلین کی صلح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو ضرور بار آور بنائیں گے اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے ساتھ توافقی اور رغبت کے جذبات پیدا کر دیں گے۔ (پ ۵۷ ع ۳)

☆ اگر کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکی اور طلاق کے ساتھ ایک دوسرے سے الگ ہو جانے کے بغیر چارہ نہیں رہا تو چلو طلاق دے دو۔ مگر یاد رکھو یہ طلاق پاک دنوں میں دو حیض کے دنوں کی طلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ حیض کے دنوں میں تو طبعاً ہی بیوی خلوٰۃ ایک دوسرے کے قریب نہیں ہوتے اور رغبت کا ذریعہ موجود نہیں ہوتا اس لئے طلاق کے بغیر اگر چارہ نہیں تو مزید انتظار کرو، وہ پاک ہو چکے، تو پھر طلاق دو، اس سے جاہلین کی باہمی ناراضگی کی سطح کا بھی اندازہ ہو سکے گا اور حقیقی یا غیر حقیقی ناراضگی کا پتہ بھی چل جائے گا۔

☆ اگر طلاق کے بغیر چارہ نہیں رہ گیا اور جاہلین باہد گر قریب رہ کر بھی اپنی ناراضگی کو ترک

نہیں کر سکے تو چلے طلاق دیدیتے، مگر ٹھہریے ابھی باہمی مجبورے رہنے کے مواقع ختم نہیں ہو گئے، ابھی بستے رہنے کی صورتیں باقی ہیں، اب بھی اجڑنے سے بچ جائیے اور طلاق کے باوجود بھلے دنوں کی تلاش ترک نہ کیجئے۔

یاد رکھئے یہ طلاق کہہ دینے سے طلاق مکمل نہیں ہو جاتی بلکہ اس طلاق کی عدت تین حیض کے پاک ہونے تک ہے۔ یہ تین ماہ کا عرصہ ابھی آپ کے لئے سوچنے کی بڑی معقول مدت ہے۔ سوچئے اور بار بار سوچئے، اگر طلاق دے کر پشیمانی محسوس ہو تو ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ آپ بیوی کو اسی پہلے نکاح پر ہی واپس لوٹا سکتے ہیں کیونکہ دونوں کا نکاح عدت کے ختم ہونے تک قائم ہے اور ایک چھوڑ دو بار طلاق دینے سے بھی وہ ختم نہیں ہوتا اور دیکھئے طلاق کے باوجود بھی تمہاری بیوی تمہارے ہی گھر میں رہے۔ میکے نہ چلی جائے بہت ممکن ہے کہ اس طرح اکٹھے رہنے سے رفتہ رفتہ ناراضگی از خود ہی ختم ہو جائے اور قطع تعلق تک نوبت نہ پہنچے۔ (پ ۲۸۔ سورہ طلاق)

قرآن پاک نے فرمایا ہے الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ کہ طلاق ماہ بہ ماہ دو بار دی جائے گی پھر تین حیض گزرنے تک بھی اگر مصالحت کی صورت نہ بنے تو یقین کرنا چاہیے کہ اب مل بیٹھنے کی صورت موجود نہیں رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ قرآن پاک نے دو طلاق ہی ذکر فرمائی ہیں، تیسری طلاق کیونکر ہے فرمایا تسریح باحسان کے الفاظ تیسری طلاق کی ہی خبر دیتے ہیں یعنی پھر اچھے طریقے سے رخصت کر دینا ہی تیسری طلاق ہے۔

تیسری طلاق ہو چکنے پر عورت کو طلاق بائنہ ہو چکی اب نکاح ختم ہو چکا اب تک وہ دونوں پہلے ہی نکاح پر ایک دوسرے کی طرف لوٹ سکتے تھے اب بغیر جدید نکاح کے آپس میں نہیں مل سکتے۔ یہ طلاق کا مسنون طریقہ ہے اور دیکھ لیجئے کہ اس طلاق اور مکرر ملاپ میں حنفی بزرگوں کے بنائے ہوئے حلالہ کا کوئی مرحلہ نہیں آتا بلکہ صرف جدید نکاح ہی کی

ضرورت ہوتی ہے اور بس۔ خفی بھائیو! دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک ناپسندیدہ چیز یعنی طلاق کو کس مجبوری سے گوارا کیا ہے اور کتنی مدت تک اور کتنے مرحلوں اور کتنے مراتب کا سفر طے کر چکنے کے بعد زوجین کو ایک دوسرے سے الگ ہو چکنے کی اجازت دی ہے۔

مگر آپ نے جن تین طلاق کو ایک منٹ کے اندر اندر تین طلاق قرار دے کر عورت کو مرد پر حرام کر دیا ہے۔ فرمائیے یہ کہاں تک اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق ہے؟ آپ نے وہ سارے مصالح ایک منٹ میں طے کر کے رکھ دیئے اور جس ہلاکت سے بچنے کو خدا تعالیٰ نے بہت سے مراحل اور مراتب تجویز کئے تھے آپ نے سب کی صحت ایک منٹ میں لپیٹ کر رکھ دی اور خدا تعالیٰ کی مرضی پر اپنی مرضی غالب کی، رسول علیہ السلام کی سنت پر اپنی سوچ کو ترجیح دی۔ اس پر ظلم یہ کہ جب آپ نے ایک بیوی اپنے شوہر پر یکایک حرام کر دی تو رسول اللہ ﷺ تڑپ گئے۔ بے چین ہو کر آگے بڑھے اور فرمایا نہیں یہ عورت ابھی مرد پر حرام نہیں ہوئی ہے! ابھی اس کا نکاح باقی ہے۔ مرد نے غصہ سے ہی عورت کو تین طلاق کہہ دی تھیں، اصل میں یہ ایک ہی رجعی طلاق ہے یعنی عورت کو ابھی پہلے ہی نکاح پر واپس لے لینے کی گنجائش قائم ہے مگر خفی مفتی صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی مداخلت کو سختی سے مسترد کر دیا اور بعند ہوئے کہ نہیں صاحب ہم تو اب حلالہ ہی کریں گے۔ فرمائیے یہ ہلاکت نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ تو وہی بات ہوئی کہ۔

مجھے روکے گا تو اے نا خدا کیا غرق ہونے سے

کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

دوسری ہلاکت

دوسری ہلاکت جس کے تصور سے ہی جسم و جان پر کھچی طاری ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی ہدایت کے مطابق مطلقہ عورت کو طلاق کے بعد تین حیض سے پاک

ہونے تک نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، جیسا کہ فرمایا وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ
بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ، (پ ۱۲ ع ۲)

کہ طلاق پانے والی عورتیں (عدت کے بطور) تین بار حیض کے پاک ہونے تک
انتظار کریں (کیونکہ عدت کے پورے عرصہ میں ان کا نکاح ابھی بدستور ہی قائم ہوتا ہے۔
نکاح محض طلاق ہونے ہی سے ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ عدت کے ختم ہونے پر ہی ختم
ہوتا ہے۔ پس ایسی حالت میں نکاح کرنا نکاح پر نکاح ہے اور یہ حرام ہے۔

لیکن جب بیک وقت کی تین طلاق کو طلاق مغلطہ قرار دے کر حلالہ کی غرض
سے کسی مرد کی تلاش جاری کر دی گئی۔ پھر جب کوئی مل گیا تو اس عورت مطلقہ کا نکاح کر دیا
تو ظاہر ہے کہ یہ نکاح پر نکاح ہے کیونکہ اس طلاق کو صرف خفی مفتی حضرات ہی طلاق
مغلطہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ اس طلاق کو رجعی طلاق ہی قرار دیتے ہیں۔ جس میں اسی
پہلے نکاح پر رجوع درست ہے اور یہ رجوع اسی لئے درست ہے کہ نکاح ابھی قائم تھا اگر
نکاح ختم ہو چکتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت رکانہ کو رجوع کا حکم کیوں دیتے! پھر جب اس
حالت میں نکاح کیا تو وہ اس حکم کے خلاف ہے جہاں ارشاد ہوا کہ :

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (ب ۵ آیت اول)

کہ جو عورتیں ابھی دوسروں کے نکاح میں ہوں ان سے نکاح حرام ہے اور ایسا
نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ جب نکاح ہوا ہی نہیں تو اس مطلقہ عورت سے صحبت بغیر نکاح
کے عمل میں آئی جو صریحاً زنا اور ایک بے بس عورت کی جبری آبرودرہزی کے ہی حکم میں
ہے۔

تیسری ہلاکت

اس گمراہی کو قبول کرنے سے تیسری ہلاکت جو درپیش ہے وہ قرآن کریم کا

استخفاف اور اس کی توہین کا مجرمانہ فعل ہے کیونکہ حنفی فقہ نے اس غیر مسنون طریق طلاق کو اختیار کر کے قرآن پاک میں ذکر کردہ حلالہ کا مذاق اڑایا ہے جبکہ حلالہ کی وہی صورت صحیح اور پاکیزہ ہے جو قرآن پاک نے بیان کی ہے۔

فقہ حنفی کے حلالہ کے بموجب شوہر کے منہ سے طلاق طلاق طلاق کے اچھلتے ہی حلالہ کرنے والا وحشی درندہ ایک بے قصور، مجبور و مقصور اور مظلوم عقیفہ کو اچانک و بوجھ لیتا ہے کہ ادھر آؤ میں تجھے تمہارے شوہر کے لئے پھر حلال بنا دوں۔

پھر رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں اُدھار پر لیا ہوا ایک سانڈھ اُسے مٹھل اس جرم بے گناہی میں حلال بنانے لگ جاتا ہے کہ اُس کے شوہر نے اس عقیفہ کو تین بار طلاق کا کلمہ کہہ دیا تھا۔ لاہول ولا قوۃ۔

اس زانی مرد اور زنا کروانے والے بے غیرت شوہر کے بارے میں ہی اللہ کا رسول کا ارشاد وارد ہوا تھا کہ :

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحْلِلَ وَالْمُحْكِلَ لَهُ ۖ اے کہ حلالہ کرنے والے (زانی) اور جس (بے غیرت شوہر) کے لئے حلالہ کیا گیا دونوں پر رسول علیہ السلام نے لعنت فرمائی ہے۔

جبکہ قرآنی حلالہ جس کا ذکر ہو چکا ایک محفوظ عمل ہے اور کبھی شاذ ہی وقوع پاتا ہوگا۔ اس میں نہ عورت کو حلالہ کے لئے مجبور کیا گیا ہے نہ خاندان کو ہی حلالہ کروانے کا حکم ہے۔ عورت چاہے تو ساری زندگی اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ گزارے اور قرآنی حلالہ کسی شرط سے مشروط نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ غیر مشروط نکاح ہے، عورت کے لئے کوئی ضروری نہیں کہ وہ دوبارہ اپنے پہلے شوہر کی طرف واپس لوٹے۔ قرآن پاک کے بیان کردہ حلالہ کے نام پر اس ناپاک اور پلید فعل کا نام حلالہ رکھنا ہی قرآن پاک کی توہین ہے۔ اعاذنا اللہ منہا

جب دیارِ نبیوں نے تو خدا یاد آیا

اللہ تعالیٰ سب کی سنا ہے اور بلا آخر ایک مرحلہ آہی گیا کہ خدا تعالیٰ نے حلالہ کی درندگی سے زخم خوردہ آبروؤں کی چیخوں اور عصمت کے معصوم شکستہ آئینوں کی فریادوں کی اور کچھ اچھے لوگ یہ سوچنے لگ گئے کہ ایک مجلس کی تین طلاق کے سلسلہ میں صحیح بات وہی ہے جسے حدیث پاک کے حوالے سے الہمدیث نے بیان کیا ہے۔ جبکہ اُن سے اختلاف کرنے والے لوگ ضدی بھی ہیں اور کوتاہ اندیش بھی۔ اس سلسلہ میں پیش رفت کا شرف اہل مصر کو حاصل ہوا ہے۔

ادارہ دار الدعوۃ السلفیہ لاہور نے کچھ عرصہ قبل ”مجموعہ مقالات علمیہ“ کے نام سے ایک بے حد اہم دستاویزی کتاب شائع کی ہے جو بلاشبہ ایک عظیم اور اہم دستاویز ہی ہے۔ جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیک وقت کی تین طلاق کے زیر عنوان پوری دنیا کی تقلیدی سوچ تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے اور اس بارے میں اسلامی دنیا کے اندر اتنی زیادہ پیش رفت ہو چکی ہے کہ اب کسی بھی منصف مزاج غیر متعصب اور نیک دل مسلمان کو اپنے جامد اور بے جان تقلیدی ذہن کو حدیث رسول پاکؐ کے مطابق تبدیل کرنے میں کوئی مشکل باقی نہیں رہی۔

مصری حکومت نے پہل کی

اس دستاویز کے بموجب سب سے پہلے ۱۹۲۹ء میں حکومت مصر نے جامعہ ازہر کے علماء کے فتویٰ کی روشنی میں بیک وقت دی گئی تین طلاق کو ایک باقاعدہ قانون کے ذریعہ ایک رجعی طلاق قرار دے دیا اور پوری جرأت سے جامد سوچ کی ہولناک ظلمتوں میں ایک ایسا مینار نور تعمیر کر دیا جسے بجا طور پر حکومت مصر کا شرف ہی کہا جائے گا۔

دوسرے اسلامی ممالک

اسی دستاویز کے بموجب مصر کے بعد ۱۹۳۵ء میں حکومت سوڈان نے بھی ایک قانون کے ذریعہ مصری حکومت کی تائید کر دی۔

۱۹۵۱ء میں حکومت اردن نے اپنے ہاں یہ قانون رائج کر دیا۔

۱۹۵۲ء میں حکومت شام نے ۱۹۵۸ء میں مراکش نے ۱۹۵۹ء میں عراق نے

اور ۱۹۶۱ء میں حکومت پاکستان نے بھی اپنے اپنے ہاں یہ قانون نافذ کر دیا۔ ۱۔

مولانا پیر کرم شاہ

مولانا موصوف پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت کے جج ہیں۔ بریلوی مستحب فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک ماہنامہ ”نصائے حرم“ کے ایڈیٹر بھی ہیں۔ اس علمی دستاویز میں ان کا ایک فتویٰ بھی شامل ہوا ہے۔ فرماتے ہیں:

بعض علماء (مثلاً اہلحدیث ناقل) کی رائے یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق سے بھی ایک ہی رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات میں علمائے اذہر نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ (صفحہ ۲۳۳)

پیر صاحب نے اس باب میں اپنا خیال ظاہر کرنے سے قبل مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر دلچسپ علمی بحث کی ہے۔ بلاخر اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر فرمائی ہے:

ناچیز کی ناقص رائے میں بھی بحالات موجودہ علمائے مصر اور علمائے جامعہ ازہر کے فتویٰ کے مطابق ہی عمل کرنا بہتر ہے۔ ۲۔

۱۔ مجموعہ مقالات علمیہ صفحہ ۷۱

۲۔ ۱۔ مجموعہ مقالات علمیہ صفحہ ۲۷۱۔ ایضاً صفحہ ۲۴۷

ضرورت کی مجبوری

۱۹۴۹ء میں جب حکومت مصر نے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک رجعی طلاق قرار دے کر اپنی تقلیدی سوچ کو اجتہاد کے تابع کر دیا تو حکومت مصر کے اس اقدام سے جیسے پوری اسلامی دنیا میں بھونچال کی سی صورت پیدا ہو گئی اور بڑے بڑے جامد تقلیدی ذہن بھی اپنے مقام سے مل گئے۔

مولانا مفتی کفایت اللہ مرحوم

مولانا موصوف دیوبند کے مفتی 'احناف' کے مشہور عالم اور بلند پایہ صاحب علم و خبر بزرگ تھے۔ ان سے کسی نے اس بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہوئے ایک کہانی نما سوال کیا، سائل نے لکھا:

ہمارے ہاں ایک حنفی نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاق دیں، پھر اس نے کسی الہمدیٹ عالم سے مسئلہ دریافت کر کے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک رجعی طلاق قرار دے کر رجوع کر لیا اور وہ بیوی خاوند اسی پہلے نکاح پر حلالہ کئے بغیر بسنے لگے۔ اس پر گاؤں والوں نے اسے اپنے سے الگ کر دیا اور اس کا ہائیٹاک کیا اور اسے کافر قرار دیا۔

اس سوال کے جواب میں مفتی صاحب فرماتے ہیں:

ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں کے واقع ہو جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے اور آئمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ آئمہ اربعہ کے علاوہ بعض دوسرے علماء اس بات کے بھی ضرور قائل ہیں کہ اس طرح

صرف ایک ہی رجعی طلاق ہوتی ہے، الٰہدیت کا بھی یہی مذہب ہے۔
حضرت ابن عباسؓ، حضرت طاؤسؓ اور حضرت عکرمہؓ اور حضرت ابن
الحنفیہؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔

پس کسی الٰہدیت کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ قابلِ مقابلہ
اور مستحقِ اخراج از مسجد ہے۔ ۱۔

مولانا عبدالحیؒ لکھنوی حنفی

مولانا مرحوم ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

ایک مجلس کی تین طلاق حنفیہ کے نزدیک تین طلاق ہی ہوں گی اور بغیر حلالہ کے
نکاح درست نہ ہوگا۔ مگر بوقتِ ضرورت اگر اس عورت کا اپنے اسی خاوند سے جدا
ہو سکنا دشوار ہو، اور احتمالِ مفاسد زائدہ کا ہو تو کسی دوسرے امام کی تقلید کر لینے
میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ۲۔

حنفی بھائیو! دیکھ لیجئے کہ ایک غلط اور غیر منطقی راہ اور ایک غلط رائے کو اختیار کر
لینے کا نتیجہ کتنا افسوسناک ہے کہ بالآخر آپ کی بزرگوں کو بھی بعد از خرابی بسیار الٰہدیت کے
مسلك کے مطابق ہی اپنی راہ کو تبدیل کر لیاں پڑا کیونکہ فقہ حنفیہ کا اختیار کردہ عقیدہ نہ
قرآن پاک سے ہموار تھا نہ سنتِ رسول علیہ السلام کے ہی مطابق تھا غیر منطقی بھی تھا غیر
عقلی بھی تھا اور زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے سکنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا
تھا۔ مگر افسوس ہے کہ حنفی اہل علم بزرگ صرف ایک غلط عقیدہ کو ترک کرنے پر ہی قناعت
کر کے رہ گئے حالانکہ انہیں ایک غلط عیہدہ کو فقہ حنفیہ سے ہی خارج کر دینا چاہیے تھا۔ اسے
ترک کرنا مگر پھر اسے چھپا لپیٹ کر رکھ لینا کوئی خوبی نہیں ہے۔

۱۔ اخبار "الجمعیۃ" دہلی ۶ شعبان ۱۳۵۰ھ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء محمد کفایت اللہ کان اللہ

مدرسہ امینہ دہلی ۲۔ مجموعہ فتاویٰ عبدالحق صفحہ ۳۴۷

مفقودُ الخبر کی بیوی کا مسئلہ

مفقود الخبر کی بیوی کا مسئلہ

جس عورت کا خلو نہ کم ہو جائے اور پھر اس کے بعد اس کا کوئی سہارا بھی موجود نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا مسئلہ ایک انسانی مسئلہ ہونے کے ساتھ لا تعدلہ و در دنیا کیوں کا حامل بھی ہے۔ اور اگر اس کا کوئی سہارا موجود بھی ہو تب بھی اس کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے۔ اس خاتون کو کچھ علم نہیں کہ اس کا شوہر کسی دشمن کے ہتھے چڑھ گیا ہے جس نے اسے قتل کر کے اس کی لاش گم کر دی ہے اُسے کسی نے اغوا کر لیا ہے یا وہ کسی دماغی خرابی یا عائلی ذمہ داریوں سے فرار اختیار کر کے خود گم ہو گیا ہے۔ نتیجہ سب صورتوں میں ایک ہی ہے کہ اس کی بیوی ایک تاریک مستقبل کے سپرد ہو گئی ہے اور زندگی کی متشوع دردناکیوں میں گھر گئی ہے۔ اور اگر اس خاتون کے بچے بھی ہوں اور سہارا بھی کوئی نہ ہو تو دردناکیوں کی مقدار مزید بڑھ جاتی ہے۔

یقیناً اس خاتون کا مسئلہ نہایت توجہ طلب ہے، جلد حل طلب ہے، کیونکہ جوں جوں اس کے شوہر کی گمشدگی کو دیر ہوتی جائے گی معاملہ زیادہ پیچیدہ بھی اور نازک بھی ہوتا جائے گا۔ اب وہ اپنی اس دردناک زندگی سے نجات حاصل کرنے کے لئے شرع شریف سے رہنمائی چاہے گی کہ اسے بتلایا جائے کہ ایسی صورت میں جب اسے اپنے شوہر کے بارے میں یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے، نہ شوہر نے خود کبھی رابطہ پیدا کیا ہے۔ نہ خط نہ خبر نہ خرچ، کچھ بھی نہیں، اور کسی دوسرے ذریعہ سے بھی وہ اسے دریافت نہیں کر سکی تو اس حال میں شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ اسے اپنے گمشدہ شوہر کا انتظار کب تک واجب ہے؟ اور اس کی زندگی کی راہ کیونکر سیدھی ہو سکتی ہے؟ اور وہ اپنی زندگی کے راستہ کو کیونکر سیدھا کر سکتی ہے؟

الہدیث کا مسلک

الہدیث کا مسلک اس باب میں بڑا واضح ہے۔ اس مسلک کے بموجب گمشدہ شوہر اپنی عورت چار برس تک اپنے گمشدہ شوہر کے انتظار کی مکلف ہے۔ اس پورے عرصہ میں اگر اسے اپنے شوہر کے بارہ میں کچھ معلوم نہ ہو سکے نہ وہ خود ہی بالواسطہ یا بلاواسطہ رابطہ پیدا کرے تو قرار دیا جائے گا کہ وہ فوت ہو چکا ہے۔ پس وہ عورت اپنے خاوند کی گمشدگی کی تاریخ سے چار برس تک انتظار کرے اور بیوگی کی عدت چار ماہ دس دن پورے کر کے جدید نکاح کے ساتھ اپنی زندگی کی راہ سیدھی کر سکتی ہے۔

الہدیث کی دلیل حضرت عمر بن الخطابؓ کا وہ ارشاد ہے جو حضرت سعید بن مسیبؓ کی روایت سے موطا امام مالک میں نقل ہوا ہے۔ سعید کہتے ہیں :

أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ فَقَدَتْ زَوْجَهَا فَلَمْ تَذَرِ
أَيَّنْ هُوَ فَإِنَّهَا تَنْتَظِرُ أَرْبَعَ سِنِينَ ثُمَّ تَعْتَدُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا
ثُمَّ تَحِلُّ ۖ - ۱ -

کہ جس عورت کا شوہر گم ہو جائے اور اسے کوئی پتہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کہاں ہے تو وہ (اس کی گمشدگی کی تاریخ سے) چار برس تک اس کی واپسی کا انتظار کرے (پھر اسے فوت شدہ قرار دے کر بیوگی کی عدت) چار ماہ دس دن گزارے اور (حسب پسند) نکاح کر لے۔

حضرت امام مالکؒ کا فتویٰ بھی اسی پر ہے اور حضرت امام شافعیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ایک نہایت مختصر اور قابل عمل راستہ ہے اور آسان تر صورت فیصلہ ہے۔

۱۔ موطا امام مالک جلد ۲ صفحہ ۷۰ مطبوعہ کارخانہ نور محمد کراچی

حنفی مسلک

اس باب میں ہمارے حنفی بھائیوں کا فتویٰ بڑا ہی عجیب، بڑا ہی پیچیدہ بڑا ہی بے درد اور نہایت درجہ ناقابل عمل ہے۔ ہدایہ شریف میں ہے:

فَإِذَا تَمَّ لَهُ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ سَنَةً مِنْ يَوْمٍ وَلَدَ حَكْمَانًا
بِمَوْتِهِ قَالَ وَهَذِهِ رَوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ
وَزَاهِرِ الْمَذْهَبِ يَقْدَرُ بِمَوْتِ الْإِقْرَانِ وَفِي الْمَرْوِيِّ
عَنْ أَبِي يُوسُفَ بِمِائَةٍ سَنَةٍ وَقَدَرَهُ بَعْضُهُمْ
بِتِسْعِينَ ۱۰

حسن کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا جب گمشدہ شخص ایک سو بیس برس کی عمر کو پہنچ چکا تو ہم قراہ دیں گے کہ وہ مر چکا ہے (اور بقول مصنف ہدایہ) یہ حکم دراصل گمشدہ شخص کے ہم عمروں کی موت کے اندازہ کے بموجب ہے (تاہم حضرت ابو حنیفہؒ کے شاگرد) قاضی ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق انتظار کی مدت (ایک سو بیس برس نہیں بلکہ) ایک سو برس تک ہے اور بعد (فقہاً) نے انتظار کی مدت نوے برس بتائی ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

رعایت پر رعایت

ہدایہ کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ:

- ۱۔ گمشدہ شخص کی بیوی کے لئے حکم تو یہی ہے کہ وہ اپنے گمشدہ شوہر کا ایک سو بیس برس تک انتظار کرے۔ مگر ابو یوسفؒ کی روایت کے بموجب اس مدت میں سے بیس برس نکال کر انتظار کے لئے ایک سو برس کی مدت طے ہوئی ہے۔

۱۔ عین الہدایہ جلد ۲ باب المفقود صفحہ ۶۲۱ مطبوعہ قانونی کتب خانہ لاہور

۲- پھر کچھ اہل درد بزرگوں نے سو برس کے انتظار کو بھی بوجھ سمجھ کر یہ قرار دیا کہ گمشدہ شخص کی بیوی اپنے خاوند کے ہم عمر لوگوں پر نگاہ رکھے۔ جب وہ مرجائیں تو اسے بھی بیوہ قرار دے کر بیوگی کی عدت گزار کر جدید نکاح کی اجازت دے دی جائے گی۔

۳- پھر یہ مشکل درپیش آئی کہ ایک عورت اپنے خاوند کے ہم عمر لوگوں کو کہاں کہاں تلاش کرتی پھرے گی اور ان کے کفن دفن کا کیونکر حساب رکھے گی۔ اسے آخری رعایت یہ دی جاتی ہے کہ وہ لوگوں کی قبروں کا شمار کرنے کی بجائے چمکی رہ کر اپنے گھر بیٹھی رہے اور مطمئن رہے کہ نوے برس گزر چکنے کے بعد اُسے بیاہر جانے کی اجازت مل جائے گی اب وہ عقیقہ یہ فیصلہ سن کر سوائے اس کے کیا کہے گی کہ آہ۔

کے اس پیار میں بھی آپ نے لاکھوں ستم ہم پر
خدا ناخواستہ گر خشکیں ہوتے تو کیا کرتے

یہ دردناکی ہے یا لطیفہ؟

اب کوئی اس صورت حال کو دردناکی کہنے یا لطیفہ یہ کوئی المیہ ہے یا طرہ یہ کہ اٹھارہ برس کی عمر میں ایک خاتون کا شوہر گم ہو جاتا ہے۔ شوہر کی عمر اس گمشدگی کے وقت بیس برس تھی۔ اب یہ خاتون اپنے گمشدہ شوہر کو ایک سو بیس کی عمر تک پہنچانے کے لئے پورے ایک سو برس تک اس کا انتظار کرے گی اور اس عرصہ میں اس کی اپنی عمر ایک سو اٹھارہ برس تک پہنچ جائے گی۔ پھر جب اس کے منہ میں وراثت اور پیٹ میں آنت کا جھگڑا ختم ہو چکے گا تو فقہ حنفیہ اسے ازراہ نوازش و لہن بننے کی اجازت دے دی گی اور حنفی فقہ کے مفتی صاحب اب اُسے ہدایت کریں گے کہ دادی املاں! آپ بارات منگوانے کے لئے آزاد ہیں۔ لاہول ولا قوۃ الا باللہ۔

حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گنہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

رحم دلی مگر اپنا پر نالہ وہیں کا وہیں

کچھ زمانہ یونہی گزر چکے پر کچھ درد مند حنفی فقہا کو اس مظلومہ کی بے بسی پر رحم آیا تو انہوں نے اُسے نوے برس تک ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جانے کے عذاب سے نجات دلانے کے لئے یہ راستہ اختیار کیا کہ اس مسئلہ میں حنفی فقہ کے فتویٰ کو ترک کر کے امام مالکؒ کے مذہب پر عمل کیا جائے اور گم کردہ شوہر حنفی خواتین کو بھی اجازت دے دی جائے کہ اپنے گمشدہ شوہر کا چار برس تک انتظار کریں۔ اگر وہ اس عرصہ میں نہ لوئے تو رنہ اس کی کوئی خبر ملے تو وہ بیوگی کی عدت چار ماہ دس دن گزار کر نکاح کر سکتی ہیں۔ ۱۔

مگر سوال یہ ہے کہ اس صورت میں فقہ حنفیہ کا کیا بنا؟ اس کا فتویٰ کیا ہوا۔ اگر فقہ حنفیہ کا فتویٰ صحیح تھا تو اسے ترک کیوں کیا گیا اور اگر غلط تھا تو اسے موخر کیوں کیا گیا؟ اُسے منسوخ کیوں نہیں کیا گیا؟

اس کے معنی یہ ہوئے کہ حنفی بزرگوں نے محض جبکہ ہنسائی سے بچنے کے لئے ہی یہ صورت قبول کی ہے ورنہ فقہ حنفیہ کے پر نالے کی سمت درست کرنا ان کے پیش نظر نہیں ہے بقول شاعر۔

کون کتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

۱۔ ردالمحتار علامہ شامی عمدة الرعاۃ مولانا عبداللہ لکھنوی جامع الرموز اور فتاویٰ رشیدیہ
مولانا رشید احمد گنگوہی

تَقْلِيد

اور

مُقَلَّد

تقلید اور مقلد

نبی ﷺ کے بجائے آپ کے کسی امتی بزرگ کی غیر مشروط اطاعت کے لئے اپنے آپ کو خاص کر لینا اور صرف اسی ایک کی سننا اور ماننا نہ اس سے اس کی بات کی دلیل پوچھنا اور نہ اس کی بات پر خود غور کرنا بلکہ آنکھیں بند کر کے قدم بہ قدم اس کی پیروی کرنا تقلید کہلاتا ہے۔

اور جو شخص اس طرح ایک معین شخص کی پیروی کو اپنے لئے واجب کر لے اس کو مقلد کہتے ہیں۔

تقلید شخصی

ہم جب تقلید کی بات کرتے ہیں تو ہمارا مقصد اس سے تقلید شخصی پر ہی بحث کرنا ہوتا ہے کیونکہ تقلید دراصل بھی یہی ہے۔ اس تقلید کے ساتھ خواہ شخصی کا اضافہ کیا جائے یا نہ کیا جائے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

کچھ اہل علم بزرگوں نے تقلید کی اور بھی کئی صورتیں بیان کی ہیں اور اس باب میں بہت سے بحثیں وارد ہوئی ہیں۔ مگر ہم ان میں سے کسی کو بھی تقلید نہیں سمجھتے وہ محض علمی بحثیں ہیں جبکہ تقلید نہ کوئی علمی مسئلہ ہی ہے اور نہ اس کا کسی بھی درجہ میں علم سے کوئی تعلق ہی ہے۔ تقلید کو اس کے معنوی پہلو سے دیکھا جائے یا اصولی حیثیت سے ہم سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ کا انسانی برادری کے ساتھ سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اور اگر ہمارے مقلد بھائیوں نے تقلید کو اپنے لئے واجب قرار نہ دے لیا ہو تا اور وہ خود کو مقلد کہنے اور کہلانے پر فخر نہ کرتے تو اللہ جانتا ہے ہم اس مسئلہ کا اپنی اس پیش نظر پیشکش میں ہرگز ذکر نہ کرتے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ تقلید کو اختیار کرنا انسانی عزت نفس کی سخت توہین ہے اور خود کو مقلد کہنا کمالات اپنے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالنے کے مترادف ہے۔ اگر ہمارے مقلد بھائی اپنی روایتی عقیدت سے الگ رہ کر چند لمحوں کے لئے ہی ہماری گذارشات کو غور و فکر کا مرکز بنا سکیں تو ہمارا یقین ہے کہ وہ بھی بہت جلد اس حقیقت کو جان لیں گے کہ تقلید فی الواقع ہی نہ کوئی علمی مسئلہ ہے نہ انسانی مگر مشکل یہ ہے کہ غور و فکر کرنا مقلد کے فرائض کا حصہ ہی نہیں رہنے دیا گیا ہے۔

تین بڑی وجوہ

ہمارے نزدیک تقلید تین بڑی اور اہم بنیادی وجوہ سے نہ صرف قابل قبول نہیں بلکہ یکسر مسترد کر دینے کے لائق ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس کو مسترد کر دینا انسانی عزت نفس کی حفاظت اور اس کی بچام کے لئے نہایت ضروری بھی ہے۔

تقلید کو مسترد کر دینے کی پہلی بڑی وجہ

تقلید جمالت محض ہے اور مومن جاہل نہیں ہوتا

علمائے اصول فقہ نے تقلید کی تعریف کرتے ہوئے بتایا ہے کہ :

فَلَا خِلَافَ بَيْنَ النَّاسِ أَنَّ التَّقْلِيدَ لَيْسَ بِعِلْمٍ وَأَنَّ
التَّقْلِيدَ لَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ اسْمُ الْعَالِمِ ۱۔

کہ اہل علم کے ہاں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تقلید علم نہیں ہے اور مقلد کو عالم نہیں کہا جاسکتا۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

«انه ليس من اهل النظر ا-

کہ مقلد کسی درجہ میں اہل علم میں شمار نہیں ہوتا۔

حضرت امام شوکانی لکھتے ہیں :

نَفْسُ الْمُقَلِّدِ لَيْسَ عَلَى الْبَصِيرَةِ وَلَا يُكْتَصَفُ مِنَ
الْعِلْمِ

یعنی تقلید کو اختیار کرنے کے لئے مقلد کا جاہل، بے عقل، بے شعور اور بے علم ہونا شرط ہے۔

حضرت سعدیؒ نے تویہ خبر دی تھی کہ۔

اگر ز روئے زمیں عقل منعہم گرود

بخود گمان نبرد نکھس کہ نادانم

کہ عقل کا اگر روئے زمین سے محم بھی مٹ جائے پھر بھی کوئی محض اپنے آپ کو جاہل اور بے عقل سمجھنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ مگر ہمارے مقلد بھائیوں کا بڑا حوصلہ ہے اور بقول مرزا غالب۔

کیوں نہ ٹھہریں ہدفِ خاکِ بیدار کہ ہم

آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا جاتا ہے

حنفی اصول فقہ کی کتابوں میں مسلم الثبوت بڑا اونچا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے مصنف نے تقلید کی تعریف میں کہا ہے :

الْمُتَقَلِّدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ ۲-

کہ کسی غیر نبی محض کی بات کو بے طلب دلیل ماننے کا نام تقلید ہے۔

۱۔ فصل الفروغ بین الاسلام والزندقة ۲۔ مسلم الثبوت ص ۲۸۹

معتز مزید رقم از ہیں :

أَمَّا الْمُقْلَدُ فَمُسْتَنْدٌ قَوْلُ مُجْتَهِدٍ لَا ظَنَّهُ وَلَا ظَنُّ ١-

کہ مقلد کے لئے سند صرف اس کے اپنے مجتہد کی بات ہی ہے وہ نہ اپنے مجتہد یا امام سے اس کی بات کی دلیل یعنی طلب کر سکتا ہے اور نہ اس کی بات پر خود ہی غور کر سکتا ہے۔

حقى بزرگ حضرت ملا علی قاری کا ارشاد ہے :

التَّالِيْدُ قَبُولُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا دَلِيلٍ ٢-

کہ تقلید کسی غیر نبی امتی بزرگ کی بات کو بلا طلب دلیل ماننے کا نام ہے۔

ایک حوالہ مزید ملاحظہ ہو :

فَأَمَّا الْمُقْلَدُ فَالَّذِي لَيْلٌ عِنْدَهُ قَوْلُ الْمُجْتَهِدِ ٣-

کہ مقلد کی دلیل اس کا اپنا علم نہیں بلکہ اس کے مجتہد کی بات ہوتی ہے۔

مزید تسل فرمائیے :

أَخَذَ قَوْلَ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ مَعْرِفَةٍ دَلِيلِهِ ٤-

کہ اپنے غیر نبی مجتہد کی بات کو اس کی بات کی دلیل جانے اور پہچانے بغیر مان لینا تقلید کہلاتا ہے۔

١- حوالہ مذکور

٢- شرح غقیہ امامی

٣- توضیح شرح تلویح

٤- جمع الجوامع جلد ٢

علامہ اقبال نے مغربی تہذیب کے تجربوں سے نڈھال عورت کو پوچھ لیا تھا کہ بی بی! بہت تجربے کر چکی ذرا اتنا بتا دے کہ ۔

کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادی نسواں کہ زمرہ کا گلو بند!

مگر ہم اپنے اس بے زبان مقلد بھائی سے کیا پوچھیں اور کیونکر پوچھیں جس کی زبان پر مہر لگا دی گئی ہے، جس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ہے، جس کے کانوں میں روٹی ٹھونس دی گئی ہے، جس کی سوچ پر پھرے بیٹھے ہیں جس پر عقل کے دروازے بند کر دیئے ہیں اور جس سے اس کا علم اور شعور بزور چھین لئے گئے ہیں۔ اور پھر اسے بھی اپنی اس بد حالی پر نہ کوئی افسوس ہے نہ اعتراض، ہم اس سے کیونکر پوچھیں کہ بھائی ۔

کس حال میں ہیں یار ان وطن!
وہ تو ان پرندوں کے گروہ میں نجوشی شامل ہے جن کے متعلق علامہ اقبالؒ نے
خبر دی تھی کہ ۔

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائرؤں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا
اس حالت میں ہم اپنے اس بھائی سے صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ ۔

اپنی خودی پہچان او غافل افغان!

مقلد بھائیو! آپ جس جگہ کھڑے ہیں یہ کسی مومن کا مقام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کو جاہل بن کر رہنے اور بے عقل بن کر جینے کے لئے پیدا نہیں کیا اس نے اسے علم دیا ہے کہ اس سے کام لے، عقل دی ہے کہ اس کو استعمال کرے، شعور دیا ہے کہ بات کی گرہیں کھولے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ نعمتیں اس لئے نہیں دی تھیں، وہ ان کو فروخت کر ڈالے یا کسی کے پاس گروی رکھ دے۔

اللہ تعالیٰ نے مومن کو کنوئیں کا مینڈک نہیں بنایا کہ ہر پھر کے ایک ہی دائرہ میں
چکر لگاتا رہے اور پھر وہیں جی بس کر مر جائے بقول ۔

ہر پھر کے دائرہ میں ہی رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردش پر کار پاؤں میں

اللہ تعالیٰ نے مومن کو عالمگیر شنوری کی صلاحیتوں سے نوازا ہے اُس نے تو محض
انسان کو بھی احسن تقویم کے شرف سے نوازا رکھا ہے اور مومن کا مقام تو بہت ہی بلند ہے ۔
پرے ہے چرخِ نیلی فام کے منزل مسلاں کی

عزیزو! تھلید کی اندھیری نے آپ کے مقام کو آپ کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا
ہے۔ ذرا کروٹ بدلئے اس ذہنی مرعوبیت کے حصار سے باہر نکلئے اپنے آپ میں سنبھلئے
اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیجئے اپنی قوت کا اندازہ کیجئے اور تھلید کی رسی کو اپنے گلے سے اتار سمجھئے
کہ آپ اس لائق نہیں ہیں اس نے آپ کی سوچ کو بہت سیکڑ دیا ہے آپ کی قوت کو محدود کر
دیا آپ کی صلاحیتوں کو زنگ خوردہ بنا دیا ہے جبکہ مومن تو ہر اعتبار سے ہی بے حدود ہے۔
مرزا غالب کے یہ اشعار مومن ہی کے تو حسبِ حال ہیں کہ ۔

اک کھیل ہے اور نگ سلیمان میرے نزدیک
اک بات ہے اعجازِ سیما مرے آگے
ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے
گھبرا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

اقبال نے اسی مومن کے بارے میں بتایا تھا کہ ۔

نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

بھائیو! آپ نے اپنی ذہنی اور فکری اسیری سے اپنا بڑا نقصان کیا ہے اپنی شخصیت
کی توہین کی ہے اپنے تشخص کو مجروح کیا ہے آپ نے تھلید کی دیواروں میں گھرے رقبہ کو

عی اپنی دنیا سمجھ لیا ہے، جبکہ یہاں آپ کے لئے بڑی وسعتیں مہیا ہیں۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا

ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

تقلید کے محدود کنوئیں سے نکل کر اُس وسیع سمندر کا جائزہ لیجئے جسے قدرت نے آپ کی شناوری کے لئے وجود بخش رکھا ہے، اپنی صلاحیتوں سے اپنے ماحول کی تحفہ کو عالمگیر اسلامی فکری انقلاب سے آشنا کریں، دوسروں کی فکر کا محتاج بن کر رہ جانے کے بجائے دوسروں کی فکر میں تبدیلی پیدا کیجئے۔

عزیزو! آپ ایک معین مجتہد کے علم کے اسیر بن کر رہ گئے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے پوری کائنات کو معمل کی صورت دے رکھی ہے اس نے آپ کو زمین و آسمان کی وسعتوں کو اپنے اور اپنی قدرت کی کرشمہ کاریوں کا عرفان حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، فطرت کے راز ہائے مستور کی گرہوں کو کھولنے کے لئے وجود بخشا تھا مگر آپ نے اس آواز پر کان تک نہیں رکھا، آپ کو تو اس کائنات کو اپنے غور فکر کی چھلنی سے گزارنا تھا، مگر آپ خود ایک شخص کی چھلنی بن کر رہ گئے، جس کا کہنا صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی ہو سکتا ہے۔

یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ آپ جو اس بات پر مامور تھے کہ خدا اور اس کی خدائی کی معرفت حاصل کریں، آپ خود اپنے آپ کو بھی پہچان نہ سکے۔ آپ نے اپنے جیسے ایک شخص کے کہنے پر جاہل بن کر رہتا تو قبول کر لیا اور عقل سے دستبرداری پر راضی ہو گئے۔ علم سے منہ موڑ لیا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے الگ ہو گئے۔ آپ نے مان لیا کہ آپ کو علم کی ضرورت نہیں۔ ہمارے مجتہد کا علم ہی ہمارے لئے کافی ہے، مگر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر بالکل کان نہیں رکھا جو آپ نے فرمایا تھا

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ

کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کا فرض ہے

آہ عزیزو! اگر آپ کبھی دوسروں سے اپنے تقابلی جائزہ کا موقع پائیں تو آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ امریکی اور روسی کافروں نے جب ایوان علم و تحقیق کی دیوار پر اپنی جدوجہد کی کند پھینگی تو انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے فضاؤں کو محکوم اور خلاؤں کو مسخر کر ڈالا وہ چاند میں اتر گئے اور مریخ کی تسخیر کا سوچ رہے ہیں۔۔۔۔۔ مگر آپ جن کو اللہ تعالیٰ نے قوموں کی امامت سونپی تھی اور جن کو نوع انسانی کے لئے معلم بنا کر مبعوث کیا تھا آپ نے کسی بزرگ کو بہانہ بنا کر خود اپنے آپ سے بھی دستبرداری دے دی سبحان اللہ۔

روس والے راکٹوں میں بیٹھ کر چاند کی جانب روانہ ہو گئے

داد کے لائق ہیں اپنے نوجوان کھاکے راکٹ جو سڑک پر سو گئے

کبھی کان رکھو تو آپ کو قرآن پاک کے صفحوں کے اندر سے یہ آواز سنائی دے گی کہ أَفَلَا تَعْقِلُونَ کہ تم عقل سے کیوں کام نہیں لیتے اَوَلَا تَتَفَكَّرُونَ تم کیوں سمجھتے سوچتے نہیں۔ اور خود نبی ﷺ کو بھی تاکید فرمائی کہ اپنے رب سے علم کی دولت مانگتے رہو اور کہا کہ رب زدنی علماً میرے رب! مجھے زیادہ سے زیادہ علم عطا فرما۔

اور حد یہ ہے کہ قرآن کریم کافروں پر بھی تعجب کرتا ہے کہ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآن کہ بڑی عجیب بات ہے یہ لوگ قرآن کو اپنے غور و فکر کا محل ہی نہیں بناتے، مگر آپ ہیں کہ مومن ہو کر بھی غور و فکر اور عقل و شعور کی دولت سے دامن بچا کر نکل جانا چاہتے ہیں اور ایک غیر نبی اور امتی کے قول پر بھی غور و فکر نہ کرنے پر انگوٹھا لگا رکھا ہے وہی بات ہوئی کہ۔

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا

آسمان سے بادۂ گلغام گر برسا کرے

تقلید کو مسترد کرنے کی دوسری بڑی وجہ

تقلید بدعت ہے

رسول اللہ ﷺ سے بدعت کی تعریف یوں وارد ہوئی ہے :

كُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ كَمَا دِينِ كَمَا دَرَدَاغْلُ هُوَ يَدَاغْلُ كِي جَانِ وَاَلِي هَرَنِي

بات بدعت ہے بدعت گمراہی ہے اور گمراہی دوزخ کا مال ہے۔

بخاری شریف میں نبی ﷺ سے مزید وارد ہوا ہے۔

مَنْ أَحَدَّثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

کہ جس کسی نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات داخل کر دی جو پہلے سے موجود نہیں تھی تو (وہ بدعت ہے) اور ایک مردود بات ہے۔ بنا بریں بدعت ایک انتہائی خطرناک گمراہی ہے اور اس کے انجام کی ہولناکی میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ :

کسی بُرے سے بُرے گنہگار کی بخشش کی امید تو کی جاسکتی ہے مگر بدعتی کے بخشے جانے کی کوئی امید نہیں ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ گنہگار تو اپنے آپ کو بہر حال گنہگار ہی سمجھتا ہے اور اپنے گناہ کو گناہ ہی کہتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ کسی مرحلہ پر اس کے دلی کی دنیا بدل جائے اور وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لے اپنے اللہ کی رحمت کا حق دار بن جائے۔

مگر بدعتی چونکہ اپنے فضل کو ثواب جان کر انجام دیتا ہے اس لئے جب وہ اُسے گناہ ہی نہیں سمجھتا تو اس کے تابع ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے اور ظاہر ہے وہ بدعت پر ہی

مر گیا۔ تو اس کے انخروی ٹھکانے کی خبر تو رسول اللہ ﷺ پہلے ہی دے چکے ہیں اب اس کی بخشش کا بھی کیا سوال رہ گیا۔

بدعتی کے مسلک انجام کے بارے میں ایک اور روایت بھی توجہ طلب اور لائق سماعت ہے جو قوی تر روایات کا توافق حاصل ہو جانے کی وجہ سے عبرت کی اہمیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

لَا يَقْبَلُ اللَّهُ لِصَاحِبٍ بِذَعَةٍ صَوْمًا وَلَا صَلَوةً وَلَا
صَدَقَةً وَلَا حَجًّا وَلَا عُمْرَةً وَلَا جِهَادًا وَيَخْرُجُ مِنَ
الْإِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِجِينَ ۱۔

کہ اللہ تعالیٰ بدعتی شخص سے اس کا روزہ، نماز، خیرات، حج، عمرہ اور جہاد کوئی نیک عمل بھی قبول نہیں کرتا، اور وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آلے سے بال۔

ایسے ہی اگر کوئی امر فی الواقع بھی بدعت ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی ہلاکت آفرینی کی وجہ سے عبرت ناک انجام پر ہی منتج ہوگا، پھر کیا اہل بدعت کی یہ جسارت تعجب انگیز نہیں ہے کہ وہ بدعت کے خطر ناک انجام اور خوف ناک ممالک سے بھی آگاہ ہوں مگر اسے ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔

پس اگر تقلید بدعت ثابت ہوتی ہے تو مقلد حضرات کو اپنے ہلاکت خیز انجام سے بچنے کے لئے ابھی سے فکر مندی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

آؤ دریافت حال کریں

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ۝

کہ سارے ہی زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے (اور میرے اصحابؓ کا)
اس کے بعد اگلے لوگوں (یعنی تابعین) کا پھر اُن سے بعد والے لوگوں
(تابع تابعین) کا۔

یہ تینوں زمانے پوری امت کے نزدیک انتہائی بابرکت زمانے ہیں اور بڑا درجہ رکھنے والے ہیں۔ کیونکہ یہ زمانے اُن لوگوں پر مشتمل تھے جنہوں نے یا تو بلا واسطہ رسول اللہ ﷺ سے الکتساب نور کیا یا پھر وہ لوگ تھے۔ جو ایک واسطہ سے حضور علیہ السلام سے مستفید ہوئے اور پھر زیادہ سے زیادہ قریبی واسطے والے وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے والوں کے شاگردوں (تابعین) کی معرفت دین حق کی نورانیت سے اپنے دل و دماغ کو منور کیا اور ہمارے مقلد بھائی دل کے کانوں سے سُن لیں کہ تینوں ہی بابرکت زمانوں میں تقلید کا وجود کہیں نہیں پایا جاتا۔ ان لوگوں میں نہ کوئی تقلید کروانے والا موجود تھا نہ تقلید کرنے والا۔ سب لوگ جس سے چاہتے مسئلہ دریافت کر لیتے تھے۔

قدم بہ قدم

دین حق کی اصل نہاد اللہ تعالیٰ کے بعد اس کے رسول علیہ السلام کی ذات گرامی ہے اور جو بات اللہ تعالیٰ کے رسول کی زندگی میں اُن کے دین کا حصہ نہیں بن سکتی تھی بلکہ

جب دین مکمل ہو چکا تو اس نے بعد ازاں دین میں دخل پایا۔ تو وہ حدیث پاک کے بموجب قطعی بدعت ہے۔ لیکن چلے آپ رسول علیہ السلام کے دور کو حدیث پاک کی ہی روشنی میں خلفاء راشدینؓ کے دور تک پھیلا لیجئے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ کی راہ حضرت معاویہؓ کی وفات تک پہنچ کر ۶۰ھ میں اختتام کو پہنچتا ہے۔ اس سے بھی آگے اس دور کو رسول اللہ ﷺ کے آخری صحابی حضرت ابو طفیل کی زندگی کی آخری سانس تک لے جائیے جنہوں نے باختلاف روایات ۱۱۰ ہجری میں وفات پائی ہے۔ ہم پورے اعتماد سے عرض کرتے ہیں کہ اس پورے عرصہ میں آپ مسلمانوں کے اندر تقلید کا کوئی پتہ نشان نہیں پائیں گے۔

آئیے ایک قدم اور آگے چلتے ہیں

تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا دور بموجب حدیث پاک نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے بعد دوسرا بہترین دور ہے یہ دور ۸۰ھ تک پھیلا ہوا ہے تبع تابعین رحمہم اللہ تاریخ اسلام کا تیسرا بہترین دور ہے یہ دور ۲۲۰ھ تک چلتا ہے ۱۔ اور ہم بلا خوف تردید اعلان کرتے ہیں کہ تقلید ان دونوں ادوار میں بھی کہیں موجود نہیں ہے۔

آخری قدم

الحدیث سے الگ مقلدین کے ہاں چار بزرگ حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ وہ بزرگ ہیں جن کو لوگوں نے اپنی اپنی جگہ بطور اپنے امام تقلید کے اختیار کر رکھا ہے۔

احناف حضرت امام ابو حنیفہؒ کی بات سمجھتے ہیں، موالک نے حضرت امام مالکؒ

یہاں وہ چار بزرگ ہیں جن کی تقلید کا پابان چاروں مسالک فکر کے لوگوں نے اپنے اپنے گلے میں ڈال رکھا ہے۔ اب اصولی بات یہ تھی کہ اہل تقلید اپنی تقلید کے جواز میں ان بزرگوں کے ارشادات سے دلیل مہیا کرتے اور بتاتے کہ ان چاروں بزرگوں نے اپنی تقلید کا حکم دے رکھا ہے۔ مگر ایسی بھی کوئی بات ثابت نہیں ہے۔۔۔۔۔ بلکہ اس کے خلاف ان بزرگوں سے تقلید کی نفی وارد ہوئی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی نہایت درجہ محققانہ تصنیف عقد الجدید میں ان چاروں بزرگوں کے اقوال بڑی تفصیل سے ذکر کئے ہیں، جن کے بموجب ان چار آئمہ نے بھی اپنی تقلید سے لوگوں کو سختی سے منع کیا ہے اور مسائل دین کو قرآن پاک و روایہ رسول علیہ السلام کی مدد سے سمجھنے کی تاکید کی ہے۔ یہاں ہمارے اپنے ملک میں چونکہ ہمیں حنفی حضرات سے ہی واسطہ پڑتا ہے اس لئے ہم یہاں صرف حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ایک ارشاد نقل کرتے ہیں۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ احناف کے علاوہ دوسرے تیئوں مسالک فکر کے لوگ ہمارے مخاطب نہیں رہے قیماً وہ بھی بالکل احناف کی طرح ہی ہمارے مخاطب ہیں کیونکہ ان کے آئمہ تقلید سے بھی ایسے ہی اقوال وارد ہوئے ہیں جو ہم حضرت ابوحنیفہ سے نقل کر رہے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں :

سُئِلَ أَبُو حَنِيفَةَ إِذَا قُلْتَ قَوْلًا وَكِتَابَ اللَّهِ يُخَالِفُهُ قَالَ أْتَرَكُوا
قَوْلِي بِكِتَابِ اللَّهِ قِيلَ إِذَا كَانَ خَبَرُ الرَّسُولِ يُخَالِفُهُ قَالَ
أَتَرَكُوا قَوْلِي بِخَبَرِ الرَّسُولِ قِيلَ إِذَا كَانَ قَوْلُ الصَّحَابَةِ يُخَالِفُهُ
قَالَ أَتَرَكُوا قَوْلِي بِقَوْلِ الصَّحَابَةِ ۝

١٠٠ عقد الجيد شياه ولى الله من ٦٦

کہ حضرت ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا (ہم آپ سے مسائل دریافت کرتے ہیں) لیکن اگر آپ کی چٹائی ہوئی بات قرآن پاک کے خلاف پڑتی ہو تو آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کتاب اللہ کو اختیار کرو اور میری بات کو ترک کر دو۔

مسائل نے مزید بات چلائی کہ اگر آپ کی بات حدیث رسولؐ کے خلاف ہو تو پھر؟ آپ نے جواب دیا ایسی صورت میں بھی میری بات کو ترک کر دو اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل کرو۔ مسائل نے ایک قدم اور بڑھایا اور دریافت کیا اگر آپ کا قول اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کے قول کے خلاف پڑے تو ایسی صورت میں ہم کیا کریں؟ آپ نے جواب دیا اس صورت میں بھی میری بات ترک کر کے اصحاب رسول علیہ السلام کے مطابق عمل کرو۔

اب یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ ہمارے حنفی بھائی کہتے تو یہ ہیں کہ ہم حضرت ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں، مگر وہ اپنی اس تقلید کے ثبوت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ سے کوئی سند پیش نہیں کرتے اور ان کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے انہیں ایسا کوئی حکم دیا ہو، ان کے نام کوئی وصیت چھوڑی ہو یا اپنے کسی شاگرد کو ہی ایسی کوئی ہدایت کی ہو، بخلاف ازیں ان سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ نہ انہوں نے اپنی تقلید کے لئے کسی کو کہا اور نہ وہ اس کو پسند ہی کرتے تھے۔ انہوں نے جو کچھ کہا ہے ہم حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حوالے سے لو پر نقل کر چکے ہیں۔ ایسے میں ہم اپنے حنفی بھائیوں کے لئے سوائے دُعائے خیر کے اور کیا خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

یہاں ہم جو بات کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جن آئمہ کی تقلید کی جاتی ہے ان کی اپنی زندگیوں میں ایسی کوئی سوچ موجود نہیں تھی، اور مسلمانوں نے بھی ان میں سے کسی کو اپنے لئے خاص نہیں کیا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی ہے۔ حضرت امام مالکؒ کا انتقال ۷۹ھ میں وقوع پایا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کی وفات ۲۰۴ھ کا

واقعہ ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ ۲۴۱ ہجری میں اللہ کو پیارے ہوئے ہیں۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ ان چاروں آئمہ رحمہم اللہ کی زندگی تک تقلید نامی کسی مسئلہ نے کہیں وجود نہیں پایا تھا۔

یعنی خود آئمہ تقلید کے زمانے میں بھی لوگ کسی ایک متعین شخص سے مسئلہ دریافت نہیں کرتے تھے، بلکہ اگر وہ لوگ ابو حنیفہؒ یا ان سے مستفاد کسی عالم کو پاتے تو اسی سے مسئلہ دریافت کر لیتے تھے۔ امام مالکؒ مل گئے یا ان کے حلقہ درس کے کسی عالم سے اتفاق ہو گیا تو انہی سے مسئلہ دریافت کر لیا۔ امام شافعیؒ میا ہو گئے ان کا کوئی شاگرد میسر آیا تو انہی سے پوچھ لیا۔ اگر امام احمد بن حنبلؒ سے موقع مل گیا تو ان سے پوچھ لیا لوگ کسی بھی معین شخص سے مسئلہ پوچھنے کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ تحریر کرتے ہیں:

النَّاسُ لَمْ يَزَالُوا عَلَى ذَالِكَ يَسْتَلُونَ مَنْ اتَّفَقَ مِنَ

الْعُلَمَاءِ مِنْ غَيْرِ تَقْلِيدٍ بِسَبَبِ

کہ لوگ کسی ایک معین شخص کے مذہب پر نہیں تھے بلکہ جس کسی عالم دین سے ملنے کا اتفاق ہوتا اسی سے اپنا مطلب حاصل کر لیتے تھے۔

تقلید کب آئی؟

بات کی صراحت اور حق کی وضاحت کے بعد اب اس بات کا کھوج لگانے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ کسی بدعت نے کب وجود پایا۔ جب کوئی شے بدعت ٹھہری تو وہ جب بھی تخلیق پائی بدعت ہے اور اس سے بدعت کا ہی سلوک ہو گا۔ مگر بات کو سیدھا رکھنے کے لئے ہم بات کا رخ بھی اپنے قارئین کے سامنے پیش کر دینا چاہتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

فَإِنْ أَهْلُ الْمَاءِ الرَّابِعَةِ لَمْ يَكُونُوا مُجْتَمِعِينَ عَلَى
التَّقْلِيدِ الْخَالِصِ عَلَى مَذْهَبٍ وَاحِدٍ ۱

کہ چوتھی صدی ہجری کے لوگ بھی کسی ایک معین شخص کے
مذہب پر جمع نہیں تھے اور ان میں کسی خاص شخص کی تقلید کا کوئی
خاص عقیدہ موجود نہیں تھا۔

یعنی بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس محترمہ کی ولادت کہیں پانچویں
صدی ہجری کا واقعہ ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی مصنف تفسیر مظہری مشہور حنفی بزرگ ہیں وہ بھی اس
تحقیق سے متفق ہیں وہ خود مقلد ہیں مگر اس بات کو نہیں چھپاتے کہ تقلید کا وجود اسلام کے
اندراج چار صدیوں کے سفر میں موجود نہیں تھا۔ وہ کہتے ہیں :

فَإِنْ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ قَدْ افْتَرَقَ بَعْدَ الْقُرُونِ
الثَّلَاثَةِ أَوِ الْأَرْبَعَةِ عَلَى أَرْبَعَةِ مَذَاهِبٍ ۲

کہ اہل السنۃ والجماعۃ چوتھی یا پانچویں صدی ہجری میں چار مذاہب
(حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) میں متفرق ہوئے ہیں۔

اور پھر جب یہ تقلیدی مذاہب حنفی بزرگوں کے نزدیک بھی چوتھی یا پانچویں
صدی کی پیداوار ہیں۔ تو مقلد حضرات ہی بتائیں کہ اس تقلید کا پھر اس دین سے کیا تعلق رہا
جس کو محمد ﷺ لائے تھے۔ اور اگر اس کا اس دین سے کوئی رشتہ نہیں مگر اس کے باوجود اس
کو اختیار کرنا واجب ہے تو اس کا فیصلہ اب اہل تقلید ہی کریں کہ یہ دین میں نئی بات ہے یا
نہیں؟ اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر بدعت بھی تو اسی کو کہتے ہیں پس آئیے اس باب میں نبی
ﷺ کا ارشاد ایک بار پھر سن لیجئے کہ : كُنْ مُحْسِنًا بِدْعَةٍ وَكُنْ بِدْحَةٍ ضَالَّةً ۳

وَكُلُّ مَسْلَاةٍ فِي النَّارِ - اور ٹیپ کے بند کے بطور حضرت امام شوکانی کا یہ ارشاد بھی ساتھ شامل کر لیجئے کہ زَهُوَ فِي نَفْسِهِ بِذَعَةِ مُحَدَّثَةٍ کی تقلید ہر ایک بدعت ہے اور دین حق میں ایک نئی بات داخل کر دی گئی ہے۔ ا۔

تقلید کو مسترد کرنے کی تیسری بڑی وجہ

یہ انسانی برادری کا مسئلہ ہی نہیں ہے

انسان یا مویشی ! تقلید کو مسترد کرنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کو اختیار کرنے والا انسانی برادری سے نکل کر مویشیوں، ذمور و نگروں اور چارپایوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہ محترمہ اچھے بھلے آدمی کو تیل اور ڈھکا بنا دیتی ہے اور گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کے ساتھ ملا دیتی ہے۔ پالتو جانوروں کی طرح آدمی کی گردن میں کسی کی اطاعت کا پتہ ڈال دیتی ہے، پس تقلید انسانوں کا نہیں، بھیڑ بکریوں، ذمور و نگروں، گائے بھینسوں، خچروں، گدھوں، گھوڑوں، اونٹنوں اور کھونٹے پر باندھے جانے والے مویشیوں کی برادری درندوں اور دوسرے پالتو جانوروں کا مسئلہ ہے، اس کا انسانی برادری سے کوئی ذور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

اس کو اختیار کرنا انسانی عزت نفس کی توہین اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالنے کے مترادف ہے۔ ہمارے قارئین کو ہماری اس گفتگو سے تعجب ہو گا اور کچھ احباب شاید ثقات بھی محسوس کریں گے، اور کچھ بزرگ شاید ناراض بھی ہوں، مگر ہم عرض کریں گے کہ یہ جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے حقیقت حال یہی ہے اور یہ ساری تفصیل خود لفظ تقلید اور مقلد کے معنوں میں ہی معثور ہے یعنی صورت یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے دوسرے بھائی کو مقلد کہا تو اس نے گویا اسے چوپایہ کہہ کر مذہب گالی دی۔ اگر کوئی شخص خود کو مقلد کہے گا تو گویا اس نے

اپنے آپ کو اپنی زبان سے گھوڑا یا گدھا کہا، لونت مان لیا، اس نے خود کو ڈمکا کہا، بیل کہا، بھینسا کہا۔ تقلید کی اس تیسری وجہ استزار کی بحث درج کرتے خود ہمیں بھی دکھ ہے لیکن قلعہ مقلد بھائیوں کی عزت نفس کی تحریک کی غرض سے ہم یہ بحث درج کر رہے ہیں۔ پس واضح ہو کہ لفظ تقلید قلاودہ سے ہے اور علم لغت کے بموجب قلاودہ اُس پٹے کو کہتے ہیں جو جانور کا مالک اپنے جانور کو قابو میں رکھنے کے لئے اُس کی گردن میں باندھتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ گردن کا یہ پٹہ کوئی شرف نہیں ہے، کوئی عزت کا محل نہیں ہے، جسے آدم کا بیٹا اور اشرف المخلوقات انسان خود ہی اپنے گلے میں ڈلوائے اور اپنی گردن میں بندھوائے، جبکہ تقلید یہ پٹہ اپنی گردن میں ڈلوائے کو ہی کہتے ہیں۔ اور مقلد وہ ہے جس کے گلے میں کسی نے اپنا پٹہ ڈال رکھا ہو۔ اب اگر یہ پٹہ آپ گھوڑے یا گدھے کے گلے میں ڈالیں گے تو تقلید کے معنی کی رو سے اس گھوڑے یا گدھے کو مقلد کہیں گے۔ یعنی پٹہ جس کے گلے میں بھی ہو گا اُسے میر حال مقلد ہی کہیں گے خواہ وہ کسی دودھیل بھینس کے گلے میں ہو، کسی بیل یا بھینے کے گلے میں ہو، یا کسی شکار مارنے والے پالتو جانور کی گردن میں ہو، عربی علم لغت کی رو سے ان کو مقلد ہی کہا جائے گا۔

یہ لفظ قلاودہ قرآن پاک میں بھی انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے، جب فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْمِلُوا سَعَايَ اللَّهِ وَلَا الشُّكْرَ
الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ ۚ

کہ اے اللہ ایمان! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو، نہ حرمت والے مہینے کی حرمت کو ہی پامال کرو، نہ قربانی کے جانوروں کی لور نہ اُس جانور کی بے حرمتی کرو جس کے گلے میں اس کے مالک نے قربانی کی نشانی کے بطور پٹہ باندھ رکھا ہو۔

”المسجد“ میں ہے، قلاوہ اس زنجیر یا مہار کو کہتے ہیں جو جانور کے گلے میں باندھی جاتی ہے، اور مقلد وہ ہے جس کے گلے میں یہ زنجیر یا سی باندھی گئی ہو۔

”مختب اللغات“ میں ہے۔ تقلید۔ گردن بند گردن خود انداختن کہ تقلید اپنی گردن میں پٹہ ڈالوانے یا سی بندھوانے کو کہتے ہیں۔ اور مصنف کتاب قلاوہ کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔ چیزے در گردن ستور اور مختن از جت علامت یعنی قلاوہ وہ چیز (پٹہ یا سی) ہے جسے بطور نشانی مویشی کی گردن میں باندھتے ہیں۔

مقلد کے ضمن میں لکھتے ہیں :

اچھے و شتر کی نشان ہدی و علامت قربانی بر گردن آں نہ باشند
کہ مقلد اُس گھوڑے یا اونٹ کو کہتے ہیں جس کے گلے میں بطور نشانی ہدی اور بطور علامت قربانی پٹہ وغیرہ بندھا ہو۔ صاحب ”فردوس اللغات“ لکھتے ہیں :

قلاوہ گردن بند سگ و شتر یعنی سگ اور شتر کی گردن میں باندھے جانے والے پٹے کو قلاوہ کہتے ہیں۔

”چراغ ہدایت“ میں ہے : تقلید۔ پیروی گردن و گرے بغیر (طلب) دلیل (مقلد) مجازاً انتقال یعنی بغیر طلب دلیل دوسرے کی پیروی کرنے کو تقلید کہتے ہیں اور لفظ مقلد مجازاً انتقال یعنی دوسرے کی نقل اتارنے والے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مقلد اپنے مجتہد کا نقل ہی ہوتا ہے۔

فقیر والی ضلع براہوننگر میں ”امام اعظم اکاڈمی“ کے نام سے احناف کا ایک بڑا ادارہ قائم ہے، جس کے شیخ الادب مولانا بشیر احمد قادری صاحب نے تقلید کی تعریف کرتے ہوئے تحریر کیا ہے : تقلید ایک تکمیل اور لگام ہے۔

اور یہ بات سب لوگ ہی جانتے ہیں کہ تکمیل اُس سی کو کہتے ہیں جو سرکش مویشی

کی ناک چھید کر اس میں پرو دیتے ہیں تاکہ سرکش حیوان خوب ہی قابو میں رہے اور خرمستی نہ کر سکے۔ اور لگام اُس زنجیر یاری کو کہتے ہیں جو اسی مقصد سے گھوڑے وغیرہ کے منہ میں کس دی جاتی ہے۔ لفظ تقلید کی تعریف تو توضیح میں اگر کوئی کسر رہ گئی تھی تو وہ حضرت عبداللہ بن المعز نے یہ فرما کر نکال دی کہ: لا فرق بین بھیمۃ نقاد و انسان یقلدہ یعنی بلاشبہ چوپایہ اور مقلد انسان میں کوئی فرق موجود نہیں ہے۔ آہ۔

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے

یہ جانتا اگر تو لگاتا نہ گھر کو میں

یہ کوئی شرف نہیں ہے

مقلد کی اس تشکیلی اس واضح اور معنوی تفصیل سے آگاہی کے بعد بھی کہ مقلد کے معنی سوائے ڈھور ڈھگر اور چار پائے دوسرے کوئی موجود ہی نہیں ہیں۔ اگر کچھ بھائی اپنے آپ کو مقلد سمجھنے اور کملانے پر بضد ہیں تو یہ ان کی حوصلہ مندی ہے۔ ہم ان کی خدمت میں سوائے اس کے کیا عرض کر سکتے ہیں کہ:

عزیزو! اشرف المخلوقات انسان کا اپنے آپ کو چار پایہ کہنا کوئی شرف والی بات نہیں ہے۔ چلئے آپ کسی اور کی نہ مائیے حضرت علامہ اقبالؒ تو ہمارا اور آپ کا مشترکہ علمی سرمایہ ہیں۔ انسان کی فطری حیات اس کے غرضی مراتب اس کی عزت نفس کا بڑا اگر مطالعہ رکھتے ہیں تو آپ کو ان سے محبت بھی ہے، رغبت بھی ہے اور عقیدت بھی۔ آپ انہی کی بات مان لیجئے۔ جب انہوں نے فرمایا۔

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خود کشی

رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

اہل حدیث

کا

مسلک

اہلحدیث کا مسلک

آج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے

کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

عزیزِ حقیقی بھائیوں! ہم نے پیش نگاہ اپنی قلم کاری میں جگہ بہ جگہ اہل حدیث کے مسلک کی برتری کا ذکر کیا ہے اور جس کے بارے میں ہمارا قطعی یقین ہے کہ وہ اسلام کے ساتھ اپنی وابستگی ظاہر کرنے والے سارے ہی مسالک اور فقہی مذاہب کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی منشاء اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی صحیح ترین تعبیر کا حامل ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنی بات ختم کرنے سے پہلے اس مسلک کا مختصر سا تعارف بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔

کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کو اس مسلک کے جان سکنے کا کبھی موقع نہیں مل سکا ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ کی صفوں میں موجود کچھ اہل غرض نے اپنی ضرورت سے اہل حدیث کے بارے میں آپ کو غلط معلومات دے کر اہل حدیث اور ان کے مسلک سے نفور کر رکھا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس علم اور روشنی کے زمانہ میں یہاں کوئی شخص بھی ایسا گیا مگر نہیں ہو گا جو اپنے بھلے بُرے یا حق اور ناحق میں تمیز نہ کر سکے۔ کی صرف یہ ہے کہ اس مسلک کے بارے میں آپ کی معلومات کا ذریعہ صحیح نہیں رہا ہے۔

اپنے مسلک کا تعارف آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ اگر آپ نے اپنے مسلک کے ساتھ مسلک اہل حدیث کے تقابلی جائزہ کی زحمت کو ادا کی تو آپ کو صحیح نتیجہ تک پہنچ سکنے میں کوئی بھی مشکل پیش نہیں آئے گی انشاء اللہ۔

رسول اللہ ﷺ کی وصیت

واضح ہو کر اہل حدیث کے مسلک کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی ایک نہایت اہم وصیت پر استوار ہوئی ہے جو آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی مجلس میں ارشاد فرمائی، فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَصِلُوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا
كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ ۝

(لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ اپنی رب کے حضور میری حاضری کا وقت اب بہت قریب ہے، پس میری بات دل کے کانوں سے سن لو کہ) میں اپنے بعد تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں، تم جب تک ان دونوں چیزوں سے (مضبوطی کے ساتھ) چپے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو سکو گے۔ ان دو چیزوں میں سے ایک اللہ پاک کی کتاب (قرآن پاک) ہے اور دوسری چیز میری سنت ہے، میرا طریقہ ہے (جس پر میں نے تمہارے اندر اپنی پوری زندگی گزاری ہے)۔

عزیزانِ گرامی! قدر! الہدیت کا مسلک بس یہی کچھ ہے، ان کی مساعی اور ان کی ساری جدوجہد کا محور یہی دو چیزیں ہیں، ان کی زندگی کے لیل و نہار کی ساری گردشیں، ان کی جدوجہد و سعی کے سارے پہلو، ان کی سانس کا ہر نَفَس، ان کی سوچ کا ہر رُخ اور ان کی حیات کی ہر کروٹ انہی دونوں چیزوں کے تابع ہے۔

الہدیت کی تعریف یہ ہے کہ وہ قرآن کا علمبردار ہے۔ جس ذات نے قرآن کو نازل کیا وہ اس کا پرستار ہے اور جس ذات گرامی پر قرآن اترا وہ اس کا فرمانبردار اور اطاعت

گزار ہے۔ پس وہ بھی کچھ ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں، کسی کا نہیں، اور کسی کے لئے نہیں، اس کی زندگی انہی دو کے نفاذ کے لئے وقف ہے، انہی کے لئے اس کا جینا ہے اور انہی کے لئے اس کا مرنا ہے۔

اہل حدیث کے اس مسلک کو شاعر نے بڑی خوبی سے صرف دو مصرعوں میں سمیٹ لیا ہے کہ۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داعی

پس حدیث مصطلے برجاں مسلم داعی

حنفی بھائیوں! کیا آپ کو اہل حدیث کے اس نصب العین کی صحت سے انکار ہے؟ کوئی اختلاف ہے؟

اور ارشاد ہو کہ کیا آپ کے اہل غرض نے کبھی آپ کی اطلاع میں یہ بات دی ہے کہ الہدیت کیا چاہتے ہیں؟ کبھی آپ کے علم میں آیا ہے کہ الہدیت کا نصب العین صرف کتاب و سنت کو غالب کرنا اور ان کو نافذ کرنا ہی ہے؟

اس بات سے کسی کو بھی انکار نہیں یا کوئی بھی انکار کی جرأت نہیں کر سکتا کہ اسلام انہی دو چیزوں کا نام ہے۔ ان سے باہر جو کچھ بھی ہے، اچھا بھی ہو سکتا ہے، بہت اچھا بھی ہو سکتا ہے، نہایت اچھا بھی ہو سکتا ہے، مگر اُسے اسلام نہیں کہہ سکتے، اسلام صرف یہی دو چیزیں ہیں اور الہدیت کا یہی عقیدہ ہے، یہی نصب العین اور یہی ان کا مسلک ہے۔

بس تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا

یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر الہی

الہدیت اپنے اس مسلک کی روشنی میں قرآن و سنت کے بعد کسی کی اطاعت کے قائل نہیں ہیں، وہ سب اچھے اور نیک شہرت رکھنے والے بزرگوں کی تکریم و تکریم رکھتے ہیں، ان کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں، ان کے نام کو سن کر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں، مگر وہ ان کی بات و بی

مانتے ہیں جو قرآن و سنت کی ترازو میں پوری اترتی ہو جو بات قرآن و سنت کی ٹکڑی میں نہیں
تلتی وہ خواہ کسی کی بھی ہو 'الہمدیث اس کو مسترد کر دیتے ہیں الہمدیث کے نزدیک اطاعت
صرف خدا اور اس کے رسول کی ہی واجب ہے 'ان کے علاوہ وہ کسی دوسرے کی اطاعت ہرگز
واجب نہیں سمجھتے کہ۔

بابا کے ہاں سے کون لایا
جس نے پایا بیس سے پایا

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد

ارشاد باری ہے :

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ

کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (محمد ﷺ) کو (کتاب) ہدئی اور دین حق
کے ساتھ (اس لئے) مبعوث کیا ہے کہ وہ اس کے ذریعہ اپنے اس
دین (اسلام) کو دنیا بھر کے سارے دینوں پر غالب کر دے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے دین کا ذکر کرتے ہیں اُسے وہ خواہ ہدئی کہیں یا دین
حق یا کسی اور نام سے پکاریں تو دین سے اللہ تعالیٰ کا مقصود صرف اسلام ہی ہوتا ہے کیونکہ اللہ
تعالیٰ نے اپنا پسندیدہ دین صرف اسلام کو ہی قرار دیا ہے۔ جیسے فرمایا: **إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ**
الْإِسْلَامُ کہ اللہ کے ہاں دین سے مقصود صرف اسلام ہی ہے۔

تو آئیے کریمہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصود
صرف اپنے دین یعنی اسلام کو ہی غالب اور نافذ کرنا ہے کسی دوسرے بزرگ اور غیر نبی کی

جمع کردہ فقہ کو غالب یا نافذ کرنا مقصود نہیں ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کو رسول حق کے بھیجنے سے مقصود دین حق یعنی اسلام کو ہی غالب اور نافذ کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ اسلام کتاب و سنت کا ہی نام ہے، فقہ کو اسلام نہیں کہتے، خواہ وہ کسی نئے فرقہ کی فقہ ہو یا کسی پرانے کی۔ وہ فقہ خواہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نام سے ذکر کی گئی ہو یا اس کی جمع و ترتیب حضرت امام مالکؒ کے ہاتھوں ہوئی ہو، اسے خواہ حضرت امام شافعیؒ نے جمع کیا ہو یا اس کو حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے مرتب کیا ہو، وہ بہر حال قرآن و سنت سے الگ ہے اور وہ صرف فقہ ہے قرآن و سنت نہیں ہے، جبکہ اسلام صرف قرآن و سنت کا ہی نام ہے اور قرآن و سنت کے سوا کسی دوسری شے کو ماننے اور اس کی پیروی کرنے سے خود اللہ تعالیٰ نے ہی منع فرما رکھا ہے جب فرمایا:

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ
أُولِيَاءَ

کہ پیروی صرف اس کی ہی کرو جو کچھ آسمان سے اُتر رہے، اس کے علاوہ اپنے دوسرے بزرگوں، ولیوں (اور اماموں) کی پیروی ہرگز مت کرو (کیونکہ بشریت کے دخل سے ان سے غلطی ہونے کا امکان اور تمہارے گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہے)

اور ظاہر ہے کہ اپنے علم و قیاس سے مرتب کردہ فقہ خواہ وہ کسی بڑے نیک مرد اور بڑے عالم کی ہو، بہر حال انسانی تصنیف اور انسان کی ہی فکری جمع و ترتیب ہے، وہ وحی ربانی نہیں ہے، جبکہ جس شے کو غالب اور نافذ کرنا اللہ تعالیٰ کو مطلوب و مقصود ہے، وہ وہی کتاب ہے جو قرآن کے نام سے آسمان سے اُتری ہے، اور وہی حدیث یا سنت رسول علیہ السلام ہے جو جمعہ کے نام سے رسول اللہ ﷺ کو ودیعت کی گئی ہے۔

اور انہی دو کو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشائخ کے ماتحت اللہ کی زمین پر غالب اور

نافذ کرنا الحمد یش کا مسلک ہے اور یہ کوئی ایسی پیچیدہ بات نہیں ہے جو آپ کی سمجھ میں نہ آ سکے۔

از بکہ ہے فقیر کی اتنی ہی کائنات
دو پاؤں چلنے کے لئے کاندھے پہ اک کلیم

فرقہ نہیں جماعت

فرقہ نہیں جماعت

ہمارے عام حنفی بھائیوں اور سادہ دل بزرگوں کو بعض اہل غرض نے یہ کہہ کر اہل حدیث سے بدظن کر رکھا ہے کہ یہ لوگ اسلام کے اندر ایک نیا فرقہ ہیں اور اہل سنت میں داخل نہیں ہیں۔

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اہل حدیث نہ صرف کوئی نیا فرقہ نہیں بلکہ وہ سرے سے فرقہ ہی نہیں ہیں ان کو فرقہ کہنا یا بے خبری کی وجہ سے یہ یا تعصب کے سبب ہے۔ اہل حدیث کوئی فرقہ ہیں یا نہیں؟ اس کا فیصلہ کرنے کے لئے پہلے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ فرقہ کس کو کہتے ہیں؟

فرقہ کیا ہے؟

لفظ فرقہ فرق سے ہے، لغت عربی کے معنی میں اسی سے تفریق ہے، عربی لغات ”مفردات راغب“ میں ہے: ”تفریق شیرازہ کے بکھرنے اور اپنے اتحاد سے الگ ہو جانے کا نام ہے۔“

اسی طرح تفرق، تفرقہ، فرقت، فراق سب کے سب ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں اور سب کے معنی الگ ہونے، الگ رہنے، جدا ہونے اور اپنی اصل سے فاصلہ اختیار کر لینے کے ہیں۔

پھر اس علیحدگی پر قاعدت کرنے اور اس فاصلہ کو قبول کر لینے کا نام فرقہ بندی ہے۔ اسلام ایک اجتماعی مزاج کا حامل مذہب ہے، اور جب ہم اسلام کے اندر فرقے کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کا یہ گروہ اسلام کی اصل یعنی کتاب و سنت سے فاصلہ کر گیا ہے اور پیچھے ہٹ گیا۔ پھر جس مقدار سے وہ کتاب و سنت سے فاصلہ کر جاتا

ہے اسی اعتبار سے اس کی رہنمائی کا مرکز بھی تبدیل ہو چکتا ہے اس کا مرجع پھر کتاب و سنت نہیں رہتے بلکہ وہ اپنے آپ کو کتاب و سنت کے بجائے کسی دوسرے کی رہنمائی کے تابع کر دیتا ہے۔

فرقہ ایک عربی لغت ہے اور فرقے کی یہ تعریف جو ہم نے پیش کی یہ عربی علم لغت کے ہی بموجب ہے۔ فرقے کی اس تعریف کی روشنی میں ہم پوری اسلامی دنیا کے اہل علم کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اہل حدیث کو اس تعریف کے مطابق فرقہ ثابت کر کے دکھائیں اور ہم پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ یہ کام کسی سے نہیں ہو سکے گا اور کوئی نہیں کر سکے گا۔ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا

کتاب و سنت جہاں اسلام کی اصل ہیں وہاں الہدیت کی جان بھی ہیں اور یہ ان کو جان سے بڑھ کر عزیز ہیں وہ اپنے مٹ جانے کی قیمت پر بھی انہی سے چھٹ رہے ہیں اور انہی سے چنے رہیں گے انشاء اللہ!

انہوں نے قرآن و سنت کے لئے ہی تو سب کو چھوڑ رکھا ہے سب سے لڑائی مول لے رہی ہے اور سب سے بُرا بنے ہیں وہ بھلا ان کو کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔

نیا فرقہ؟

باقی رہ گئی یہ بات کہ الہدیت ایک نیا فرقہ ہے تو اس کا جواب الہدیت کے اس نام کے اندر ہی موجود ہے۔

یہ بات تو سب کو ہی معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام خدا تعالیٰ کی حدیث ہے اور خدا تعالیٰ نے خود بھی اپنے کلام کو اپنی حدیث کہا ہے جب فرمایا:

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ (زمر) کہ خدا تعالیٰ نے (قرآن کو) اپنی بہترین حدیث کے بطور نازل کیا ہے۔

قرآن پاک کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی زبان سے بھی حدیث کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ جب فرمایا: خَيْرُ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ کہ بہترین حدیث اللہ کی کتاب (قرآن) ہے۔

لور رسول اللہ ﷺ کا کلام تو حدیث کے نام سے بہت ہی مشہور ہے۔ اس طرح الہدیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ کی کتاب اور رسول پاک کی حدیث کی پیروی کرنے والا شخص یا گروہ۔

حدیث پاک میں پیروان کتاب و سنت کے لئے اہل السنۃ کا کلمہ بھی وارد ہوا ہے اس لئے اہل حدیث اہل السنۃ بھی ہیں بلکہ سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے صحیح اہل السنۃ الہدیت ہی ہیں۔ تاہم اہل السنۃ کے مقابلہ میں لفظ الہدیت زیادہ وسیع المعنی ہے کیونکہ اہل سنت کا معنی صرف سنت کی پیروی کرنے والے کے ہیں، جبکہ الہدیت قرآن و حدیث دونوں کی پیروی کرنے والے کو کہتے ہیں اور لفظ الہدیت ان دونوں کی پیروی کو محیط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل السنۃ کو اصحاب رسول کے زمانہ میں ہی لوگ الہدیت کہنے لگے تھے بلکہ ذیل کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ہی حدیث کے طلاب اور علماء کو الہدیت کا لقب دیا تھا۔

حضرت خطیب بغدادی اپنی شہرہ آفاق اور عظیم المرتبت تصنیف ”شرف اصحاب الہدیت“ میں صحابی رسول حضرت ابوسعید خدریؓ سے بواسطہ ابن الفضل نقل کرتے ہیں:

إِذَا رَأَى الشَّيْكَابَ قَالَ مَرْحَبًا بِوَصِيَّتِهِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَوْسِعَ لَكُمْ فِي الْمَجْلِسِ وَأَنْ تَقْهَمَكُمْ الْحَدِيثَ فَإِنَّكُمْ خَلَوْ قُنَا وَأَهْلُ الْحَدِيثِ بَعْدَنَا۔

کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت ابو سعید خدریؓ جب حدیث کے نوجوان طلبہ کو دیکھتے تو (خوشی سے اُچھل جاتے اور) انہیں مخاطب کر کے کہتے تھے رسول اللہ ﷺ کی یہ وصیت مبارک ہو (جو حضور طیبہ السلام نے تمہارے حق میں فرمائی) آپ نے ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ ہم تمہارے لئے اپنی (درس و تدریس کی) مجلسوں میں فراخی پیدا کریں (پاس بٹھائیں) اور ہمیں رسول اللہ ﷺ کی احادیث سمجھائیں کیونکہ ہمارے بعد تم ہمارے جانشین ہو اور تم ہی الامجدیث ہو۔

یاد رہے جس طرح قرآن پاک میں آتا ہے کہ سارے اچھے نام اللہ کے لئے زیبا ہیں ٹھیک ایسے ہی اس کے بندوں کو بھی یہ رعایت حاصل ہے کہ انہیں بڑھ بڑھ کر اچھے ناموں سے یاد کیا جائے۔

تاہم الامجدیث کے لئے اہل السنۃ اور الامجدیث کے علاوہ صلحاء امت نے اور بھی اچھے اچھے نام تجویز کر رکھے ہیں اور ان سب سے مقصود الامجدیث کا ذکر ہی ہوتا ہے۔ الامجدیث کے ان اچھے ناموں میں ایک نام اصحاب الحدیث بھی ہے اور الامجدیث کو اہل الاثر کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ ۱۰

قدامت الامجدیث

الامجدیث کی قدامت کے ثبوت میں لفظ الامجدیث ہی کفایت کرتا ہے یعنی جب یہ بات واضح ہے کہ الامجدیث اُسے کہتے ہیں جو قرآن اور حدیث کا پیروکار ہو تو ظاہر ہے کہ جب قرآن پاک کی پہلی آیت کریمہ اللہ کی حدیث کے بطور دنیا میں نازل ہوئی تو اس پر عمل کرنے

۱۰۔ عیونہ الطالبین، حضرت عبدالقادر جیلانی

والا پہلا شخص الہدیث ٹھہرا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن پاک پر سب سے پہلے عمل کرنے والی ذات گرامی خود رسول اللہ ﷺ کی ہے، تو اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ مسطر ارض پر پہلے الہدیث تھے۔ پھر جب رسول اکرم ﷺ نے اپنے رسول بننے کے بعد لوگوں کو اپنی طرف بلانے کیلئے پہلا کلمہ منہ سے نکالا تو یہ حدیث رسول تھی اور جس نے سب سے پہلے حدیث رسول کو سراںگوں پر لیا اور اس کی تعمیل کی وہ دوسرا الہدیث تھا اور سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی سب سے پہلے جس شخصیت نے تصدیق کی وہ حضرت ابو بکر صدیق کی ذات گرامی تھی۔ اس طرح رسول اکرم کے بعد دوسرا جو شخص الہدیث بنا وہ صدیق اکبر تھے۔ اور پھر جس جس نے آپ کے کلام کو پایا اور اس پر عمل کیا وہ سب الہدیث تھے، کیونکہ الہدیث اسی کو کہتے ہیں جو قرآن اور حدیث دونوں کی پیروی کرے، اور پھر بعد میں بھی جس نے اور جس زمانہ میں بھی قرآن اور حدیث کی پیروی اختیار کی وہ الہدیث ہے۔ گویا جس دن قرآن اور حدیث نے اس دنیا میں وجود پایا الہدیث نے بھی ٹھیک اسی دن وجود پایا تھا۔

ایک منقولی بات

الہدیث کی قدا ت کے باب میں اس داخلی ثبوت کے بعد اگرچہ کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں ہے لیکن معترضین پر اتمام حجت کے پیش نظر شاید بات کا یہ پہلو بھی سامنے لانا مناسب ہو کہ الہدیث اور ان کے مسلک کا ذکر خود حنفی فقہ کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ تاہم یہاں ہم اس باب میں زیادہ تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ یہ بحث ہم کس قدر تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ”الجماعۃ“ میں پیش کر چکے ہیں، مقصود صرف اتمام حجت ہے، بنا بریں یہاں ہم صرف دو تین امثلہ پر ہی کفایت کریں گے۔۔

در خانہ اگر کس ست یک ہر ف بس ست

☆ مشہور الہدیث بزرگ حضرت سفیان بن عیینہ حضرت امام ابو حنیفہ کے ہم

عصر بھی تھے اور ہم نہیں وہم قریں بھی۔ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ تم الہمدیث کیونکر اپنے؟ فرمانے لگے یہ سب ابو حنیفہؒ کی مجلس کی برکت ہے، مجھے انہی کی صحبت نے الہمدیث بنا دیا۔ ۱-

☆ فقہ کی مشہور کتاب تلویح شرح توضیح میں علامہ تفتازانی ایک بحث کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ:

وَعَلَيْهِ عَاكِمَةُ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَالشَّافِعِيَّةِ ۲-

کہ اس بارے میں الہمدیث اور شوافع کا بھی یہی خیال ہے۔

☆ رد المحتار شرح در مختار میں علامہ شامی نے تیسری صدی کے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ جب کسی حنفی نے ایک الہمدیث شخص کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا تو لڑکی کے باپ نے اس شرط پر رشتہ کی ہاں کی کہ تم الہمدیث مسلک اختیار کرو اور نماز میں سینے پر ہاتھ باندھو، فاتحہ خلف الامام اور آمین بالجہر کو اپنا معمول بنالو۔ یہ بات عام ہوئی اور کسی نے بھی بُرا نہ مانا۔ قاضی جو زجانی کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوا اور بقول علامہ شامی یہ شرط پوری کر دی گئی اور نکاح عمل میں آگیا۔

اس کہانی کے ذکر سے مقصود صرف یہ ہے کہ جس الہمدیث گروہ کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے عہد صداقت عہد سے حنفی بزرگوں حنفی صلحاء اور حنفی آئمہ کے ذریعہ پوری دنیا تک پہنچ چکا ہے یا فرقہ کہنا کھلی نادانی بھی ہے اور انتہائی بے انصافی بھی۔

اس بات کا دوسرا رخ بھی ہے

الہمدیث تو اس لئے اسلام کے اندر فرقہ نہیں ہیں کہ وہ اسلام کی اصل سے چٹ رہے ہیں مگر وہ اصل جس کو دوسرے سارے ہی لوگ بوجہ چھوڑ گئے ہیں وہ الہمدیث کے

۱۔ حقائق الحنفیہ، مصنفہ مولانا فقیر محمد حنفی، صفحہ ۱۳۴ ۲۔ تلویح توضیح جلد ۲

دامان دل کی دولت ہے، لیکن اگر کسی کو اسلام کے اندر فرقوں کی تلاش ہو تو آئیے ہم ان کی نشاندہی کئے دیتے ہیں۔

ہم اپنے حنفی بھائیوں سے ہی پوچھتے ہیں کہ جو شخص کتاب و سنت کے مطابق عمل کرے اور انہی کے کہنے پر چلے ظاہر ہے وہ تو اہل سنت ہی ہے اور اہل سنت کھلانے کا حقدار ہے لیکن جو کتاب و سنت کے بجائے حنفی فقہ پر عمل کرے اور ریافت طلب مسئلہ حنفی فقہ سے ہی دریافت کرے، وہ کس رشتہ سے اہل سنت ہے اور اہل سنت کھلانے کا کس طرح حقدار ہے۔ پھر جب وہ قرآن پاک اور حدیث رسول کے بجائے امام ابو حنیفہؒ کے نام پر بنائی گئی فقہ پر عمل کرتا ہے تو کیا وہ اسلام کی اصل سے ہٹ نہیں گیا؟ اسلام کی اصل تو کتاب اور سنت تھیں مگر اس نے فقہ حنفیہ کو اختیار کر رکھا ہے۔ کیا یہ بات آپ کے لئے ناقابل فہم ہے کہ فرقہ وہی ہے جو کتاب و سنت سے ہٹ کر اور الگ رہ کر دوسرے کسی سے رہنمائی حاصل کرے۔ تو فرمائیے اسلام کے اندر فرقہ اہل حدیث ہیں یا خود حنفی لوگ ہی وہ فرقہ ہیں جو اصل اسلام سے فاصلہ کر گئے ہیں۔ اہل حدیث کا مطلب ہے خدا کی حدیث اور رسول علیہ السلام کی حدیث کا پیروکار کیونکہ قرآن خدا کی حدیث ہے اور کلام رسولؐ رسولؐ علیہ السلام کی حدیث ہے، اور جو ان کی پیروی کرے گا وہ ضرور الٰہی حدیث کھلائے گا اور یہ اس کا قانونی حق ہے۔ اسی طرح اہل سنت وہ ہے جو سنت رسولؐ علیہ السلام پر چلتا ہے لیکن جو شخص قرآن اور حدیث کے بجائے فقہ ابو حنیفہؒ پر چلتا ہے وہ حنفی ہو اہل سنت کیونکر ہوا؟

اگر اہل سنت کھلانے والے لوگ سنت پر عمل نہیں کرتے تو وہ اہل سنت کھلانے کا حق کیونکر حاصل کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے جب وہ حنفی فقہ پر عمل کرتے ہیں تو انہیں حنفی کہا جائیگا انہیں اہل سنت کہنا صحیح نہیں ہے۔

محمد ﷺ قرآن لائے تھے، قرآن پر چلتے رہے اور ان کی زندگی کا ہر نقش ان کی سنت کھلایا، الٰہی حدیث اُسی قرآن کو اور رسول اللہ کی سنت کے پیروکار ہیں، جبکہ حنفی ابو حنیفہؒ کی

رائے کو اسلام سمجھتے ہیں اور اسی کو اسلام قرار دے کر اس کی پیروی کرتے ہیں یہ کوئی ایسا مشکل مسئلہ نہیں جو حنفی حضرات کی سمجھ میں نہ آ سکے اس کو ایک لطیفہ ہی کہنا چاہیے کہ ہمارے ہاں جو لگ اہل سنت ہیں ان کو اہل سنت سے خارج سمجھا جاتا ہے اور جو قرآن اور سنت سے الگ کسی دوسرے کی پیروی کرتے ہیں وہ اہل سنت کہلاتے ہیں یعنی۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا خُسن کرشمہ ساز کرے

حنفی حضرات سے ایک سوال

ہم اپنے حنفی بھائیوں سے ہی پوچھتے ہیں کہ جب حنفی فقہ کا حکم یہ ہے کہ:

فَأَمَّا الْمُقَلَّدُ فَالدَّلِيلُ عِنْدَهُ قَوْلُ الْمُجْتَهِدِ فَالْمُقَلَّدُ يَقُولُ هَذَا لِحُكْمٍ وَاقِعٍ عِنْدِي لِأَنَّهُ أَذَى إِلَيْهِ رَأْيُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَكُلُّ مَا أَذَى إِلَيْهِ رَأْيُهُ فَهُوَ وَاقِعٌ عِنْدِي ۱۔

کہ مقلد کی دلیل صرف اس کے امام کا قول ہی ہے۔ مقلد صرف یہی کہے گا کہ صحیح مسئلہ یہی ہے (جس پر میں عمل کر رہا ہوں) کیونکہ ہمارے امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہی ہے اور میرے نزدیک صحیح بات صرف وہی ہو سکتی ہے جو میرے امام ابو حنیفہؒ سے وارد ہوئی ہو (خواہ وہ قرآن اور حدیث کے مطابق نہ بھی ہو۔ ماقول)

تو اس صورت میں حنفی حضرات ہی بتائیں کہ جب وہ بہر حال بات وہی مانیں گے اور اسی کو صحیح سمجھیں گے جو امام ابو حنیفہؒ سے وارد ہوئی ہو تو اہل سنت کس رشتہ سے بنے؟

سنت اور امام میں اختلاف پیدا ہو تو مقلد سنت کو ترک کر کے امام کو اختیار کرے گا۔ اور اگر وہ پھر بھی اپنے آپ کو اہل سنت ہی سمجھتا ہے تو معاف کیجئے گا اس کے دماغی معائنہ کی ضرورت ہے۔ اب یہ عجیب ہی بات ہے کہ حنفی بھائی پھر بھی اہلحدیث کو ہی فرقہ کہتے ہیں جبکہ فرقے کی صحیح تعریف پوری طرح خود انہی پر صادق آتی ہے، پس۔

نگاہ نکلی نہ دل کی چور زلف غبریں نکلی
ادھر لا ہاتھ ٹٹھی کھول یہ چوری یہیں نکلی

یعنی۔ میں الزام اُن کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

تصویر کا پچھلا رخ

بریلوی المسلک حنفی

ہمارے ہاں پاکستان میں حنفی کتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ دو گروہوں میں پائے جاتے ہیں:

۱۔ دیوبندی حنفی

۲۔ بریلوی حنفی

ہم نے اب تک اپنی اس کتاب میں جتنی گزارشات بھی پیش کی ہیں ان کا تعلق حنفی کتب فکر کے ان دونوں ہی گروہوں سے تھا اور دونوں ہی بیک وقت ہمارے مخاطب تھے۔ کیونکہ یہ لوگ اگرچہ آپس میں تو قلوبہم شستی کے ضمن میں ہی آتے ہیں۔ اور حد یہ ہے کہ بریلوی المسلک حنفی اپنے ہی دوسرے بھائی دیوبندی حنفیوں کو کافر، گمراہ اور جہنمی تک کہتے ہیں۔ لیکن جب کبھی رفع الیدین یا فاتحہ خلف الامام کی بات چلتی ہے تو یہ دونوں اہلحدیث کے مقابلہ میں بالکل اکٹھے ہوتے ہیں۔ مگر ذیل میں ہم جو چند باتیں پیش کر رہے ہیں ان کا تعلق بالخصوص بریلوی المسلک احناف سے ہی ہے۔

دیوبندی گروہ کے لوگ علمی مزاج کے حامل ہیں، اگرچہ ان کا علم بھی تعلیم کے دروازہ پر پہنچ کر اپنی سانس روک لیتا ہے مگر بریلوی مسلک عموماً ہی غیر علمی معتقدات سے وابستہ ہیں۔ اس لئے الہمدیث کے بارہ میں ان کے اٹھائے ہوئے نکات بھی علمی نہیں ہیں بلکہ بالکل سطحی اور نادانیت کی بنیاد پر ہی استوار ہوئے ہیں۔ لیکن چونکہ ان لوگوں نے ان کو دھکے سے ہی علمی بنالیا ہے۔ اس لئے ہم اس مسلک فکر کے لوگوں کی خدمت میں الگ ہی اپنی گزارشات پیش کر کے ان سے انصاف کے طالب ہیں۔

یہ ایک بہتان ہی ہے

الہمدیث کے بارے میں یہ بات بڑے زور سے کہی جاتی ہے کہ مسلک الہمدیث کا بانی کوئی عبدالوہاب نامی شخص ہے جو نجد کا باشندہ تھا اور پھر اس عبدالوہاب کے نام کی نسبت سے ہی الہمدیث کو وہابی کہا جاتا ہے۔ اور ان لوگوں نے اس لفظ وہابی کو اتنا خطرناک بنا دیا ہے کہ عوام کا الانعام وہابی کے نام سے ہی بدک جاتے ہیں۔ اور اگر کسی کو وہابی کہہ دیا جائے تو یہ لوگ اس کی بات تک سننے سے انکار کر دیتے ہیں خواہ وہ قرآن پڑھ کر سنائے یا حدیث پاک کا ذکر کرے۔ بس اس کی بات نہ سننے کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ وہ وہابی ہے۔ یہ بالکل ہی صورت ہے جو رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں پیش آئی تھی۔ قرآن پاک کی روایت کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ اہل مکہ کو قرآن سناتے تو مکہ کے بڑے لوگ اپنے عوام کو قرآن کے پیغام کو ناکام بنانے کے لئے طریقہ بتاتے کہ لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوُوا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ کہ لوگوں! اس قرآن کو ہرگز نہ سنبولکہ (اگر کبھی ایسا اتفاق آہی پڑے تو) سب کے سب شور و غل کرنے لگ جایا کرو (اس طرح محمد کا اثر باطل ہو جائے گا اور) تم غالب رہو گے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی علمی طریقہ نہیں ہے جس پر فخر کیا جاسکے۔ جبکہ صورت

حال یہ ہے کہ جن لوگوں نے عبد الوہاب نامی کسی نجدی کو الہدیث کے مذہب کا بانی ظاہر کیا ہے، ان کو اس کا صحیح نام تک معلوم نہیں یعنی یہ سب کچھ سنی سنائی باتوں، بے خبری اور جہالت کا ہی کارنامہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس شخص کا صحیح نام محمد بن عبد الوہاب تھا، یعنی وہ عبد الوہاب نہیں بلکہ عبد الوہاب کا بیٹا تھا۔ اب اگر کسی نے اس کے نام پر ہی الہدیث کا نام رکھنا تھا تو صحیح یہ تھا کہ ان کو محمدی کہا جاتا مگر اس کے لئے بڑی اخلاقی جرأت چاہئے وہ ان لوگوں کو کہاں نصیب۔ لہذا الہدیث کے حق میں ایک مبارک کلمہ صادق آجانے کے خوف سے اس کے باپ کا نام استعمال کر لیا۔

یہ عبد الوہاب کون تھا؟

ہمارے قارئین یہ سن کر حیران رہ جائیں گے کہ جس شخص کو الہدیث کا پیشوا بتایا گیا ہے اُسے خود حنفی بزرگ بھی اپنے جیسا مقلد مانتے ہیں جبکہ الہدیث کو غیر مقلد کہا گیا ہے، پھر غیر مقلد لوگ کسی مقلد کو اپنا پیشوا کیوں کر بنا سکتے تھے۔ حنفی بزرگ علامہ شامیؒ رد المحتار شرح در مختار میں لکھتے ہیں :

كانوا (ای عبد الوہاب واتباعه) ينتحلون مذهب الحنابلة ۱۔
کہ عبد الوہاب نجدی اور اس کے پروکار حنبلی مذہب کے مقلد تھے۔

اس کو خیانت ہی کہا جائے گا کہ جس شخص کو خود بھی اپنے جیسا مقلد مانتے ہیں یعنی جیسے حنفی حضرات امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں، یہ عبد الوہاب حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مقلد تھا، پھر اُس مقلد کو غیر مقلدوں کا پیشوا بنا کر پیش کر رہے ہیں۔۔۔
اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

ایک المیہ

یہاں ہم اپنے دیوبندی بھائیوں کی بھی ایڈ زیادتی کا ذکر بھی کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ دیوبندی قائد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے عبد الوہاب کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں لکھا۔

عبد الوہاب نجدی بڑا خوش اعتقاد تھا اور حنبلی مذہب کا مقلد تھا ۱۔
مگر یہی فتاویٰ رشیدیہ جب کچھ برس بعد قرآن محل کراچی سے محمد سعید اینڈ سنز کے زیر اہتمام شائع ہوا تو یہ عبارت اس طرح تبدیل کر دی گئی۔
محمد بن عبد الوہاب کے عقائد کا مفصل حال مجھ کو معلوم نہیں ہے ۲۔
محمد سعید اینڈ سنز کے شائع کردہ ازالۃ الھلکۃ حضرت شاہ ولی اللہؒ میں بھی اسی قسم کا تعارف عمل میں آچکا ہے۔ معلوم نہیں یہ تعارف بھی محمد سعید اینڈ سنز کے معمول کا ہی حصہ ہے یا اس کے بانی اس کتاب کے تازہ میوب مولانا سجان محمود ہیں اس اشاعت میں عبد الوہاب کے نام کی تصحیح تو کر دی گئی اور مراد آبادی اشاعت کے خلاف اسے محمد بن عبد الوہاب ہی لکھا ہے مگر عبارت تبدیل کر دی گئی ہے۔

یہ ظلم ہے یا جہالت؟

ہماری بات اب آخر تک پہنچ گئی ہے اور ہم ذیل میں تصویر کا یہ ایک منطقی رخ پیش کر کے اپنی بات اسی پر ختم کر دیں گے۔

اہل السنۃ کے چاروں مشہور فقہی مذاہب احناف، مالک، شافعی اور حنابلہ کے پیروکاروں کا یہ دستور عام ہے کہ وہ اپنے قول کو قوی اور مستند بنانے کے لئے اپنے امام یا اپنے

۱۔ فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ مراد آباد صفحہ ۸

۲۔ فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی صفحہ ۴۴

مذہب کے بانی کا قول بطور سند پیش کرتے ہیں۔

احناف علماء و فقہائے مسائل میں بطور سند کہا کرتے ہیں :

هَذَا قَوْلُ إِمَامِنَا أَبُو حَنِيفَةَ کہ ہمارے امام ابو حنیفہ کا یہ ارشاد ہے :

بایوں کہتے ہیں : قال ابو حنیفہ کہ ابو حنیفہ یوں فرماتے ہیں۔

موالک اپنے امام کا قول بطور سند پیش کرتے ہیں، شوافع اپنے امام حضرت امام شافعیؒ کو اپنی سند بتاتے ہیں۔ حنابلہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے قول سے اپنے قول کو قوی کرتے ہیں۔

لیکن کیا کسی نے کبھی کسی اہل حدیث، اہل علم یا مفتی کو بھی محمد بن عبد الوہاب کے کسی قول کو اپنی سند بتاتے پایا ہے ؟

اہل حدیث کے مشاہیر علماء سب کے سامنے ہیں اور تقریباً ان میں سے بہت سے علماء کے فتاویٰ ان کے اپنے اپنے نام سے شائع شدہ دستیاب ہیں، ان فتاویٰ کو سامنے رکھ کر کیا کوئی شخص یہ انکشاف کر سکتا ہے کہ فلاں اہل حدیث عالم نے اپنا فتویٰ محمد بن عبد الوہاب کی سند سے قوی بنایا ہے ؟ کسی بڑے عالم تو کیا کسی چھوٹے سے چھوٹے اہل حدیث اہل علم نے بھی کبھی یہ کہا ہو یا لکھا ہو کہ اس باب میں ہمارے شیخ محمد بن عبد الوہاب کا یہ فتویٰ ہے یا کسی اہلحدیث عالم نے کسی مسئلہ میں ان سے کبھی رجوع کیا ہو اور انہیں سند سمجھا ہو، اپنے فتاویٰ میں ان کا کبھی ذکر بھی کیا ہو ؟

ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی بھی غیر اہلحدیث اہل علم مسائل دین میں کسی درجہ تک بھی اہل حدیث کا ان سے کوئی تعلق ثابت نہیں کر سکتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اہلحدیث ان کے اعمال و کردار کی نیکی کے قائل ہیں، ان کی تحریک کو ایک دینی تحریک سمجھتے ہیں، انہیں ایک انقلابی مصلح قرار دیتے ہیں، مگر وہ انہیں کسی درجہ میں بھی اپنا امام قرار نہیں دیتے، انہیں اپنے لئے سند نہیں بتاتے۔ اگر کوئی شخص اہلحدیث کو محمد بن عبد الوہاب کا

پیر و کار یا محمد بن عبد الوہاب کو اہلحدیث کا پیشوا ثابت نہیں کر سکتا تو پھر اہلحدیث کو ان
 بزرگوار سے منسوب کر کے وہابی کہنے والے لوگ اپنے طور پر ہی سوچ کر بتائیں کہ اہلحدیث
 پر ان کی یہ تہمت ظلم اور بیانصافی ہے یا جہالت اور بے خبری؟ یعنی وہ ظالم اور بے انصاف
 کہلاتا پسند کرتے ہیں یا جاہل مطلق؟ کہ ۔
 ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اپنے حسن انجام کے لئے

قارئین کرام! جہاں تک اس کتاب کے موضوع کا تعلق ہے ہم نے اپنی حد تک مسائل کے بیان میں ان تمام آداب کو ملحوظ رکھنے کی پوری سعی کی ہے جو کسی کتاب کی سنجیدگی اور معقولیت کے ضامن بن سکتے ہیں۔

ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ ہمارے حنفی قارئین جن سے ہم دراصل اس کتاب کے ذریعے سے مخاطب ہیں اور جن تک ہم درحقیقت اپنی بات پہنچانا چاہتے ہیں۔ ہماری کسی بات کسی انداز نگارش یا کسی لہجہ تک سے بھی کوئی ثقات محسوس نہ کر سکیں اور ہماری بات ان کے لئے بار خاطر ہونے کے بجائے ان کے سامنے سوچ کی صحیح راہیں کھول سکے اور وہ حق کو پانے کے لئے اپنے اندر بے چینی محسوس کریں۔

یہ بات خوب ہی یاد رکھنے والی ہے۔ کہ مسلمان کی زندگی کا مقصد اپنے رب کو راضی کرنا اور اپنی اخروی زندگی کو سنوارنا ہے۔ پھر اگر ہم نے کسی ضد کسی تعصب کسی بھیڑ چال کسی خاندانی یا کسی بھی دوسرے دباؤ سے اپنی عقل کو موخر کر رکھا تو ظاہر ہے کہ اپنے اخروی انجام کے بارے میں کوئی نیک امید نہیں رکھی جاسکتی۔

لیکن اگر ہم نے اپنے آپ کو جنت کا مستحق بنانا ہے تو ہمیں اس راہ کو اختیار کرنا ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاکؐ نے ہمارے سامنے کھول رکھی ہے۔ اب جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اپنا فرض انجام دے چکے ہیں۔ اور ہم رحیم و کریم رب سے سے دُعا گو ہیں کہ ہمارے مخاطبین کے لئے بھی اپنی خصوصی رحمت سے ان کے حسن انجام کے لئے ان کی رہنمائی فرمائے۔۔۔

ایں دعا از من و از جملہ جنات آئین باد

ہمارے حنفی بزرگ

ایک نیا باب جو چوتھی اشاعت سے

کتاب کا حصہ بنا

فصل اوّل

احادیث رسول پاکؐ میں تحریف و ترمیم کی ہولناک جساتیں

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر لے

عزیز حنفی بھائیو! آپ اس بات پر ہم سے یقیناً اتفاق کریں گے کہ قرآن پاک کی طرح حدیث رسول پاکؐ بھی امت کے پاس ایک امانت کی حیثیت ہی رکھتی ہے اور جس طرح قرآن پاک میں کسی قسم کی تحریف، ترمیم یا کمی بیشی قابلِ برداشت نہیں ہے۔ ٹھیک ایسے ہی حدیث پاک میں بھی کسی خیانت کسی تحریف یا کسی کمی بیشی کا ارتکاب ایک سخت درجہ کی بھرمناہ کاروائی ہی ہے۔

ایسی حرکت رسول اللہ ﷺ کو لقمے دینے، ان کو ٹوکنے والی بات ہے اور ان کے تابع ہو کر رہنے کے بجائے انہیں اپنے تابع رکھنے اور اپنی مرضی کے مطابق چلانے کے مترادف ہے۔

یہ حرکت شرمناک ہی نہیں رسول اللہ ﷺ کی توہین اور آپ کا استخفاف بھی ہے۔

عزیزانِ گرامی! بات کہنے کی نہیں تھی لیکن بامرِ مجبوری یہ کہنے بغیر چارہ بھی نہیں ہے کہ آپ کے بزرگوں نے بے جھجک یہ کام کیا ہے اور رسول علیہ السلام کے کلام کو اپنی مرضی، اپنی خواہش اور اپنی ضرورت کے مطابق بدلنے، بگاڑنے میں کسی درجہ بھی خدا کے خوف کو ملحوظ نہیں رکھا۔

پھر ہمیں یہ کہتے بھی دکھ ہے کہ یہ شرمناک حرکتیں کچھ گھٹیا قسم کے عام گناہ حنفی بزرگوں تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ اس حمام میں وہ لوگ بھی بالکل ننگے ہیں جن کی

مخصوص وجاہت اور جن کی علمی شہرت اس بات کا حق رکھتی ہے کہ ان کا اجلال و اکرام ملحوظ رکھا جائے۔ اُف۔

کہا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنا کرے کوئی

عزیزان محترم! ۱۲ مسائل کی تصنیف کے دوران میں بعض ایسے مراحل بھی سامنے آئے ہیں جہاں آپ کے بزرگوں کے کالے کردار کے ذکر کی گنجائش بھی تھی اور ضرورت بھی تھی۔ لیکن چونکہ آپ کو بد مزہ کرنا اس فقیر کو پسند نہیں تھا اس لئے انہیں الگ رکھ کر ایک سیدھی بات بالکل سیدھے طریقے سے بلا واسطہ آپ سے عرض کر دی گئی۔ ویسے بھی آپ کے بزرگوں نے جن گھناؤنے طریقوں سے خود کو کتاب و سنت بنا رکھا تھا اس کی عکاسی اس فقیر کے توں قلم کے لئے ذرا بھی تھی کہ اس حدیث تھی جو شاعر نے کہہ دی۔

داورِ حشر! مرا نامہ اعمال نہ دیکھ
اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

یوم الدین کی پکھری

ہم نے دراصل آپ کے بزرگوں کا مقدمہ یوم الدین کی پکھری کے لئے اٹھایا تھا۔ تھا جہاں خود محمد ﷺ ہی اپنے رب کی عدالت میں آپ کے بزرگوں کے خلاف استغاثہ پیش کرتے اور پھر جو فیصلہ وہاں ہوتا وہی اصل فیصلہ ہوتا اور وہی نافذ ہوتا کیونکہ یوم الدین کی پکھری کے قاضی کی شان یہ ہے۔

کر دیا فیصلہ تو نے تو اپلیس بے سود
تیری محفل میں ہیں منطق کی دلیلیں بے سود

خسرو کا کشف

تقریب کی رعایت سے یوم الدین کی پجری کے بارے میں خسرو کا ایک کشف بھی سنتے چلے۔

نمی دانم چه منزل بود شب جائیکه من بودم بهر سو رقص ببل بود شب جائیکه من بودم
پری پیکر نگارے سرو قدے لاله رخسارے سر اسر آفت دل بود شب جائیکه من بودم
رقیباں گوش بر آواز اور ناز و من ترساں خن گھن چه مشکل بود شب جائیکه من بودم
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو محمد شمع محفل بود شب جائیکه من بودم

پھر سمت بدل گئی

معلوم ہوا کہ مالک یوم الدین کی اپنی پجری تو اپنے وقت پر ہی لگے گی اور باختیار ہوگی لیکن خود مالک یوم الدین کی ہی یہ خواہش ہے کہ اس پجری سے قبل اہل دنیا یہاں بھی اقرا کتابک کا ایک منظر دیکھ لیں کہ یوم الدین کی پجری تو وہاں کا مقدر ہے اور یہ پجری یہاں کا حصہ بنے اور پھر اس مقصد سے آسمان نے ہی یہاں ایک پجری کے انعقاد کا سامان بھی جمع کر دیا۔

ایک خط پڑھئے

محترم و مکرم جناب مولانا عبدالرحمن خلیق صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

گزارش ہے کہ ہم نے آپ کی تصنیف کردہ کتاب ۱۲ مسائل پانچ منگوائی تھیں جو (اپنے خفی بھائیوں کو) پڑھنے کے لئے دیں۔ اس میں آپ نے مسئلہ رفع الیدین کی ایک روایت لکھی ہے۔

فَمَا ذَاكَ تِلْكَ صَلَواتُهُ حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ (کہ رفع الیدین کا عمل رسول اللہ ﷺ کی وفات تک آپ کی نماز کا حصہ رہا ہے) آپ نے اس روایت کے ثبوت میں بیہقی کا حوالہ دیا ہے۔

کسی (حقی شخص) نے اس حوالہ کا ثبوت طلب کیا تو ہم نے سولہ سو روپے خرچ کر کے بیہقی خریدی۔ لیکن اس میں (آپ کی پیش کردہ) روایت نہیں ملی ہے۔ البتہ مولانا (محمد) اشرف سندھو کی (تصنیف) نتائج التقلید سے پتہ چلا ہے کہ احناف نے یہ روایت بیہقی سے نکال دی ہے۔

اب آپ سے درخواست ہے کہ کوئی پرانی قیمتی ایسی موجود ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہوں۔ اگر یہ روایت بیہقی میں تھی تو دنیا میں کسی نہ کسی جگہ وہ کتاب موجود ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے بھی وہ کتاب دیکھ کر ہی حوالہ لکھا ہو میں آپ سے مدد اور اپیل کرتا ہوں کہ اگر آپ کے پاس وہ کتاب ہے تو اس کا عکس ہمیں بھیج دیں اس کا خرچہ ہم بھیج دیں گے۔

اور اگر آپ کے پاس نہیں ہے تو ہمیں اس کی نشاندہی کر دیں کہ یہ کتاب فلاں جگہ سے مل سکتی ہے ہم وہاں سے منگوالیں گے۔

یہاں ہماری گفتگو چل رہی ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ آئیں گے تو یہ انشاء اللہ مسئلہ کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

محمد بلال ثاقب مدرسہ جامعہ سلفیہ و لن بئہ

تحصیل پورے والہ ضلع وہاڑی

مجبوری کا سفر

۱۲ مسائل کے قارئین اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ہم بحث برائے بحث کو ہر گز پسند نہیں کرتے بلکہ بات کو بات کی حد تک ہی محدود رکھتے ہیں تاکہ فہم مطلب میں آسانی میاں رہے۔

یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ یہ کتاب اہلحدیث اور احناف کے درمیان سخت اختلافی مسائل پر مسلک اہلحدیث کی ترجمان ہے اور احناف کے مسلک کی تضعیف کرتی ہے۔ لیکن آپ اس کتاب کا ایک بار پھر مطالعہ فرمالیجئے۔ آپ از اوّل تا آخر پوری کتاب میں ہمارے تو سن قلم کو کہیں بے لگام نہیں پائیں گے۔ آپ کو ہمارے قلم سے نہ کوئی تعریض ملے گی نہ ہم نے کبھی کسی کی شخصی تنقیص ہی روا رکھی ہے۔ آپ پوری تحریر میں نہ کوئی چیلنج بازی دیکھیں گے نہ بیکار کا جھگڑا نہ جنگ نہ پیکار نہ کوئی تجاوز نہ اقدام نہ کوئی جھجھکاؤ اور نہ کوئی جارحیت نہ کوئی کج روی ہی آپ کی فکر کے لئے سید راہ ہوگی کہ ایسی باتیں ہمیشہ تصادم کی تمہید بنتی ہیں اور فکر کار ہوا ر تشدد و تعصب کی راہ اختیار کر لیتا ہے اور بات اپنا وزن کھودیتی ہے۔ تعصب بے انصافی اور ضد کی جانب رہنمائی کرتا ہے اور آدمی کی سوچ سلامتی کی راہ سے ہٹ جاتی ہے ہم نے اختلاف باہمی کو اس کی اصل شکل میں اپنے قارئین کے سامنے پیش کر کے پھر پوری سنجیدگی سے بات کی گرہ کشائی کرتے ہوئے حنفی مسلک پر اہلحدیث مسلک کی برتری ثابت کی ہے۔

دعوت کے اس اسلوب کو نہ صرف اہلحدیث حلقوں میں بھی بے حد پسند کیا گیا ہے بلکہ احناف کے ہاں بھی اس کو توقع سے زیادہ پذیرائی ملی ہے اور بے شمار حنفی احباب نے ہمارے اسلوب و دعوت کا خیر مقدم کیا ہے اور اسے خوش آمدید کہا ہے اور پھر بفضل تعالیٰ اس کا رد عمل توقع سے بڑھ کر مثبت سامنے آیا ہے۔

حق کی گواہی

خط کا مضمون آپ مطالعہ فرما چکے اور ہم آپ سے حسن ظن اور آپ کی انصاف دوستی کے انعام پر یہ توقع رکھتے ہیں کہ آپ ہمیں ایک ناکردہ گناہ اور بے قصور شخص کو اس کے مخالفین کے گھرے سے نکالنے کی اجازت دیں گے۔

مولانا محمد بلال ثاقب کا کوئی قصور نہیں ہے اور انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے لیکن تاریخ کے بعض گھیلوں سے ناواقفی کے سبب ان کی آبرو کے لئے سخت خطرہ پیدا کر دیا گیا ہے۔ وہ معاشرہ میں ایک مختص مقام کے حامل اور ایک معزز ذیلی ادارہ سے وابستہ ہیں۔ لیکن جس بے دردی سے ان کی منصبی اور شخصی کردار کشی کی جا رہی ہے سخت دردناک امر ہے۔

انہوں نے انتہائی مایوسی میں مدد کے لئے پکارا ہے ان کی مدد کو نہ پہنچنا رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے منافی ہے جو آپ نے فرمایا تھا **إِذَا دَعَاكَ فَاجِبْهُ** (مسلم) کہ جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی تمہیں پکارے تو دوسرے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کی دعوت قبول کرے اور اس آواز پر پہنچے۔

ہم نے اپنے انصاف دوست اور نیک دل حنفی بھائیوں سے اس خط کے جواب کی اجازت اس لئے طلب کی ہے کہ زیر بحث مسئلہ کی گرہ کشائی میں از اول تا آخر ان کے بزرگوں کے کردار سے ہی بحث ہوگی۔ جس کو سننے کے لئے بڑی حوصلہ مندی درکار ہے۔ اور ہمارے قارئین جانتے ہیں کہ ہم نے اول روز سے ہی گفتگو کے اس رخ سے الگ رہنے کی سعی کی ہے کیونکہ جیسا کہ ہم عرض کر چکے۔

اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

تاہم اپنے بھائیوں کی انصاف دوستی کے تجربہ پر ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ حق کی حمایت میں ہم سے پورا پورا تعاون کریں گے اگرچہ حق کا فیصلہ بظاہر ان کی پسند کے بھی

خلاف ہو رب کریم کی بڑی واضح ہدایت ہے کہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ**
بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ (ب ۵ ع
 ۱۷)

کہ اے اہل ایمان! اپنے رب کی راہ میں حق و انصاف کی گواہی کے لئے ہمیشہ آمادہ رہو۔ اگرچہ
 تمہاری گواہی کی ضرب خود تمہارے اپنے مفاد پر پڑتی ہو یا اس گواہی سے تمہارے ماں باپ
 اور عزیز و اقربا کے مفاد کو خطرہ درپیش ہو۔

عود الی المقصود

اب ہم یہاں بیہقی شریف کی اس روایت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں جو اس
 بحث کی اصل و نہاد ہے۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز میں رفع الیدین سے نہ کسی کو
 کوئی اختلاف ہے نہ انکار۔ کیونکہ نماز میں آپ کی رفع الیدین کے بارے میں تو بخاری مسلم
 تک کی صحیح اور مرفوع روایات میں پوری وضاحت سے ذکر آچکا ہے۔

اختلاف اس بات میں ہے کہ الہمدیث کے نزدیک آپ کے روز وصال کی آخری
 نماز میں بھی رفع الیدین کا عمل جاری تھا اور جب سے آپ نے رفع الیدین کو اختیار کیا و فات
 کی گھڑی تک اس سے کبھی تعلق نہیں توڑا۔ جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز
 میں رفع الیدین سے انکار نہیں لیکن نماز میں آپ کا یہ عمل اسلام کے ابتدائی زمانہ کا حصہ ہے
 بعد میں آپ نے اس کو ترک کر دیا تھا۔ بعد ازاں رفع الیدین کے اثبات میں جتنی روایات بھی
 حدیث کے ذخیرہ میں پائی جاتی ہیں سب منسوخ ہیں۔

رفع الیدین کی منسوخی کے بارے میں تو احناف کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں
 ہے لیکن ان کے چھوٹے بڑے اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ آپ نے رفع الیدین کے عمل
 کو ترک کر دیا تھا۔ ہم نے اپنی کتاب میں احناف کے اس عذر کے جواب میں بیہقی شریف کی

درج ذیل روایت سے استدلال کرتے ہوئے اس بات کا ثبوت مہیا کیا تھا کہ رفع الیدین کا عمل آپ کی زندگی کی آخری نماز میں بھی شامل تھا۔

عن عبد اللہ بن عمر قال ان رسول اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیه حزو منکبیه اذا افتتح الصلوۃ واذا کبر للركوع واذا رفع راسه من الركوع رفعهما کذا لک فما زالت تلک صلواته حتی لقی اللہ (بیہقی)

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر راوی ہیں کہ نبی ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر تک بلند کرتے۔ پھر جب رکوع کے لئے ٹکیر کہتے اس وقت بھی اپنے دونوں ہاتھ پہلے کی طرح ہی اپنے کندھوں تک بلند کرتے۔ پھر جب رکوع سے سر اٹھاتے اس وقت بھی پہلے کی طرح ہی رفع الیدین کرتے۔ آپ کی نماز ہمیشہ اسی طرح رہی یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔ (۱۲ مسائل صفحہ ۳۶)

یہاں ہم یہ بات بھی عرض کر دیں کہ ہم اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ ہم نے بیہقی شریف کے حوالہ سے جو روایت پیش کی ہے وہ بازار میں دستیاب بیہقی کے صفحات میں موجود نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ داروات کسی سازش کا ہی حصہ ہے تاہم اوّل اوّل جب اہل حق نے بیہقی سے اس روایت کو گم پایا تو انہوں نے شاید اس کو سو کتابت سمجھ کر بات نہ اٹھائی اور سہو کتاب سمجھنے کا ایک قرینہ یہ بھی تھا کہ الحمد للہ کی جانب سے جب اس روایت کو بیہقی کے حوالہ سے پیش کیا جاتا رہا تو اہل علم و خبر حنفی بزرگوں نے اس پر کوئی گرفت نہ کی اور ان کی خاموشی اس بات کی دلیل تھی کہ انہیں اس روایت کے بیہقی کی روایت ہونے سے انکار نہیں۔ اگرچہ یہ روایت دستیاب مطبوعہ بیہقی میں موجود نہیں تھی۔

روایت کی اس گم شدگی کو سہو کتابت سمجھنے کا ایک بڑا قرینہ یہ تھا کہ خود حنفی اہل

علم و خبر بزرگ بھی اس روایت کو قدیم سے ہی اپنے ہاں بیہقی کے حوالے سے نقل کرتے چلے آ رہے تھے تاہم ہم نے شرارت کے کسی متوقع خدشہ سے ہی یہ پیش بندی بھی کر دی تھی کہ :

اس روایت کی صحت و اصابت کے بارے میں صرف یہی کہہ دینا کفایت کرتا ہے کہ حضرت امام ذہبیؒ حنفی نے اس حدیث کو اپنی کتاب نصب الراية میں بغیر کسی تنقید کے قبول کیا ہے (۱۲ مسائل صفحہ ۳۶ آخری سطور)۔

ان سطور سے ہمارا مقصد یہی تھا کہ اگر کوئی گلیوں، بازاروں کا جاہل، جھگڑالو اور مجمع باز حنفی بیہقی کے صفحات میں اس روایت کا ثبوت طلب کر لے تو اس کے جواب میں کسی پرانی یا نئی بیہقی کی تلاش میں سرگرداں ہونے کی بجائے اُسے خود اُس کے اپنے بزرگوں کی کتابوں کی طرف رہنمائی کر دی جائے جنہوں نے اس روایت کو بیہقی کے حوالہ سے اپنے ہاں نقل کیا ہے۔

راہ کا بھاری پتھر

رسول اللہ ﷺ کی نماز میں آپ کی تاحین حیات رفع الیدین کی موجودگی کے ثبوت میں بیہقی شریف کی یہ روایت حنفی حضرات کی راہ میں ایک ایسا سنگِ گراں تھی جس نے ان کی راہیں بند کر رکھی تھیں۔ وہ اگرچہ بے ثبوت ہی اس بات پر ضد کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ عرصہ کے بعد رفع الیدین کو ترک کر دیا تھا۔ لیکن وہ بہر حال یہ رٹ لگاتے ہی رہتے تھے کہ رفع الیدین حق ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے اپنی نماز میں اختیار کیا ہے۔ لیکن یہ اسلام کے پہلے زمانہ اور ابتدائی دور کی بات ہے جبکہ بیہقی شریف کی یہ روایت انہیں بازو سے پکڑ کر حجرہ رسولؐ میں اس وقت لے جاتی ہے جب آپ مرض الموت میں مبتلا زندگی کی آخری نماز رفع الیدین کے ساتھ ادا فرما رہے تھے اور روایت کہہ رہی تھی کہ لو

رسول اللہ ﷺ اور آپ کی نماز میں رفع الیدین کے تعلق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ جبکہ حضورؐ کی زندگی موت کی دہلیز پر تھی اور صورت حال یہ تھی کہ ۔

دم والیں برسرِ راہ ہے

عزیزو ! اب اللہ ہی اللہ ہے

صورت حال کی اس واضح عکاسی کے بعد بھی بات اگر کسی کی سمجھ میں نہ آسکے تو

ظاہر ہے کہ یہ بات کا تصور نہیں بلکہ نیت کا فتور ہے۔

حقی بزرگ اگر اس روایت کے گھیرے کو توڑ کر نکل جانا چاہتے تھے تو انہیں

چاہیے تھا کہ وہ اصول حدیث کی روشنی میں اس روایت کو ضعیف ثابت کرتے اس کو ناقابلِ

حجت ٹھہراتے۔ اس کو موضوع نہ سہی وہ مقلوع یا مرسل ہی ثابت کرتے۔ اس کی غزیت کا

کوئی پہلو سامنے لاتے۔ لیکن یہ ان سے نہ ہوسکا۔ کیونکہ حدیث خود ان کے ہپیڑ کے مطابق

بھی صحیح تھی ورنہ وہ اس کو اپنی کتابوں میں کیوں نقل کرتے یا نقل کی تھی تو اس پر جرح پیش

کرتے اور جب تک وہ ایسا نہ کرتے۔ اس روایت نے ان پر بھاگ سکنے کی ساری راہیں بند کر

رکھی تھیں۔

اب ان کے لئے اس حدیث کے محاصرہ سے نکل سکنے کی یہ ایک ہی صورت باقی

تھی کہ وہ بیہقی کی دیوار میں نقب لگاتے اور اس روایت کو ہی چوری کر لیتے اور پھر انہوں نے

در حقیقت بھی اپنی شکل کو دور کرنے کے لئے اسی تجویز پر عمل کیا کچھ لوگوں نے سازش کی

اور چپکے سے بیہقی کے صفحات سے یہ روایت ہی چاٹ لی۔

بیہقی پر یہ حادثہ کب گذرا

اب وہ شبہ تو ختم ہو چکا تھا کہ مبادیہ سہو کتابت ہو کیونکہ اگر اس کا کتابت کے کسی

سہو سے تعلق ہوتا تو اگلی اشاعت میں یہ غلطی دُور کر دی جاتی۔ لیکن ملک بھر کے طباعتی اور

اشخاصی اور اے احناف کے ہی قبضہ میں تھے۔ پھر یہی جب بھی طبع ہوئی اس روایت کے بغیر ہی طبع ہوئی اور ظاہر ہے سرقہ بالکل واضح ہے۔ اب مشہور و سنون (ماہ و سال کے) بیان سے یہ بتانا تو مشکل ہے کہ سرقہ کی یہ واردات کب ہوئی۔ کیونکہ جب چور کا علم نہیں کہ وہ کون تھا۔ ایک تھا یا کوئی گروہ تھا جن کا پتہ چلنے سے اس واردات کا صحیح زمانہ دریافت ہو سکے۔ البتہ اتنی بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اپنی ضرورت سے احادیث میں تحریف و ترمیم اور سرقہ بازی کا یہ کاروبار احناف نے زیادہ سے زیادہ ایک صدی قبل شروع کیا ہے کیونکہ قدیم حنفی اہل علم و خبر بزرگوں کے علاوہ تیرہویں صدی ہجری کے محقق سر تاج حنیف حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی نے اپنی کتاب میں اس روایت کو بیہقی کے حوالہ سے نہ صرف نقل ہی کیا ہے بلکہ اس کو بنیاد استدلال بنا کر اپنے ان حنفی بزرگوں کی تردید کی ہے جو رنج الہدین کے عمل کو متروک یا منسوخ کہتے ہیں۔

کچے چور

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ وہ اپنی نماز کے بعد جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو ہمیشہ ایک چور کی مغفرت کے لئے بھی ضرور درخواست کرتے۔ ایک دن ان کے کسی صاحبزادے نے پوچھ ہی لیا کہ ابا جان! یہ چور کون ہے جس کے لئے آپ اپنی نماز کے بعد پورے خشوع و خضوع سے اپنے رب سے بخشش چاہتے ہیں۔ آخر ایک چور کے لئے دعا میں اس التزام اور اہتمام کی ضرورت کیونکر ہے؟

آپ نے بیٹے کی جانب دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بیان کیا۔ بیٹا اس چور کا مجھ پر اتنا بڑا احسان ہے کہ میں عمر بھر کی دعاؤں کے باوجود اس کے احسان کا بوجھ نہیں اتار سکتا۔

بات یوں ہوئی کہ عباسی خلیفہ مامون الرشید کے دور میں جب علماء سوء نے اُسے

دور فلک کر ایک قندہ کھڑا کر دیا کہ قرآن مخلوق ہے اور خلیفہ بے اعلان کیا کہ جو کوئی اس کے خلاف عقیدہ رکھے گا اس کی گردن اڑادی جائے گی۔ تاریخ میں اس قندہ کو قندہ طلق قرآن کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ عقیدہ صریحاً کفر و شیطنت کے مترادف تھا۔ کیونکہ قرآن تو خدا کا کلام ہے اور کلام حکم کی صفت ہوتی ہے اور حکم جب سے ہے صفت اس کے ساتھ ہے۔ جبکہ قرآن کو مخلوق کہنے کا مطلب یہ تھا کہ قرآن خدا کی صفت نہیں بلکہ اس کا ایک فعل ہے اور ظاہر ہے قائل پہلے ہوتا ہے اور فعل بعد میں وقوع پاتا ہے۔ اگر اس عقیدہ کو مان لیا جائے تو قرآن خدا کا کلام نہیں رہتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علمائے حق نے اس عقیدہ کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جس کی پاداش میں سینکڑوں علمائے حق موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ مجھے بھی گرفتار کر لیا گیا۔ جیل میں سخت عتوبوں کے سپرد رہا۔ جب خلیفہ مایوس ہوا کہ احمد اس طرح نہیں مانے گا تو اس نے حکم دیا کہ اسے ایک بار پھر عقین کی جائے کہ وہ اپنی ضد ترک کر کے خلیفہ کا ہوا میں جائے۔ اگر وہ نہ مانے تو اسے سنگین صورت میں میرے حضور پیش کیا جائے۔ حکم کے مطابق عمل ہوا۔ مجھے ہاتھوں میں جھکڑی اور پاؤں میں ڈنڈا بیڑیوں کے ساتھ نہایت ظالمانہ طور پر بغداد کے طویل نور ہست شکن سفر پر پایادہ دھکیلتے لے جانے لگے۔ سفر کی مصوبت سے مائیکس لڑکھڑائی تھیں۔ لوہے کی بیڑیوں نے گھٹنوں کو زخمی کر دیا تھا ڈنڈا چلنے میں مانع تھا لیکن سرکاری کارندے اپنی ڈیوٹی پوری وفاداری سے ادا کر رہے تھے کہ عین راستے میں ایک چور ملا جو میری طرح ہی جکڑا تھا اور اپنی پیشی بھگت کر آ رہا تھا۔

مجھے دیکھا تو سلام کر کے آگے بڑھا اور بولا الام صاحب میں ایک پیشہ ور چور ہوں اور چوری میں ہی ماخوذ ہوں۔ مال مسروقہ بھی مجھ سے برآمد ہو چکا ہے۔ لیکن میں نے اس چوری سے انکار کر دیا ہے۔ سرکاری پولیس نے اعتراف جرم کرائے کیلئے مجھے مار مار کر میرا ٹھکر کس ٹال دیا ہے۔ مجھے گھنٹوں آٹا لٹکائے رکھا۔ لاقوں سے مارا ڈنڈوں سے تواضع کی لیکن میں نے چوری کا اعتراف کرنے سے انکار جاری رکھا۔ پولیس نے ظلم و ستم کے سارے

حربے آزمائے مگر وہ لوگ مجھے اپنے جرم کے اعتراف پر آمادہ نہ کر سکے۔

اس نے مزید کہا امام صاحب! اگر میں پھسل بھی جاؤں اور چوری کا اعتراف بھی کر لوں تو یہ میرا شخصی نقصان ہوگا، معاشرہ میں بے وقور ہو جاؤں گا، لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے۔ میں مستقبل کی اس بدنامی سے بچنے کے لئے اپنے جھوٹ پر بھی پوری ہمت سے قائم ہوں اور کوئی ظلم مجھے میرے موقف سے ہٹانے نہ سکے۔ لیکن یاد رکھئے! آپ امت کے امام ہیں۔ حق گو ہیں، حق پر قائم ہیں اور حق گوئی کی پاداش میں ہی آلام و مصائب کا شکار ہیں اور اب حق کو قائم رکھنے کے لئے ہی موت کی دہلیز کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ خوب یاد رکھئے۔ میرے پھر جانے سے صرف میرا ہی نقصان ہے لیکن اگر آپ کے پائے استقلال میں کسی عقوبت یا موت کے خوف سے ذرا بھی لغزش پیدا ہوئی تو پورے عالم اسلام کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ یہ کمائی سنا کر امام صاحب اتار دئے کہ روتے روتے ان کی گھٹی بندھ گئی۔

لیکن یہ حنفی حدیث چور تو بہت ہی بے حوصلہ اور کچے چور نکلے کہ کہ اتنی خوفناک اور عظیم چوری پر بمشکل ایک صدی تک ہی صبر کر سکے اور پٹلنے لگ گئے کہ لاؤ بیٹھی دکھاؤ حوالہ۔ حالانکہ ایک سو برس تک تو بہت سے لوگ جی لیتے ہیں۔ اگر یہ گوگ مزید ایک صدی متقلد کر لیتے جبکہ اس عرصہ میں کم و بیش آٹھ سلیس گزرتیں پھر ان کو پوچھئے والا کون تھا۔ لیکن آہ۔

عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی وحشت کا رنگ

رہ گیا دل میں جو کچھ تھا شوق خواری ہائے ہائے

کتنے برے ہیں یہ اپنے بزرگوں کے جانشین کہ خود بھی رسوا ہوئے اور قبروں میں پڑے اپنے بزرگوں کے سرقہ کا مجید کھلو کر انہیں بھی رسوا کیا یعنی۔

خود تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے

عزیزو!۔

اسی باعث تو قتل عاشقان سے منع کرتے تھے
 اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں بن کر
 شاعر کتنی عجیب بات کہہ گیا ہے۔
 یہ فتنہ آدمی کی خانہ دیرانی کو کیا کم ہے!
 ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

فصل دوم

حدیث بیہقی اور قدیم حنفی اصحاب علم و خبر بزرگ

تمہارے پیامی نے سب راز کھولے
 خطا اس میں بندے کی سرکار کیا تھی

اس بات کو پلے باندھ لیجئے کہ بیہقی شریف کے صفحات سے اس روایت کی گمشدگی
 نہ ہمارے لئے وجہ تشویش ہی ہے اور نہ اس پر ہم کسی تشویش کی ضرورت ہی سمجھتے ہیں۔ بیہقی
 کے صفحات سے اس کی گمشدگی نہ بیہقی کو کوئی نقصان پہنچا سکتی ہے نہ روایت کے مقصد پر ہی
 اس سرقہ سے کوئی زد پڑتی ہے کیونکہ اس روایت کو خود اہل علم و خبر حنفی بزرگوں نے بیہقی
 کے حوالے سے اپنے ہاں نقل کر کے مکمل تحفظ دے رکھا ہے اور ان کے ہاں جہاں اور جس
 کتاب میں بھی یہ روایت درج ہوئی ہے وہی کتاب ہمارے لئے بیہقی کا حکم رکھتی ہے اور جو
 مفاد ہم بیہقی کے صفحات سے حاصل کر سکتے ہیں اب وہی مفاد ہمیں حنفی اصحاب علم و خبر کے
 خزانہ علم سے میسر ہے۔ اور ہم اپنے موقف کے ثبوت میں خود حنفی ذخیرہ علم و نظر سے یہاں
 دو معتبر گواہ پیش کرتے ہیں:

حضرت امام ذہلیؒ

یہ بزرگ آٹھویں صدی ہجری کی دولت ہیں اور حنفی مسلک لوگوں میں امامت کے درجہ پر فائز ہیں۔ اپنے علم و فضل کی اعتبار سے احناف میں بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں حنفی فقہ کی سب سے زیادہ معتبر کبھی مکی کتاب ہدایہ کے شارح ہیں اور ان کی یہ شرح کیاب بھی نہیں بلکہ ہزار میں عام ملتی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

ويزيل هذا القوهم يعني دعوى نسخ مارواه
البيهقي في سنته راوه عن ابن عمر ان رسول الله
صلى الله عليه وسلم كان اذا ففتح الصلوة رفع
يديه واذا ركع واذا رفع راسه من الركوع وكان لا
يفعل ذالك في السجود فما زالت تلك صلوته
حتى لقي الله - (نسب الراي جلد اول صفحہ ۳۱۰-۳۰۹ مطبوعہ
فیش محل روڈ لاہور)

یہی کی اس روایت سے جو حضرت ابن عمرؓ سے وارد ہوئی ہے رفع الیدین منسوخ
ہونے کا دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے
لئے کھڑے ہوتے تو (بظہور تکبیر تحریمہ) اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے۔ پھر جب رکوع کے
لئے ٹھختے پھر جب رکوع سے سر اٹھاتے تو آپ پھر رفع الیدین کرتے۔ تاہم آپ سجدوں
کے اندر اس عمل کو نہیں دہراتے تھے۔ آپ کی یہ گزارش آپ کی زندگی کی آخری سانس تک
قائم رہی۔

حضرت امام ذہلیؒ نے اس روایت کو اپنے ہم مسلک اہل علم کی رائے کو مسترد
کرتے ہوئے پیش کیا ہے جو کہتے ہیں کہ رفع الیدین کا عمل اسلام کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ

ہے۔ بعد میں آپ نے رفع الیدین کو منسوخ کر دیا تھا۔ آپ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اختلاف کا رفع الیدین نہ کرنا اپنی جگہ ہے لیکن یہ کتنا صحیح نہیں ہے کہ آپ نے رفع الیدین ترک یا منسوخ کر دی تھی کیونکہ عبد اللہ بن عمرؓ کی اس روایت کے بموجب رفع الیدین کا عمل آپ کی نماز میں تاحین حیات جاری رہا ہے۔

غلط فہمی نہ رہے

ہمارے قارئین کہیں اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوں کہ جب حضرت ذہلیؒ نے حضور کی نماز میں رفع الیدین کی موجودگی حدیث پاک کے ساتھ بڑے زور سے ثابت کی ہے تو حضرت ذہلیؒ خود بھی رفع الیدین پر عمل کرتے ہوں گے! لیکن ہم عرض کرتے ہیں کہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ آپ بھی دوسرے اختلاف کی طرح ہی اپنی نماز میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ اپنے لام کی تھلید تھی۔ کیونکہ ان کے امام حضرت ابو حنیفہؒ سے رفع الیدین ثابت نہیں اس لئے وہ اس سنت کے حامل نہیں تھے۔ لیکن وہ حدیث صحیح کے بموجب رسول اللہ ﷺ کی نماز کو رفع الیدین سے خالی نہیں سمجھتے تھے۔ اسی واسطے تو کہا گیا ہے کہ۔

تھلید کی روش سے تو بہتر ہے خود کشی
رشتہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

(۲) حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی

اس روایت کو بیہقی کی روایت کے بطور تحفظ دینے والے دوسرے صاحب علم گواہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی ہیں۔ جنہوں نے اپنے ہاں اس روایت کو تحفظ دیا ہے اور اسے صحیح سمجھ کر اپنے طویل اور طاقتور استدلال کی بنیاد بنایا ہے۔ یہ تیرہویں صدی ہجری کے

عظیم المرتبت حنفی بزرگ ہیں۔ حق بیان کرنے سے کوئی جھجک یا پلک کبھی روا نہیں رکھتے۔ حنفی فقہاء میں بڑی بلند حیثیت رکھتے ہیں اور حنفی علمی حلقوں میں ان کی بات سنی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی تک کسی مہم جو اور طالع آزمائش قسم کے حنفی اہل غرض نے احادیث میں تحریف کا کام ابھی شروع نہیں کیا تھا۔

مولانا لکھنوی کا کہنا ہے کہ ہم مقلدین اگرچہ رفع الیدین کو سنت موکدہ تو نہیں سمجھتے اور اپنے امام کے مقلد ہونے کی وجہ سے اس پر عمل پیرا بھی نہیں ہیں۔ لیکن ہمارے اصحاب کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز بھی رفع الیدین سے خالی ہوتی تھی یا رفع الیدین کی حدیث منسوخ ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عمرؓ کی صحیح حدیث سے واضح ہے کہ حضور کی نماز ان کی زندگی کی آخری نماز تک رفع الیدین سے مزین تھی۔ مولانا بیہقی کی روایت پر بحث کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

لاشبهة في ان ابن عمر قد روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حديث الرفع بل ورد في بعض الروايات عنه قال قال رسول الله اذا افتتح الصلوة رفع يديه و اذا ركع و اذا رفع فكان لا يفعل ذلك في السجود فما زالت تلك صلواته حتى لقي الله (العلين المجد جلد اول صفحہ ۹۱ حاشیہ)

کہ حضرت ابن عمرؓ سے یہ روایت آچکی ہے بلکہ ان سے تو اور بھی متعدد صحیح روایات وارد ہوئی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز جاری کرتے تو اول (بطور تکبیر تحریمہ) رفع الیدین کرتے۔ پھر جب رکوع کے لئے ٹھٹھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے۔ لیکن آپ رفع الیدین کا یہ عمل اپنے سجدوں میں نہیں کرتے تھے۔ آپ کی نماز ہمیشہ اسی طرح رہی یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔

پھر آپ نے اپنی بات یہاں تک پہنچ کر چھوڑ نہیں دی بلکہ آپ نے اپنے اصحاب کی ترویج میں پانچ زبردست دلیلیں پیش کیں ہیں اور ان احادیث کی قطعیت کی ہے جو پہلے حنفی بزرگوں نے نخیاترک رفع الیدین کے سلسلہ میں پیش کر رکھی ہیں۔ آپ اپنے ان اصحاب پر نہ صرف تنقید کرتے ہیں بلکہ سخت برہم بھی ہیں اور بڑے تعجب سے تحریر کرتے ہیں کہ :

ولا شک ایضاً فی انه ثبت عن ابن عمر روایات
الثقة فعل الرفع (حوالہ مذکور)

کہ ابن عمرؓ سے وارد ہونے والی ثقہ روایات کے بموجب اس بات میں شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ سکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز تا صحن حیات رفع الیدین سے مزین رہی ہے۔ (پھر تعجب ہے کہ ہمارے اصحاب اس کے خلاف کہہ رہے ہیں۔)

سبحان اللہ کیا عجیب ہے۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

الہدایہ کی گواہی

یاد رہے ہدایہ حنفی فقہ کی سب سے زیادہ معتبر کتاب مانی گئی ہے۔ اگرچہ علم و خبر کے اعتبار سے قاضی خان کے مصنف کو ہدایہ کے مصنف پر برتری حاصل ہے۔ لیکن احناف کے ہاں ہدایہ کو دوسری سب کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ الہدایہ حنفیوں کا قرآن ہے۔ خود ہدایہ کے مقدمہ میں بھی آیا ہے کہ الہدایہ کا القرآن کہ ہدایہ قرآن کا مرتبہ رکھتی ہے۔

اب تک ہم نے اپنے حنفی بھائیوں کے سامنے حنفی المسلک دو بڑے اصحاب علم و

خبر کی گواہیاں پیش کی ہیں۔ لیکن ذیل میں حنفی قرآن سے گواہی پیش کرتے ہیں کہ بیہقی کے نام سے مشہور حدیث جو آج بیہقی میں نہیں بیہقی کی حدیث ہی ہے۔ ہدایہ کے حوالے کے بعد کسی بھی سچے اور انصاف دوست حنفی کو نہ کوئی شبہ رہنا چاہئے نہ اعتراض۔ دیکھئے حضرت شارح کس اعتماد سے تحریر کرتے ہیں کہ :

حق یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے رفع الیدین نماز کے ہر جھکاؤ اور اٹھاؤ میں پھر صرف رکوع اور قومہ میں صحیح طور پر ثابت ہے لیکن یہ صریح نہیں ثابت ہوتا کہ آخر تک کیا آپ کا یہی طریقہ رہا ہے (ہاں البتہ) بیہقی کی روایت میں جو عبد اللہ بن عمرؓ سے وارد ہوئی ہے کہ آپ کی نماز میں رفع الیدین آخر تک رہی ہے۔ یہاں تک کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ملاقی ہوئے۔ (عین الہدایہ جلد اول صفحہ ۳۸۶)

یہ تو راہ چڑھی بات ہے

عزیز بھائیو! ہم نے حنفی بزرگوں اور حنفی قرآن کی گواہیاں تو آپ بھائیوں کی تسلی کے لئے پیش کی ہیں تاکہ آپ زیر بحث مسئلہ کو قریب سے سمجھنے کا موقع فراہم کر سکیں۔ ورنہ بیہقی کے حوالہ سے اس روایت سے استشہاد صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں بلکہ اس روایت کو تو اہل علم لوگ راہ گلی جانتے ہیں اور بڑی خوبی سے جانتے ہیں۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ راہ گلی اور بازاروں کے جھگڑالو مجمع بازوں کی مصطلحتیں اپنی ہیں ورنہ اب تو کسی کو خود بیہقی کی اس روایت سے علاقہ پیدا کرنے کے لئے تعلیمی کی ضرورت ہی نہیں رہ سکی ہے۔ آپ اس روایت کو درست الملیب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں جہاں یہ ایک چھوڑ دو سندوں سے منقول ہوئی ہے۔ حضرت علامہ ابن حجرؒ نے اس کو بیہقی کے حوالہ سے اپنی شہرہ آفاق کتاب تلخیص المحمر میں درج کیا ہے۔

امام تاج الدین السبکی کی الجزو میں یہ حدیث بیہقی کے حوالہ سے درج کی ہے۔

آپ اس روایت کو فتح الربانی شرح مسند امام احمدؒ میں درج چاہتے ہیں۔
حضرت علامہ شوکانی کی شہرہ آفاق تصنیف نیل الاوطار کے صفحات بیہقی کی اس
روایت سے بیہقی کے حوالے سے عی مزین ہیں۔

یہ سب کتابیں بازار میں آسانی دستیاب ہیں کوئی جب چاہے حاصل کر کے اپنی
تسل کرے اب بیہقی کے لئے جان کھانے کی کیا ضرورت ہے جو نقب زدہ ہے کہ اب یہاں
مگر مگر بیہقی موجود ہے۔۔

جو کھیا گیا اک نشین تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں لہ بھی ہیں
مئے دن کہ تما تھا میں انجمن میں
مرے اب یہاں راز داں نور بھی ہیں
ہو سکتا ہے کوئی اللہ کا بندہ اس بیہقی کو بھی صحیح حدیث کے بعد شائع کر دے اور وہ
بیہقی بھی دوبارہ حسن محفل بن سکے جس کے شکار کو حنفی بزرگوں کی نظر کھائی اور زبان چاٹ
گئی۔ کون جائے کہ پھر کب۔

مردے از غیب یروں آنند دکارے بعد
واضح ہو کہ حنفی بزرگوں کی نظر خیانت سے زخمی حدیث کی بعض دوسری کتابیں
پوری صحیح نور تسل کے بعد شائع ہو چکی ہیں۔ اللہ کرے کہ حیدری کی طرح بیہقی کی باری بھی
آجائے کہ۔

ہم نے انتخاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

فصل سوم

دو فریق جنگ

رسول اکرم اور فقہ حنفی

بڑے بھولے بھالے بڑے پارسا

ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

ہم نے جو حدیث رسول اور حنفی فقہ کو ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ایک دوسرے کے حریف اور ایک دوسرے کے خلاف فریق جنگ کہا تو اس میں تعجب والی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ صورت حال فی الواقع ہی یہی ہے۔

حدیث پاک اور حنفی فقہ میں تصادم اسی روز جاری ہو گیا تھا جس روز فقہ حنفی نے بطور ایک الگ مسلک فکر کے وجود پیدا اور کتاب و سنت کی جگہ خود کو کتاب و سنت قرار دیا۔ جبکہ کتاب و سنت ایک الگ حقیقت ہے اور حنفی فقہ اس سے الگ دوسری شے ہے اصل یہی ہے کہ ان دونوں کا باہمی تصادم کوئی غیر منطقی بات بھی نہیں ہے کیونکہ دونوں کے مفاد الگ الگ ہیں، دونوں کے مقاصد الگ الگ ہیں، دونوں کی سوچ کی راہیں الگ الگ ہیں۔ پھر یہ دونوں فریق آپس میں حلیف اور دوست بن کر کیونکر رہ سکتے ہیں۔ مفاد جب ٹکرائیں گے تو ظاہر ہے کہ تصادم ضرور ہو گا۔

آپ اگر دونوں کے تصادم کے اسباب پر بطور ایک خالص مسلمان شخص کے غور کریں گے تو حق آپ سے دامن نہیں بچائے گا۔ آپ اس کی جانب ایک قدم اٹھائیں گے تو وہ آپ کی جانب دس قدم اٹھائے گا۔ ان دونوں میں تصادم اور ان دونوں کے باہم گردنا ہموار ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ فقہ حنفی زمینی تخلیق ہے اور انسانی فکر کا حاصل ہے، انسان کی

مرضی کے تابع ہے اور انسان کی اپنی طے کردہ ضرورتوں کی کفیل ہے۔

فقہ کی حقیقت اس کے بجز کچھ نہیں ہے کہ دین کے جس مسئلہ کے بارے میں جس کسی بابا جی نے جو سوچا اس کے ماننے والے اور مداحین کے نزدیک وہ سوچ اس بابا جی کی فقہ ٹھہری جبکہ حدیث رسول کا منبع آسمان پر ہے۔ بات آسمان سے چلتی ہے اور زمین پر پہنچ کر محمد ﷺ کی زبان الہام ترجمان کے ذریعہ حدیث رسول کے نام سے امت کے سپرد ہوتی ہے۔ حدیث اور فقہ کے اسی فرق کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے ہی امت فساد باہمی کا شکار ہو رہی ہے ورنہ بات تو بڑی باضہ ہے۔ قرآن پاک کی واضح نص موجود ہے کہ وما یبسطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی کہ محمد ﷺ اپنی خواہش یا اپنی صوابدید سے مسائل دین بیان نہیں کرتے بلکہ ان کی بات اوپر کی تلقین اور وحی ربانی کے ذریعہ ہوتی ہے۔

ان کا بیان دراصل ان کا اپنا بیان نہیں ہو تا بلکہ بقول شاعر۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حدیث عبد اللہ بود

اس پوری روداد میں محمد ﷺ کا کردار بس اتنا ہی ہے کہ۔

اُنہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات اُنکی

اُنہی کی محفل سجا رہا ہوں چراغ میرا ہے رات اُنکی

اب آپ غور فرمائیے ایک چیز سب کچھ جاننے والے رب کے حکم سے آسمان سے

- اتری ہے اور ایک چیز اہل زمین نے اپنی سوچ سے اپنے لئے تجویز کی ہے۔ دونوں میں تطابق و توافق نام کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ جب سوچیں مختلف ہیں تو نتائج بھی مختلف ہوں گے۔ کیا وجہ ہے کہ فقہ جب کسی حدیث کو اپنی راہ میں رکاوٹ بننے دیکھتی ہے تو اس کے خلاف صف آراء ہو جاتی ہے۔

عزیزان گرامی قدر آپ تو بھلا تعالیٰ مسلمان ہیں۔ یہ بات کسی غیر مسلم کے ماننے میں بھی نہیں آسکتی کہ مسلمان لوگ جو اپنے نبی کے وضو سے اڑنے والے چیمینوں کو بطور تمہک اپنی چادروں میں لپٹے تھے ان کی لولاد میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو اپنے نبی کی بات کو ٹوکیں گے ان کی راہ رد کیں گے اپنے مفاد کے لئے ان سے لڑیں جھگڑیں گے اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان سے معاندین کی طرح باتیں کریں گے۔ فقہ حنفی کے مصنفین کے یہ طور طریقے صرف افسوسناک ہی نہیں مقام عبرت بھی ہیں کہ ان کی تعریف کردہ فقہ رسول اللہ ﷺ کو نماز سے طہارت تک اور کھانے پینے رہنے سنے اور حرام حلال کے مسائل کے بیان تک قدم قدم پر ٹوکتی ہے، ان کی راہ رد کرتی ہے، ان کے بیان پر گرفت کرتی ہے اور انہیں لقمے دیتی۔ کسی درجہ میں بھی خدا کے خوف کو روا نہیں رکھتی۔ بات ماننے کی نہیں تھی۔ مگر امر واقعہ یہی ہے کہ حنفی فقہ کا سلوک رسول اکرم ﷺ سے نہایت درجہ گستاخانہ بھی ہے اور راستی ہونے کے آداب کے خلاف بھی ہے۔

آئیے ہم یہاں آپ کے سامنے رسول علیہ السلام کے خلاف حنفی فقہ کے خروج اور ان سے جنگ آرائی کے چند بعثت اثر پہلوؤں کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔

ارشاد رسول پاک

۱۔ نماز ادا کرتے وقت پوری تسلی اور

اطمینان سے رکوع کرو پھر سَمِعَ اللّٰہُ

لِمَنْ حَمِدَہ کہتے ہوئے قوم کی صورت

میں (سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور پوری تسلی

اور اطمینان سے کھڑے رہو۔ پھر اطمینان

بمراہدہ بکرو کہ تم اپنے سجدہ سے مطمئن

حنفی فقہ کا حکم

۱۔ نہ رکوع میں ہی اطمینان فرض ہے نہ قوم میں

نہ سجدہ میں اور نہ بین السجدتین ہی کوئی اطمینان

شرط ہے (ہدایہ جلد اول کتاب الصلوٰۃ)

مطلب یہ ہوا کہ نماز کا وقت اگر آتی گیا ہے تو

جیسے کہ بھی یہ وقت گزرا لو، اطمینان اور تسلی

کے کلف میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ارشاد رسول پاکؐ

حنفی فقہ کا حکم

ہو جائے مگر جہدہ سے اٹھ کر دونوں سجدوں (ہدایہ حصہ اول باب صفۃ الصلوۃ) صفحہ ۷۱ ۳
کے درمیان پورے اطمینان سے سیدھے ۲۔ جب شراب سرکہ بنی گئی تو اب وہ حلال ہے۔
ہو کر جیشو (بخاری و مسلم) (یعنی اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے)
۴۔ رسول اللہ ﷺ نے شراب کے حرام (ہدایہ جلد چہارم کتاب الاشریہ)

ہونے کا اعلان کیا تو کسی نے سوال کیا کہ مزید ارشاد

کیا شراب کا سرکہ بنا کر استعمال کیا جاسکتا ۳۔ شراب جب تک نشہ پیدا نہ کرے پی جاسکتا
ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ (مسلم)
۳۔ شراب کی صرف وہی پیالی حرام ہے جس
۴۔ حرام چیز بالکل حرام ہے خواہ اس کی سے نشہ پیدا ہو۔ اگر وہ نشہ پیدا نہ کرے اور اس حد
مقدور کم ہو یا زیادہ۔ (بخاری۔ مسلم)
۵۔ ایک شراب کا بیٹا حلال ہے (ہدایہ جلد چہارم
۶۔ سوال کیا گیا بطور دوا کے شراب کو کتاب الاشریہ)

استعمال کر سکتے ہیں تو فرمایا ہرگز نہیں یہ ۳۔ جو کی شراب، کھجور کی شراب، گیسوں کی
پیار کی دوا نہیں بلکہ خود پیاری ہے تاہم شراب، شہد، انجیر، لور، جوار سے بنائی گئی شراب تو
حرام ہے بطور دوا بھی حلال نہیں ہے۔ ویسے بھی حلال ہے البتہ انگور کی شراب حرام ہے
(بخاری شریف)
لیکن اگر انگور کی شراب کو بھی اتنا پکا لیا جائے کہ

۵۔ فرمایا کسی شخص کو کوئی چیز بہہ کر کے انگور کا شیرہ دو تہائی جل کر ایک تہائی رہ جائے تو
یعنی بخش کر واپس لینے والا شخص اس کتے (دوا کے بطور) قوت حاصل کرنے کے لئے وہ
کی مانند ہے جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔

(بخاری شریف)
۵۔ بہہ کرنے والے کو اچھا چیز واپس لینے کا پورا
حق ہے۔ (ہدایہ کتاب البہ)

سُحُتَا

واضح رہے کہ سُحُتَا ایک نجس جانور ہے اور فی فہمہ پلید ہے۔ جو دھونے سے بھی پاک نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کو سُحُتَا سی سخت نفرت تھی اور مسلم شریف کی روایت کے مطابق آپؐ نے نکتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ کالے سُحُتَا کو تو بالخصوص شیطان کہا ہے۔

ارشاد گرامی ہے کہ جس گھر میں سُحُتَا ہو رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ روایت ہے کہ حضرت جبریلؑ نے ایک روز صبح حاضر ہونے کا وعدہ کیا لیکن وہ اپنے وعدہ کے مطابق نہ آئے۔ اگلے روز ملاقات پر حضورؐ نے وعدہ خلافی کا سبب پوچھا تو جبریلؑ نے کہا حضورؐ میں حاضر ہوا تھا لیکن واپس چلا گیا کیونکہ اس وقت آپؐ کے گھر میں کتے کا چھوٹا بچہ کسی طرح داخل ہو گیا تھا۔ اور جہاں کتا ہو وہاں ہم فرشتگان رحمت نہیں آتے۔

پتہ نہیں کہ حنفی فقہاء کو کتے سے اتنی محبت کیوں ہے کہ وہ اس کے لئے رسول خداؐ سے بھی لڑائی لڑنے نکل آئے ہیں۔ انہوں نے کتے کے نجس العین ہونے سے بھی انکار کیا ہے (ہدایہ جلد اول باب للآء) یعنی فقہاء کے نزدیک کتائی فہمہ پلید نہیں بلکہ اس کی پلیدی بھی ایسے ہی ہے جیسے کوئی حلال جانور بھی گندگی لگنے سے پلید ہو جائے اور دھونے سے پاک ہو جائے۔

حیرت ہے کہ حضرت سعدی شیرازی نے جو بات سمجھ لی وہ حنفی فقہ کے مصنفین کی سمجھ میں نہیں اتری۔ سعدی فرماتے ہیں۔

سگ بدریائے ہفت گانہ بشو

چونکہ ترشد پلید تر باشد

کہ تم خواہ کتے کو سات سمندروں میں دھو تے رہو وہ جوں جوں بھیکے گا پلید سے پلید

تر ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ نے عوام کی معیشتی تنگی کے سبب پیٹ کا ایندھن مہیا کرنے کے لئے حکم دے کر کتا رکھنے کی منعائش دے رکھی ہے، کھیتوں اور باغوں کی حفاظت کے لئے بھی یہ رعایت حاصل ہے اور اس میں بھی آپؐ نے چھوٹے چھوٹے باغ باغیچے والوں کو کتا رکھنے سے منع کر دیا تھا۔ لیکن دیکھئے اس نجس کتے کے لئے حنفی بزرگ کس طرح رسول اکرم ﷺ سے لڑائی پر نکل آئے ہیں۔

حنفی فقہ کا حکم

۶۔ اگر تم میں سے کسی کے برتن میں کتا ۵۔ صرف تین بار پانی سے دھونے سے ہی برتن منہ ڈال دے تو برتن کو پاک کرنے کے پاک ہو جاتا ہے۔ (ہدایہ جلد اول کتاب لے ایک بار مٹی سے خوب طرح سے الطہارت)

ما مجموعہ پھر چھ بار پانی سے اچھی طرح دھو یعنی حدیث کے بموجب سات بار دھونے اور ڈالو۔ (بخاری شریف)

۷۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ۶۔ کتے کی خرید و فروخت بالکل جائز ہے کتا خواہ نے کتے کی خرید و فروخت سے منع سدھلایا ہوا ہو یا سدھایا ہوا نہ ہو ابو حنیفہؒ کے فرمایا ہے۔ (بخاری - مسلم)

نزدیک دونوں ایک ہی حکم میں ہیں۔ (ہدایہ جلد ۳ باب مسائل منشورہ)

مزید چھٹی

حضرت انسؓ رلوی ہیں کہ ایک روز حضورؐ کتے کی کھال صاف کر کے اس کا کریم پہن کر نماز کی مجلس میں کتے کی خرید و فروخت کے ادا کرنا درست ہے۔ (ہدایہ جلد اول باب الماء)

ہمارے میں بات کی تو آپؐ نے جھڑک مزید فرمایا

دیا۔ (بخاری شریف)

کتے کی کھال کا ڈول (بو کا) بنا کر کتوں سے پانی

حنفی فقہ کا حکم

نکاحِ نادرست ہے۔ اور اس سے وضو بھی کیا جاسکتا ہے (ہدایہ جلد اول کتاب اللأء)

مزید ارشاد ہے

کتے کو ذبح کر کے اس کا گوشت فروخت کرنا جائز ہے (فتاویٰ عالمگیری جلد ۳ کتاب البیوع) ایک قدم اور آگے

ذبح کرنے سے کتے کا گوشت پاک ہو جاتا ہے۔ (ہدایہ جلد اول باب اللأء الذی لا یجوز)

فرمائیے لڑائی میں کوئی کسریاتی رہ گئی ہے؟

فصل چہارم

بات چل نکلی ہے اب دیکھیں کہاں مک پہنچے

یاد رہے حنفی بزرگوں کی یہ تخریب کاری اور لحادیث رسول میں تحریف و ترمیم ایک یہی تک ہی محدود نہیں رہ سکی۔ کیونکہ نفس کی ضرورتیں تو ہر روز بڑھتی رہتی ہیں۔ پھر جوں جوں حنفی بزرگوں کو ضرورت پڑی انہوں نے اپنی چھری تیزی رکھی ہے۔ گناہ کی دلدلی میں اترتے ایک جھک ہی حائل ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص اس دلدلی میں بشرح صدر اور رغبت سے ایک قدم اٹھا لیتا ہے تو پھر اس کے لئے اگلی راہ بہت آسان ہو جاتی ہے۔ ٹھیک ایسے ہی جب حنفی بزرگ گناہ کی دلدلی میں ایک بار اترے تو پھر بڑھتے ہی چلے گئے اور اپنی ہر ضرورت بے دھڑک پوری کی ہے۔

پھر خواہ مستدرک الحاکم ہو یا ابو عوانہ، تباہی ہو یا ابن ابی شیبہ، ابوداؤد ہو یا مسند حمیدی۔ انہوں نے حسب ضرورت سب کو ہی ڈسا ہے لیکن ہم یہاں بطور نمونہ شتے از خروارے صرف مسند حمیدی تک ہی اپنی بات محدود رکھیں گے۔ سورنہ یہاں صورت حال کچھ ایسی ہی ہے کہ۔

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنہ مضرب ہے ساز
نغے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے

مسند حمیدی

حضرت امام حمیدیؒ حضرت امام بخاری جیسے امیر المحدثین بزرگ کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ امت کے اندر بڑی شہرت کے مالک ہیں، عظیم محدث ہیں، ابن کثیر کا جمع کردہ ذخیرہ حدیث مسند حمیدی کے نام سے اب دستیاب ہے۔ اگرچہ اس سے قبل وہ کیاب ہی نہیں بلکہ تقریباً غایب تھا احادیث کی اسناد کے باب میں یہ مجموعہ بخاری اور مسلم کے لئے ایک طاقتور معاون اور رہنما کی حیثیت رکھتا ہے اور احادیث رسول کی جمع و ترتیب میں یہ مجموعہ ایک قیمتی دستاویز کے بطور جانا پہچانا جاتا ہے۔ اس مجموعہ احادیث میں حنفی فنکاروں نے ہاتھ کی صفائی کے جو کرتب دکھائے ہیں اور جس بیدردی سے اپنے ایمان کی جانب پیچھے دے کر اس کو ایک قصاب کی حیثیت سے اپنا معمول بنایا ہے۔ اس پر صرف انہی کا ضمیر ندامت اور خفت محسوس نہیں کرتا ہو گا بلکہ حق یہ ہے کہ ان کی فنکاری کے انکشاف سے ہر شریف اور سچ حنفی کا سر بھی شرم سے جھک جاتا ہے۔ رفع الیدین کے باب میں حضرت ابن عمرؓ سے وارد ہونے والی مشہور حدیث صحاح ستہ اور دوسری بہت سی کتب حدیث کے طریقہ پر حضرت حمیدیؒ نے بھی اپنے ہاں نقل کی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو (بطور تکبیر تحریر) اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک بلند کرتے۔ پھر جب رکوع کا

ادارہ کرتے تو پھر پہلے کی طرح ہی اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک بلند کرتے۔ ایسے ہی جب رکوع سے سر اٹھاتے تو پھر اس عمل کو دہراتے۔

تاہم آپ یہ رفع الیدین کا عمل سجدوں کے اندر نہیں کرتے تھے۔ یہ کتاب جیسا کہ ہم عرض کر آئے ہیں تقریباً نایاب ہی تھی لیکن احناف اہل علم اس کتاب میں وارد ایک حدیث کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی رفع الیدین سے کھلے عام انکار کرتے تھے جبکہ حنفی بزرگوں کے جواب میں اہل حدیث کے رہوار قلم کے لئے زمین قرطاس کی جتنی دل مر قلمی کا موجب تھی۔ کیونکہ مسند حمیدی کو تو اہل حدیث اہل علم احادیث صحیحہ کا ایک مجموعہ مانتے تھے۔ لیکن بد قسمتی سے احناف کے جواب میں اس کی عدم دستیابی راستہ رو کے تھی۔

یہاں تک کہ جو جرنوالہ کے ایک بڑے عزم اور جواں ہمت بوڑھے اہل حدیث عالم اور عظیم محقق حضرت مولانا خالد گرجا کی کے عزم جواں نے سخت تلاش و تجسس سے اصل مسند حمیدی تک رسائی حاصل کر لی اور متعلقہ صفحہ کی فوٹو سنیت کا پیاں ملک بحر میں مسلکی اخبارات اور اپنے ماہنامہ کے ذریعہ جگہ جگہ پھیلادیں۔ جس کے ساتھ ہی حنفی اصحاب اوعا کے لب ڈھیلے پڑ گئے اور قلم خشک ہو گئے۔

مولانا گرجا کی نے اپنی اس دریافت کی صحت کو چیلنج کرنے والوں کے لئے ایک انعامی رقم کا اعلان بھی کیا تھا۔ ان کی یہ لاکھ برسوں ملک کے ایوان ہائے علم میں گونجتی رہی لیکن کسی حنفی صاحب علم نے مولانا کو جھٹلانے کی جرأت نہ کی۔

اور اب تو اللہ کے فضل سے حمیدی کا اصل نسخہ پوری تصحیح و تصدیق کے ساتھ کراچی کے ایک مشہور اشاعتی ادارہ نے شائع کر دیا ہے جو احناف مجمع بازوں کے لئے ایک مستقل ندامت کا ذخیرہ بن رہا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یعنی ظالم محرف نے کلمہ فلا یرفع اپنے پاس سے داخل کر کے مثبت کو منفی یعنی ہاتھ اٹھاتے تھے کو ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے سے بدل کر اپنی عاقبت اور اپنے پیروکاروں کے ایمان کو برباد کر دیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

ہے کوئی انصاف پسند اور انصاف دوست خفی بھائی جو اس ظلم کے خلاف احتجاج کرے اور حدیث رسولؐ میں جھوٹ ملا کر اپنے غلط مذہب کو صحیح ثابت کرنے والے خائن اور فریب کار کے خلاف اظہار نفرت کرے اور ایسوں کو ترک کر کے اپنی راہ سیدھی کرے۔
یہاں ہم ان دونوں نسخوں کی اصل عبارت بذریعہ فوٹو سٹیٹ پیش کرتے ہیں۔
قارئین خود ملاحظہ کریں اور اپنے رب کا خوف دل میں رکھ کر انصاف کریں۔

نسخہ ظاہریہ کے مخطوطہ کافوٹو

حاصل کردہ حضرت مولانا خالد محمد جاکھی صاحب

نسخہ الحرف سبک الزمری سالم محمد احمد اسحاق رائے
صاحب علی اودھو علی الصلاہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب مدرسہ زاہد ادرارہ
صاحب مدرسہ اسلامیہ دارالافتاء دارالحدیث

(اسلام کی امانت صفحہ ۳۱)

حفظی نامشروع مولانا اعظمی صاحب زیر انتظام مسند حمیدی کے

مطبوعہ نسخہ کافوٹو

جس کی سند اور متن دونوں غلط ہیں

۶۱۴- حدثنا الحمیدی قال: ثنا الزهری قال: أخبرني سالم بن عبد الله
عن أبيه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أفتح الصلاة رفع
يديه حذو منكبيه، وإذا أراد أن يركع وبعد ما يرفع يديه من الركوع
يلا يرفع يولايين الوجدتين.

اسلام کی امانت صفحہ ۳۱

فصل پنجم

ہدایہ شریف

زہاں پر بار خدایا یہ کس کا نام آیا

کہ میرے نطق نے بوسے میری زہاں کے لئے

ہدایہ فقہ حنفی کی سب سے زیادہ معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ چھٹی صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ مصنف کا نام علی بن ابی بکر ہے۔ برہان الدین لقب ہے اور مرعیشاں کی رہنے والے ہیں۔ اور اگرچہ اس تصنیف سے قبل حنفی فقہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا تھا۔ بالخصوص قدوری جو ہدایہ سے ایک سو برس قبل لکھی گئی اور بعد میں لکھی جانے والی کتابوں کا تو شرعی مشکل ہے۔ ان کتابوں میں تقریباً بیڑہ درجن کتابیں بڑی ضخیم اور حنفی کتب فکر میں اہمیت کی حامل سمجھی گئی ہیں۔ جیسے فتاویٰ کاظمی خان، فتاویٰ شرح وقایہ کنز، فتاویٰ بزاز، فتح القدیر، بحر الرائق در مختار اور فتاویٰ عالمگیری۔ لیکن احناف کے نزدیک ہدایہ کا مرتبہ ان اعلیٰ کچھلی ساری کتب فقہ کے مقابلے میں زیادہ وقیع ہے۔

مقام ہدایہ

ہدایہ کے مقام اور مرتبہ کا اندازہ کرنے کے لئے خود ہدایہ کے مقدمہ میں درج یہ شعر کفایت کرتا ہے۔

الہدایہ کا لقرآن قد نخت
ماصفوا قبلہا من کتب

کہ ہدایہ بالکل قرآن کی مانند ہے۔ اس کی تصنیف سے وہ ساری کتابیں منسوخ ہو گئیں جو دین کے مسائل پر اس سے پہلے لکھی جا چکی تھیں۔

یعنی جس طرح قرآن پاک کے نزول سے پہلی تمام آسمانی اور الہامی کتابیں تورات، زبور، انجیل اور صحیفہ انبیاء منسوخ ہو چکے ہیں ٹھیک ایسے ہی ہدایہ کی تصنیف سے قبل دین کے بارے میں جو کچھ بھی قلم و قرطاس کی زینت تھا سب منسوخ ہوا۔

ظاہر ہے کہ ہدایہ جب قرآن کا حکم ہی رکھتی ہے تو اس کو قرآن کی طرح ہی ذَالِكُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ہونا چاہیے اور جس طرح قرآن پاک کے اندر کوئی شک و تردید والی بات موجود نہیں ہے۔ ہدایہ کا دامن بھی ایسے ہی ہر قسم کے شک و تردید، جھوٹ اور جھلسازی سے پاک ہونا چاہیے۔

لیکن افسوس ہے کہ ہدایہ اس معیار پر پوری نہیں اُترتی۔

اس کتاب میں نہ صرف مقلوع مرسل ضعیف اور موضوع روایات کی بھرمار ہے بلکہ ہدایہ کے مصنف نے رسول علیہ السلام کے نام لگائی مرنے والی مطلق خود حدیثیں گھڑ کر بھی اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔ وہ اپنی ضرورت سے عربی الفاظ کی جمع و ترتیب خود کرتا ہے اور پھر اسے حدیث رسول کہہ کر حوالہ قلم کر دیتا ہے۔

ہدایہ کا مصنف رسول حق پر جھوٹ لگانے میں اتنا زیادہ دلیر ہے کہ آپ اس کی دلیری کی مثال فقہ کی کسی دوسری کتاب میں نہیں پائیں گے۔ بات یہی ہوتی ہے اس لئے ہم کسی تفصیل میں پڑے بغیر مصنف ہدایہ کی صرف تین ہی خود ساختہ اور جعلی حدیثیں پیش کر کے غور و فکر کا فریضہ اپنے خفی بھائیوں کے سپرد کر دیں گے کہ کلام عاقل کو بس ایک حرف ہے تحقیق کا کافی

ایک مفروضہ جعلی حدیث

ہدایہ کے مصنف کہتے ہیں: والذی یزوی من الرفع محمول علی الابداء کذا نقل عن ابن زبیر رضی اللہ عنہا۔ کہ رفع الیدین کے باب میں

جو روایات وارد ہوئی ہیں وہ اسلام کے ابتدائی زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر سے منقول ہے (عین الہدایہ جلد اول صفحہ ۳۸۳)

عبد اللہ بن زبیر سے یہ ارشاد کس نے نقل کیا اور ان کا یہ ارشاد کہاں سے نقل ہوا ہے۔ یہ بات نہ مصنف نے بتائی ہے نہ کوئی شارح ہی بتا سکا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے اپنے موقف کو قوی کرنے کے لئے عبد اللہ بن زبیرؓ کو ذریعہ بنایا ہے جبکہ عبد اللہ بن زبیرؓ اثبات رفع الیدین کے قائل تھے۔ خود شرح ہدایہ میں ہے کہ :

ابن جوزیؒ نے تحقیق میں طعن کیا ہے کہ حنفیہ ابن زبیرؓ اور ابن عباسؓ سے رفع الیدین کا نسخ (منسوخ ہونا) ثابت کرتے ہیں حالانکہ ان دونوں سے رفع الیدین کے (اثبات میں) مضبوط روایت موجود ہے۔ جیسا کہ ابو داؤد میں میمون کی سے وارد ہوا ہے۔

یہ دونوں رفع الیدین کے قائل تھے پھر ان سے نسخ کے روایت منسوب کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ (عین الہدایہ شرح ہدایہ شائع کردہ قانونی کتب خانہ لاہور جلد اول صفحہ ۳۸۶)

اصل یہی ہے کہ ہدایہ کے مصنف نے ابن زبیرؓ کے نام سے ایک جعلی روایت ترتیب دے لی ہے جس کا حدیث کے ذخیرہ میں کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔

دوسری خود ساختہ جعلی حدیث

ہدایہ کے مصنف تحریر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی کہ جس نے کسی پر ہیزگار اور متقی عالم کی اقتدا میں نماز ادا کی اس نے گویا نبی ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ (ہدایہ جلد اول باب الامامت صفحہ ۱۳۲، عین الہدایہ شرح ہدایہ شائع کردہ قانونی کتب خانہ کچھری بازار لاہور جلد اول صفحہ ۴۴۴)

اب ہم کسی سے کیونکر کہیں کہ حدیث کے نام سے یہ فریب کاری مصنف ہدایہ کے اپنے ذہن کے پیداوار ہے اور ہم یہ کہنے کی ضرورت بھی کیوں سمجھیں جب خود احناف کے ہاں بھی حدیث کے نام سے یہ جعلی عبارت جھوٹ اور خلاف واقعہ ہے۔

شارح ہدایہ لکھتے ہیں یہ حدیث ذخیرہ حدیث میں کسی نے نہیں پائی۔ حنفی بزرگ ابن ہمام کہتے ہیں کہ اس حدیث کے بارے میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کو ہی علم ہوگا۔ (فتح القدیر جلد صفحہ ۲۴۶) حنفی بزرگ حضرت ملا علی قاری نے اس کو موضوع یعنی بالکل جھوٹی روایت کہا ہے (عین الہدایہ جلد صفحہ ۳۴۳) خود ہدایہ کے شارح نے بہ ندامت اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس روایت کو حدیث نہیں کہنا چاہئے۔ (عین الہدایہ جلد ۱ صفحہ ۳۴۳)

تیسری خود ساختہ اور جعلی حدیث

مصنف ہدایہ تحریر کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

من ترك الاربع قبل الظهر لم تناله شفاعتي (ہدایہ صفحہ ۱۵۳)

عین الہدایہ جلد اول صفحہ ۵۷۲ باب اور اک الفریضہ)

کہ جس شخص نے ظہر کی نماز سے پہلی چار سنتیں چھوڑ دیں۔ قیامت کے روز اُسے میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔

اور ہم کہتے ہیں کہ حدیث رسول کے نام سے مصنف ہدایہ کا یہ عظیم فریب ہے جو اُسے دوسروں کو دیا اور یہ صورت بالکل قرآن کی اس آئیہ کریمہ کے مطابق ہے جہاں فرمایا:

يُخَذِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا کہ یہ لوگ خدا اور اس کے بندوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

اور حق یہ ہے کہ یہ جملہ رسول کریم کی ذات پر بہتان ہے جھوٹ ہے اور مصنف ہدایہ کا خود ساختہ ہے۔ ذخیرہ حدیث میں اس کا کہیں نشان نہیں پایا جاتا۔

گھر کی گواہی

ہدایہ کا مترجم اور شارح لکھتا ہے کہ یہ روایت بے اصل ہے اور ذخیرہ حدیث میں اس کا کس وجود نہیں ملتا۔ (عین الہدایہ جلد اول صفحہ ۵۷۲)

جھوٹوں کی توخیر اس دنیا میں کوئی کی نہیں، یہاں ایک سے ایک بڑھ کر جھوٹا دھوکہ باز اور فریب کار مل سکتا ہے۔ لیکن جس کتاب کو قرآن کی مثل قرار دیا جائے اس میں جھوٹ کی موجودگی قیاس و صغریٰ سے کم نہیں۔ یقیناً یہ امر حقیقی بھائیوں کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہی ہے۔ کہ وہ اپنے مستقبل کی فکر کریں۔ انہوں نے پوری دیانت داری سے اپنے مستقبل کو جس کتاب کے سپرد کر رکھا ہے وہ انہیں آخری خسارہ کے سوا کچھ میا نہیں کر رہی۔ اس کی راہ دوسری ہے اور جنت کی راہ الگ ہے۔ حیرت ہے کہ حدیث پاک کو ترک کر کے اُسے اختیار کیا جائے جو سرِ اسرِ گمراہی ہے۔ یہاں سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ۔

مژدہ بادے مرگہ محلی آپ ہی بتا رہے

اور حقیقی بھائیوں سے دریافت کیا جائے کہ عزیزِ دوا۔

آن را کہ خود گم ست کرار ہبری کند

ایک الگ فصل

چار فقہی امام اور اہل حدیث

مقلد بھائیوں کی خصوصی توجہ کے لئے

آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں اہل سنت مسلمانوں کے چار فقہی امامان گرامی قدر حضرت امام ابو حنیفہؒ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں اہل حدیث کا عقیدہ

بالکل واضح ہے لیکن افسوس ہے کہ حنفی حلقوں میں اکثر ہی بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ بعض تشدد حنفی حلقوں نے اپنے مفاد سے مسلمانوں کو اہلحدیث سے دور رکھنے کے لئے یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ اہلحدیث ان فقہی آئمہ کا احترام نہیں کرتے ان سے عناد روا رکھتے ہیں اور ان سے نفرت کرتے ہیں۔ جبکہ یہ بات کسی درجہ میں بھی صحیح نہیں ہے۔

اہل حدیث ان چاروں آئمہ فقہ سے نہ صرف محبت رکھتے ہیں بلکہ حسب ضرورت ان کے علم و خبر سے استفادہ بھی کرتے ہیں ان کی پرہیزگاری ان کے اتقا کے معترف ہیں اور ان کو خدام دین حق سمجھتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا نام سن کر بھی رحمتہ اللہ علیہ کرنا اپنے لئے واجب جانتے ہیں۔ لیکن بات اتنی ہے کہ وہ ان کے علم و اتقا کے باوجود انہیں کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں معیار حق نہیں سمجھتے کہ حق کا معیار کتاب و سنت ہی ہیں امت کا کوئی فرد معیار حق نہیں ہے۔

اہل حدیث کا چاروں اماموں کے باہمی اختلاف اور ان کے پیروکاروں اور مقلدین کے باہمی جھگڑوں سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے لوزہ اس میں ہر گز فریق نہیں بنتے اہل حدیث ان میں سے کسی ایک کی تقلید یا اس کی ذات سے وابستہ ہو کر رہ جانے کی بجائے ان میں سے جس کسی کی بات بھی قرآن پاک اور حدیث رسول کے ترانہ میں پوری آہرتی ہے اس پر قرآن اور حدیث کی طرح ہی ایمان رکھتے ہیں۔ ان کی نیکیوں اور نیک مساعی پر اللہ تعالیٰ سے ان کے درجات کی بلندی کے لئے دعاگو ہیں اور ان کی بشری کوتاہیوں پر اپنے رؤف درجیم رب ہرے غلو کے طالب ہے۔

• فرقوں کا فساد باہمی

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کے مطابق مسلمانوں کے اندر فقہی مذاہب اور محضی تقلید کی بنیاد جو تھی پانچویں صدی ہجری کی بات ہے اس سے قبل کوئی

مسلمان کسی خاص بزرگ سے وابستہ ہو کر نہیں رہتا تھا بلکہ ہر کوئی اپنی ضرورت سے جس عالم کو پاتا اسی سے مسئلہ دریافت کر لیتا تھا۔ پھر جب لوگ اپنے اپنے خاص امام کے لئے تشدد کرنے لگے اور اس بات کا عقیدہ رکھنے لگے کہ حق صرف وہی ہے جو ان کے امام نے کہا ہے اور اس دلیل سے وہ دوسرے ہر کسی کو مسترد کر دینے لگے تو یہی مرحلہ ہے جب مسلمانوں میں فرقہ بندی کی بنیاد پڑی اور وہ اپنے اپنے امام کے لئے دوسروں سے متحکم گھٹا ہونے لگے لڑنے جھگڑنے لگے یہاں تک کہ بات ایک دوسرے کی تکفیر تک پہنچ گئی مولانا روم نے انہی حالات کی عکاسی کی ہے جب فرمایا۔

دین حق را جہان مذہب ساختند رخسہ در دامن نبی انداختند

جبکہ اہلحدیث کو مقلدین کے ان جھگڑوں سے کبھی تعلق نہیں رہا وہ پہلے روز سے ہی کتاب و سنت کے گرد جمع تھے اور آج بھی ان کا یہی مقام ہے۔

اہل حدیث سے عناد کی وجہ

ہم یہ بات عرض کر چکے ہیں کہ اہل حدیث چار آئمہ کے پورے احترام کے باوجود معیار حق صرف کتاب و سنت کو ہی سمجھتے ہیں اور ضرورت کے وقت امت کے کسی بزرگ کی جانب رجوع کرنے کے بجائے کتاب و سنت کی جانب ہی رجوع کرتے ہیں انہی کو معیار حق سمجھتے ہیں اور انہی کو حجت مانتے ہیں جبکہ مقلد بھائی قرآن و حدیث پر اپنے امام کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

یہی بنیادی امر ہے جو مقلد بھائیوں کے ہاں اہل حدیث سے عناد و راکھنے کا موجب بناتا ہے ورنہ اہل حدیث کا اور کوئی گناہ نہیں ہے اور بات وہی ہے کہ۔

اس مسئلہ پر مجھے یاد آ رہا کہ گنہگار نہ تھا

اہل حدیث کا موقف

اہل حدیث کے موقف کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث پاک ہے جہاں ارشاد

ہوا

تُرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللَّهِ
وَسُنَّتُ رَسُولِهِ - کہ میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جیسا کہ تم ان دونوں
سے چٹے رہو گے ہرگز کبھی گمراہ نہیں ہو سکو گے یہ دو چیزیں ایک اللہ کی کتاب ہے اور
دوسری اس کے رسول کا طریقہ ہے۔

پس الامجدیٹھ نے اسی فرمان رسول کے مطابق اور انہی خطوط پر اپنی زندگی استوار
کر رکھی ہے اس کے علاوہ ان کی کوئی سوچ نہیں ہے یعنی وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے کہ -
اصل دین آمد کلام اللہ معظم دو مشن --- پس حدیث مصطلحہ پر جاں مسلم دو مشن
معلوم نہیں وہ اتنی سے بات پر احناف کے عناد کا ہدف کیوں بن گئے۔

ایک حقیقت پختہ

اہل حدیث کی اس دلیل کا کسی کے پاس کیا جواب ہے کہ لہذا ان فقہ رحمہم اللہ
اجمعین اپنے تمام تر تقویٰ تمام تر تورع اور تمام تر علم و خبر کے باوجود انسان ہیں اور انسان خطا
کار ہے پھر کیا ان بزرگوں سے خطا کا امکان نہیں ہے؟ بلاشبہ اللہ کا نبی بھی انسان ہوتا ہے اور
اس سے بھی خطا کا صدور ممکن ہے لیکن نبی سے وقوع پانے والی خطا کی آسمان سے اصلاح کر
دی جاتی ہے کیونکہ وحی کا سلسلہ جاری ہوتا ہے اور اب جبکہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد
آسمان سے وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اب اگر کوئی عالم یا امام خطا کرے گا تو وہ ہمیشہ خطا ہی
رہے گی کیونکہ آسمان سے اس کی اصلاح کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ پھر جو شخص ایک غیر

نبی اور خطا کار انسان کی بلا شرط پیری کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ بھی ہمیشہ خطا پر ہی رہے گا۔ اصلیت اس کی نگاہ سے اوچھل ہی رہے گی۔ اس لئے الحمد للہ اگر امت کے کسی بزرگ کو اپنی منزل نہیں سمجھتے یا اسے معیار حق قرار نہیں دیتے بلکہ کتاب و سنت کو ہی اپنی منزل اور اپنا مرجع سمجھتے ہیں تو اس میں غلطی کہاں واقع ہوئی ہے۔

تصویر کا ایک اور رخ

محمد ﷺ بحر العلوم ہیں جن کا سینہ انوار قدسیہ اور علوم الہیہ کا خزانہ ہے اور علوم و اخبار اپنے تمام ظاہری اور باطنی محاسن کے ساتھ جن کے حضور دم بخود اور دست بستہ ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ چاروں فقہی امام اسی مرکز انوار سے ہی مستفاد ہیں اور ویسے بھی۔

بابا کے ہاں سے کون لایا۔۔۔۔۔ جس نے پایا یہیں سے پایا

اگر ہم ان آئمہ کو دریائے علم قرار دیں تو امر واقعہ یہی ہے کہ دریائے ابو حنیفہؒ دریائے مالکؒ، دریائے شافعیؒ اور دریائے احمد بن حنبلؒ کا منبع بھی بحر محمدی ہی ہے۔ لیکن اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ طرح طرح کی گندی زمینوں پر سینکڑوں ہزاروں میل تک بننے والے دریاؤں میں بہت کچھ باہر سے شامل ہو جاتا ہے گرد و غبار ان کے رنگ کو موثر ہوتے ہیں پانی گدلا ہو جاتا ہے ان میں غلاظت بھی مل جاتی ہے لوگ گندے کپڑے دھوتے ہیں پلید جسم لے کر نہاتے ہیں طہارتیں کرتے ہیں چار پائے ان میں پیشاب پاخانہ کرتے ہیں انسان اور حیوان ان میں ڈوب جاتے ہیں جن کی لاشیں ان کے پانیوں میں گھلتی ہیں اور پتہ نہیں کیا کیا کچھ مزید بھی ان میں مل جاتا ہے جبکہ سمندر خواہ وہ محیط عالم ہی ہو اپنے تمام تر طوفانوں اور مد و جزر کے باوجود اپنی جگہ قائم ہے۔ اور اس کی صفائی اور پاکیزگی میں کوئی خارجی عنصر موثر نہیں ہوتا۔

یہ ٹھیک ہے کہ پانی کے وفور اور بہتات کی وجہ سے دریا ان تمام غلاظتوں سے طوٹ

ہونے کے باوجود پاک نہیں ہوتا لیکن اس کی صفائی اور شفافیت بہر حال خارجی عناصر سے متاثر ہوتی ہے اور وہ سمندر کی طرح صاف و شفاف نہیں رہتا ایسے میں اگر کوئی دریاؤں کے گدلے پانی سے بچ کر بلا واسطہ محمدی سمندر تک ہی جانا چاہتا ہے اور اپنی ضرورت وہیں سے پوری کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ایک محبوب امر ہے کوئی اس کو معیوب کیوں جانے بات اگر آپ کی سمجھ میں آسکے اور آپ بات میں وزن بھی پائیں تو پھر کیوں نہ آپ بھی الحمد للہ کے ہم سفر بن کر کتاب و سنت کے اسی چشمہ صافی پر پہنچ جائیں جہاں کا پانی صاف بھی ہے شفاف بھی ہے اور ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک بھی ہے اللہ تعالیٰ آپ کی سوچ کو سیدھی ست رکھیں آپ کی رہنمائی فرمائیں اور آپ کے حامی و ناصر ہوں آمین۔

مخلص

عبدالرحمن خلیق مصنف کتاب ہذا

تمتہ

ایک شکایت کے جواب میں

ایک نیک دل مقلد بھائی کا کہنا ہے کہ آپ کی کتاب ۱۲ مسائل اس نوع کی کتابوں میں ایک کامیاب ترین کتاب ہے۔ انداز نگارش کی سنجیدگی اور دلائل کی مقبولیت ضرور موثر ہے اور اس کو مطالعہ کرنے والا کوئی مخالف بھی اس کو پڑھ کر رنجیدہ ہونے کے بجائے سوچ میں پڑ جاتا ہے۔

لیکن لفظ مقلد کی بحث میں آپ کا قلم آپ کے معمول کی سنجیدگی سے ہموار نہیں رہ سکا اور مقلد کے معنی بیان کرنے میں کچھ تشدد کا عمل دخل پانگیا ہے اور میں بحث کا مطالعہ کرنے والا کوئی بھی مقلد شخص اُسے مطالعہ کرتے وقت یوں محسوس کرتا ہے جیسے اس کی توہین کی جا رہی ہو۔

ایک ایک لفظ کے کئی معنوی ہوتے ہیں پھر کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ بھی لفظ مقلد کے معنی مویشی اور حیوان کے بجائے کوئی دوسرے آبرو مند نامہ معنی تلاش کر لیتے جو پڑھنے والے کو اپیل کر سکتے لیکن آپ نے اس بحث میں ازلول تا آخر ایک ہی لفظ نظر کراپنا معمول بنائے رکھا ہے اور اصرار کیا ہے کہ مقلد ڈھور ڈنگر کو ہی کہتے ہیں۔

جواہر گذارش ہے کہ ہم کسی مسلمان کی توہین کے خیال سے بھی اپنے رب سے ہزار بار غصہ کے طالب ہیں اور یہ بات ممکن بھی کیونکر ہے جب ہم آپ تک محبت کا پیغام لے کر پہنچے ہیں تو آپ کی توہین کا تصور بھی کرتے۔

مشکل یہ ہے کہ الفاظ کے مطبی الفاظ کے ہی تابع ہوتے ہیں ہماری اپنی خواہش یا پسند کے تابع نہیں ہوتے ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ واللہ باللہ ہم نے اس پوری بحث میں اپنی طرف سے ایک لفظ کا بھی اضافہ نہیں کیا کوئی تہاوزر و انہیں رکھا اور اس میں کسی مداخلت نے راہ نہیں پائی ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ عربی لغت سے حرف بحرف نقل کیا ہے۔

مقلد ایک عربی لغت ہے اور عربی لغت کے پورے ذخیرے میں اس لفظ کے مطبی سوائے مویشی حیوان اور ڈھور ڈنگر کے دوسرے کوئی موجود بھی نہیں ہیں اگر کوئی حنفی صاحب علم بزرگ عربی لغت سے مقلد کے معنی سوائے مویشی کے کوئی دوسرے دریافت کر سکیں تو ہم ان کے مشکور ہوں گے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ اس بحث میں پڑتے ہم خود بھی پریشان تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ ہمارے مقلد بھائیوں کو ہمارے ذریعہ کسی بالواسطہ رخ سے بھی اذیت پہنچے لیکن صرف آپ کے احساس عزت نفس کو تحریک کرنے کے لئے ہی یہ مجبوری قبول کرنا پڑی اور اس امید پر اس جلدت کی جرأت کی کہ شاید کسی کی غیرت کو تحریک ہو اس کا ضمیر بیدار ہو جائے اور وہ مویشی بنارہنے سے انکار کر دے لیکن یہاں یہ ایک بات آپ سے پوچھنے والی بھی ہے کہ آپ جو اس لفظ کے ہلکے پھلکے معنی تلاش کرنے کے لئے فکر مند ہیں تو آپ کو اس لفظ سے اتنا

پیدا کیوں ہے جو آپ کو انسانی برادری کی صفوں سے اٹھا کر بھیڑ بکریوں اور گائے بھینسوں کے ریوڑ میں لاکھڑا کرے واضح رہے کہ اس لفظ کے معنی تو تبدیل نہیں ہوں گے کہ اس کے در حقیقت ہی یہی معنی ہیں آپ کا بخت اگر ساتھ دے تو خود آپ کو ہی اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنا ہوگی کہ آبرو مندی کا راستہ یہی ہے اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی فرمادیں بھائی!۔

من آنچہ شرط بلاغ سنت یا تومی کوئم

عثمانؓ اور معاویہ کے بعد

سبائی نثر اور وہی مورخین کی نشر قلم کا تیسرا بڑا انجیر

عمرو بن العاصؓ

جس کی تاریخی عظمت گرد ہی شاطروں، نسلی مفاد پرستوں اور سیاسی طالع آتماؤں کی سفلی اغراض کی نذر ہو گئی۔

مولانا حکیم عبدالرحمن خلیقؒ

کے قائم حقیقت، رقم سے ایک اور دستاویزی کتاب
مصنف نے اس کتاب میں عمروؓ کے گرد بسنے دایم مکہ و تنزیہ کا
ایک ایک تار توڑ پھوڑ ڈالا ہے

عنقریب شریک بزم ہو رہی ہے اللہ اللہ

ناظم دارالکتب اجمانیہ بدولہی ضلع نارووال

شما کمل مصطفیٰ ﷺ یعنی

رسول اللہ ﷺ کے صوری و معنوی ظاہری اور باطنی محاسن پر مشتمل ایک مقدس دستاویز جیسے اختصار اور سند کی صحت کی پیش نظر صرف صحیح مسلم شریف کی روایات کی روشنی میں ہی ترتیب دیا گیا ہے۔

از قلم

حکیم عبدالرحمن خلیق رحمۃ اللہ علیہ
انشاء اللہ جلد شریک محفل ہوگی

رابطہ:

نیر اقبال شجاع ناظم دارالاشاعت رحمانیہ بدوہ ملی ضلع نارووال۔

مدرسہ تعلیم الاسلام (رجسٹرڈ)

یہ مدرسہ گزشتہ اڑتیس برس سے دین مبین کے لئے سرگرم ہے اور شہر بدوہلی کا یہی ایک مدرسہ ہے جس نے یہاں قرآن کریم کو ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پڑھانے کی ابتداء کی۔ اس مدرسہ میں طلبہ اور طالبات کے الگ الگ حلقے قائم ہیں جہاں بچوں اور بچیوں کو ناظرہ قرآن پاک ترجمہ و تفسیر قرآن پاک حفظ القرآن اور حدیث کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے۔

مدرسہ تعلیم الاسلام للبنات کے نام پر ایک کنال رقبہ پر ایک نئی عمارت کھڑی کر دی گئی ہے جس پر تقریباً دس لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ عمارت کی دوسری منزل مکمل ہوتے ہی بیرونی بچیوں کی رہائش اور طعام کا بندوبست کیا جائے گا۔ انشاء اللہ اہل ثروت حضرات سے مدد کی اپیل ہے۔

الداعی الخیر

ڈاکٹر اختر اقبال تبسم

ناظم مدرسہ تعلیم الاسلام بدوہلی۔

دفاع صحابہ کے موضوع پر اس صدی کی اہم ترین دستاویزی کتاب

امیر المومنینؑ معاویہؓ حصہ دوم

تحریر حکیم عبدالرحمن خلیق

یہ کتاب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی اصحاب دشمن اور شیعہ نواز کتاب خلافت و ملوکیت کے جواب میں لکھی گئی ہے جسے مولانا نے اپنی سیاسی اغراض سے شیعہ کی حمایت حاصل کرنے کے لئے لکھا تھا اور جس میں مولانا نے شیعہ کی ہی زبان میں اخص اصحاب رسول کو سخت سب و شتم کا نشانہ بنایا اور امہات المومنین کی کردار کشی کی جس نے مسلمانوں کے دل چھلنی کر دیئے

امیر المومنینؑ معاویہؓ حصہ دوم میں

مصنف نے اصحاب رسول ﷺ اور امہات المومنین کے خلاف مولانا کی پھیلائی ہوئی سازش گمراہیوں اہتمامات سیاسی گالیوں اور قتل فریب سخن سازیوں کا پردہ بدلائل صحیحہ اور شواہد معتبرہ نہایت خوبی سے چاک کر دیا ہے اور اصحاب رسول پر اڑائے ہوئے مولانا کے کچھڑ کو دھو ڈالا ہے

نورث

صفحات ۷۳۶ لکھائی چھپائی عمدہ نفیس سفید کاغذ مضبوط ڈائی دار سنہری جلد قیمت ۲۰ روپے توڑاک خرچ سمیت ۱۳۵ روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج کر طلب فرمائیں وی پی طلب نہ کریں کتاب کے دونوں حصے یکجا طلب کر سکتی صورت میں آپ کو ۱۹۵ کے بجائے صرف ۱۸۰ روپے بچنے ہوں گے

ناظم دارالاشاعت بدولہی ضلع نازووال (پنجاب)

0436 - 810055 - 810015

